خطبات آسان دین

جلد دوم

تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(البقرة : ۱۸۵)

وقال النبي ﷺ: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ

(البخاري:۳۹)

خطباتِ آسان دین

جلد دوم

تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس

دار العلوم اشرفیہ راندیر، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : خطباتِ آسان دین (جلد دوم)

مؤلفہ : مولوی آصف بن اسماعیل مظاہری
(خادم التدریس دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

مرتب : حافظ محمد لقمان راندیری
(متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

کمپیوٹر کتابت : رشید احمد آچھودی +91 94286 89113

طبع اوّل : ۱۴۴۳ھ مطابق: ۲۰۲۲ء

تعدادِ صفحات : ۳۴۸

کتاب مندرجۂ ذیل جگہوں پر دستیاب ہے۔

(۱) حافظ یمان راندیری (متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر +91 90331 72956

(۲) حافظ زبیر کاٹھیاواڑی (متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر +91 97252 55549

اجمالی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

تفصیلی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

(۱) شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی روشنی میں

(۲) زوجین میں آپسی محبّت کے لیے (۲۱) ہدایات

(۳) اِمامت آداب وہدایات

(۴) ایمان والوں پر ہی حالات کیوں؟

(۵) وَساوِس اور اُن کا علاج

(۶) عطر اور خوشبو، فضائل وفوائد

(۷) بچّوں کے بگاڑ کی تین بڑی وجوہات

(۸) استخارہ فضائل و مسائل

(۹) شراب اور نشے والی ہر چیز حرام ہے

(۱۰) نشہ اور تمباکو کے نقصانات

(۱۱) نشہ، تمباکو، سگریٹ وغیرہ چھوڑنے میں معاونِ کچھ ہدایات

(۱۲) تعزیت کے آداب

(۱۳) قرض سے متعلّق شرعی ہدایات

(۱۴) بلاضرورت سوالات اور جاسوسی

(۱۵) ٹریفک، ڈرائیونگ اور پارکنگ کے اُصول اسلامی نقطۂ نظر سے

کلماتِ تائید وتوثیق

از

حضرت اقدس مولانا محمد خیر محمد مکی حجازی دامت برکاتہم العالیہ

(المدرّس بالمسجد الحرام)

الحَمْدُ لِأَهْلِهِ وَالصَّلوٰةُ علىٰ أَهْلِهَا. أما بعد.

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر اُمّت کی ذمے داریوں میں اہم ذمے داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، جس کا بہت آسان اور مفید طریقہ بیان وتقریر ہے جو نافعیت کے اعتبار سے تمام طبقات کو عام ہے۔ محبّ مکرّم حضرت مولانا آصف صاحب زیدمجدہ (مدرّس دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات) مختلف موضوعات پر مشتمل اپنے مواعظ و بیانات کی ایک جلد دلکش، دیدہ زیب اور خوشنما انداز میں شائع کر چکے ہیں، جس کے آغاز میں اکابر علما کی گراں قدر تقاریظ اور دُعائیہ کلمات درج ہیں، جو کتاب کے مفید ومعتبر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نیز مضامین کا انتخاب موقع وضروت کے عین مطابق ہے، جس طرح واعظین کے لیے کار آمد ہے اسی طرح عام قارئین کتاب کے حق میں بھی نفع بخش ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جلد سابق کی طرح اسے بھی قبولیت عامّہ نصیب فرمائیں، اُمّت کے لیے ذریعۂ ہدایت اور صاحب تالیف مولانا آصف صاحب دامت برکاتہم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں، آپ کو علمی وعملی میدان میں ترقیات سے بہرہ مند فرمائیں اور بے تکان اس مبارک سلسلے کو جاری رکھنے کی ہمت وتوفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

محمد خیر محمد مکی حجازی
المدرّس بالمسجد الحرام
المعروف بہ شیخ مکی

۲۹/ ذو القعدہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۲۸/ جون/ ۲۰۲۲ء

کلماتِ بابرکت

از

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد عاقل صاحب مَتَّعنا اللهُ بِطُولِ بَقَائِه

(شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور)

بِاسمِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ

دین کی تبلیغ و اشاعت کی کوشش اور معاشرے کی اصلاح و تربیت کی فکر علما و دُعاۃ کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کا بہترین اور کامیاب ذریعہ تقریر و خطابت ہے۔

عزیزم مولوی محمد آصف گجراتی سلّمہٗ (اُستاذ دارالعلوم اشرفیہ راندیر، گجرات) جامعہ مظاہر علوم کے ایک نوجوان اور ہونہار فاضل ہیں، تقریر و خطابت کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ اِس وقت مختلف موضوعات اور مختلف مناسبتوں سے کیے گئے اپنے بیانات کا ایک مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔

اُن کے مرسلہ بیانات کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ سلامتیٔ فکر کے ساتھ ساتھ علمی لطائف اور نکات پر بھی موصوف کی نظر ہے، معاشرے کی دینی ضروریات اور تقاضوں سے بھی واقف ہیں، اور پھر اپنی بات پیش کرنے کا اچھا سلیقہ بھی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم سلّمہٗ کی اس کاوِش کو شرفِ قبول عطا فرما کر ترقیٔ دارین کا ذریعہ بنائیں اور اُن کے بیانات کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

وَصَلَّى اللهُ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

محمد عاقل غفرلہٗ

۲؍ جمادی الاولیٰ ؍ ۱۴۴۳ھ

دُعائیہ کلمات

از

حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی قاسمی مدّت فیوضہم

(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

جناب مولانا آصف صاحب مظاہری زید مجدہم کے خطبات کا مجموعہ ''خطباتِ آسان دین'' (جلد اوّل) عمدہ کتابت وطباعت اور خوبصورت گرد پوش کے ساتھ پیش نظر ہے، جس میں مولانا آصف صاحب کے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی عنوانات پر مشتمل پندرہ خطبات کو شامل کیا گیا ہے۔ اور خطبات میں وارِد اقوال و آثار کے مآخذ اور حوالہ جات حاشیے میں درج کر دیے گئے ہیں۔ مولانا کا اندازِ بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔

کتاب کے آغاز میں عرضِ مؤلف اور عرضِ مرتّب کے علاوہ بارہ اکابر علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے تائیدی و دُعائیہ کلمات بھی شامل کتاب ہیں۔

ان بزرگوں کے اتباع میں بندہ بھی دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا آصف صاحب زید مجدہم کی خدمات قبول فرمائیں اور اس کتاب کی اشاعت کو اُمّت کے لیے نافع بنائیں۔

ابوالقاسم غفرلہٗ

دارالعلوم دیوبند

حال وارد: بنارس

۲۹ رمضان المبارک ر ۱۴۴۳ھ

کلماتِ بابرکت

از

خادم القرآن، فخرِ ملّت حضرت اقدس مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ
(بانی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب ''خطباتِ آسان دین'' مفتی آصف صاحب بمبئی کے بیانات ہیں جو نہایت نافع اور مفید ہیں، مولانا نے اہم عناوین کو نہایت آسان اور عام فہم زبان میں سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ خصوصاً مشکل باتوں کو بہترین مثالوں کے ذریعے آسان بنا کر پیش کی ہیں۔

مولوی آصف صاحب جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ کے فیض یافتہ ہیں اور بہت باصلاحیت و نیک طبیعت ہیں، ان کے خطبات کو علما نے پسند فرمایا ہے، میں بھی ان کے لیے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ''خطباتِ آسان دین'' کو قبول فرمائیں اور اُمّت کے لیے نافع اور مفید ترین بنائیں۔ آمین۔

غلام محمد وستانوی غفرلہٗ

۱۷/ذوالقعدہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۶/ ۶/ ۲۰۲۲ء

قیمتی سرمایہ حیات دُعائیہ کلمات

از

حضرت اَقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل وخلیفہ اجل حضرت مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبّ مکرّم جناب مولانا محمد آصف صاحب زید مجدہٗ (مدرّسِ عربی دارالعلوم اشرفیہ راندیر) کے خطبات کے مجموعے میں سے چند خطبات کا مطالعہ کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دینی موضوعات پر گفتگو کرنے کا عمدہ سلیقہ عطا فرمایا ہے اور آپ اُس کو دین کی نشر و اشاعت نیز بندگانِ خدا کو دین سے قریب کرنے میں استعمال فرمارہے ہیں، جس پر میں اُن کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کی ان وقیع اور عظیم خدمات کو حُسن قبول عطا فرما کر اپنی رضا وقرب کا ذریعہ بنائیں اور بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کی اہم خدمت اُن سے لیں۔ آمین یارب العالمین۔

أملاہ

العبد احمد عفی عنہ، خان پوری

۸ر جمادی الثانیہ ر ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۲ر جنوری ر ۲۰۲۲ء

تقریظِ عالی

از

حضرت الاستاذ مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم العالیہ

(اُستاذِ حدیث دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. أَمَّا بَعْد.

تبلیغِ دین اور نصرتِ اسلام کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ خطابت و بیان ہے۔ یہ قیمتی مجموعہ عزیز القدر مولوی آصف سلّمہٗ کے گراں قدر بیانات پر مشتمل ہے، چند ماہ پہلے جلد اوّل منصۂ شہود پر آئی تھی، اس وقت جلد ثانی منظرِ عام پر آرہی ہے۔ والحمد لله علىٰ ذلك.

مولانا موصوف کا بیان کیا ہے؟ اُمّت کے درد کا درماں ہے، حالاتِ حاضرہ کی رہبری ہے، تجربات کا غمّاز ہے، دِلوں کی اَنگیٹھی کو گرمانے والا ہے، قرآن وحدیث کا عطر کشید ہے، آپ کا حاصل مطالعہ ہے، اچھا خاصہ محاضرہ ہے۔

ماشاء اللہ یہ مجموعہ اپنی باطنی خوبی کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے، موصوف نستعلیقی ذوق رکھتے ہیں، طباعت موتی کے دانوں کی طرح، تزیین کاری دِلرُبا اور باصرہ نواز ہے۔

صاحب خطبات اصلاحی مزاج کے حامل، مذہبی غیرت سے سرشار ہیں، علم کے خوگر اور علمی نکات کے قدردان ہیں، منقولات کے ساتھ معقولات پر اچھی گرفت ہے، لہٰذا یہ مجموعہ عوام کے ساتھ خواص کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔

موصوف مبارک بادی کے ساتھ شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ پاک شرفِ قبول عطا فرمائیں، آپ کی زبان وقلم بے تکان اُمّت کی خدمت کرتے رہیں، اللہ پاک اس مبارک سلسلے کو جاری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

دُعاگو ودُعاجو

احمد ٹنکاروی غفرلہٗ

۹/ ذوالقعدہ/ ۱۴۴۳ھ/ جمعہ

تقریظِ بلیغ

از

فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدّ ظلہ

(استاذ فقہ وشعبۂ افتاء دار العلوم دیو بند)

باسمه سبحانه وتعالىٰ

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلىٰ رَسُوْلِهِ الكَرِيْمِ

قوتِ گویائی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اور اس کا سب سے بہتر اور نفع بخش استعمال یہ ہے کہ آدمی اُسے علم کی اشاعت اور اُمّت کی دعوت واصلاح میں صرف کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝۳۳﴾ [فصلت:۳۳] (اور اس سے بہتر کس کا قول ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور خود نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں۔)

ہر دور میں علمائے ربّانی نے وعظ وتذکیر کے لیے تقریری اور تحریری محنتیں فرمائی ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ آج بھی پورے عالم میں جاری ہے، جس سے اُمّت کا ہر طبقہ فیض یاب ہورہا ہے۔

حالات کے اعتبار سے قابل توجّہ موضوع کو منتخب کر کے معتبر مواد حاضرین کے سامنے آسان اور مؤثّر انداز میں پیش کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور اگر اس کو تحریری شکل میں جمع کردیا جائے تو اس کا فائدہ مزید دیرپا ہوجاتا ہے۔

چنانچہ معروف خطیب اور داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد آصف صاحب مظاہری زید کرمہم (استاذ دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت) نے اِسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے متفرق اصلاحی موضوعات پر اپنے بیانات کو ''خطباتِ آسان دین'' کے نام سے بہتر اور جاذبِ نظر انداز میں اعلیٰ معیار پر مرتّب کر کے شائع فرمایا ہے۔

اور ان بیانات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر بیان کا یوٹیوب پر ویڈیو سننے کے لیے ایک بار کوڈ دیا گیا ہے، جس کے ذریعے موبائل پر مکمّل بیان سنا جا سکتا ہے۔

اس وقت احقر کے سامنے ''خطباتِ آسان دین'' کی دوسری جلد ہے۔ جس میں ''تعزیت کے آداب''، ''قرض سے متعلق شرعی ہدایات''، ''شانِ صحابہ''، ''زوجین میں آپسی محبت''، ''شراب اور نشے کے نقصانات'' اور اس طرح کے بہت سے مفید موضوعات پر اچھا خاصا مواد جمع کر دیا گیا ہے، جو عوام و خواص سبھی کے لیے نفع بخش ہے، بالخصوص واعظین اور خطبا کے لیے زیادہ مفید ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش اور محنت کو قبول فرمائیں اور اس سلسلے کو آئندہ بھی جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۱۴/۱۱/ ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۱۵/۶/ ۲۰۲۲ء
بروز بدھ

تقریظ وقیع

از

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی

(ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت کا ایک مؤثّر ذریعہ خطاب ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے زیادہ تر اسی ذریعے کو استعمال فرمایا ہے، قرآن مجید میں قصص انبیا کے تحت کثرت سے اُن کے خطابات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسی لیے ہر دور میں داعیانِ اُمّت بھی اپنے خطبات کے ذریعے اصلاح ودعوت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، یہ مخاطب کے دل پر دستک دینے کا سب سے آسان، سب سے مؤثّر اور سب سے زیادہ مقبول طریقہ ہے، اسی لیے ہمیشہ اہل علم نے اپنے خطبات مرتّب کیے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ''خطباتِ آسان دین'' ہے، جس میں روزمرّہ کی دینی ضروریات، عبادات، معاشرت، اخلاق اور حلال وحرام سے متعلّق عام فہم خطبات دل چسپ اُسلوب میں مرتّب کیے گئے ہیں۔

راقم الحروف حرمِ مکی میں عمرہ کے لیے حاضر ہوا، یہیں مصنّف کتاب مولانا

آصف صاحب مظاہری زیدت حسناتہ (اُستاذ دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات) سے ملاقات ہوئی اور اُنھوں نے اپنا مرتّب کیا ہوا مبارک تحفہ عنایت فرمایا، حالت سفر میں پوری کتاب تو پڑھی نہیں جاسکی، لیکن جستہ جستہ مطالعہ کیا، بڑی خوشی ہوئی، ماشاء اللہ اچھے موضوعات کا انتخاب کیا ہے، زبان آسان اور عام فہم ہے، جو بات کہی گئی ہے مستند مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے، قرآن و حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور ضمنی طور پر بزرگوں کے ملفوظات اور واقعات بطورِ درس وموعظت نقل کیے گئے ہیں۔

اُمید ہے کہ ان شاء اللہ خطبات کے اس مجموعے سے عوام وخواص کو نفع ہوگا، اس کو جدید ٹکنولوجی کے استعمال نے مفید تر بنا دیا ہے، جس کی مدد سے اس کتاب کو یوٹیوب پر بھی سنا اور دیکھا جاسکتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور اس کی اگلی جلدیں بھی جلد منظر عام پر آسکیں۔ واللہ المستعان.

۵رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ

مکّہ مکرّمہ

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی

(ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

کلماتِ بابرکت

از

داعیٔ عظیم حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدّظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''خطباتِ آسان دین'' نامی کتاب آج موصول ہوئی اور مؤلف کتاب مفتی آصف صاحب کا تعارف میرے بیٹے مفتی حذیفہ سلّمہٗ نے کروایا، اور پتا چلا کہ یہ خطبات کی پہلی جلد ہے اور دوسری جلد بھی عن قریب منصۂ شہود پر آ رہی ہے، کتاب ہاتھ میں لے کر اس کے مضامین دیکھے اور شروع کتاب میں علما کی تقاریظ دیکھیں تو مؤلف کتاب کے تعارف کے ساتھ ان کی وقعت بھی محسوس ہوئی اور کتاب کے مضامین کو عمدہ اور اُمّت کے لیے نافع پایا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمّت کے لیے نافع اور مؤلف کتاب اور اُن کے معاونین کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں اور اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔آمین یاربّ العالمین۔

محمد یونس پالن پوری
نزیل حال: بمبئی
۲۲؍شوّال المکرّم؍ ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۲۴؍مئی؍ ۲۰۲۲ء

تقریظ

از

حضرت مفتی محمد فاروق صاحب فلاحی مدنی دامت برکاتہم

(استاذِ حدیث جامعہ اشاعۃ العلوم اکّل کوا)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْكَرِیْمِ. أَمَّا بَعْدُ.

جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کا ایک حصّہ خطابت ونصیحت، تذکیر وتقریر بھی رہا ہے، نیز انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی خطابت اور نصیحت کی طرف کافی اعتنا اور توجہ فرمائی، اس لیے کہ منبر ومحراب، مسند واسٹیج سے انقلابِ صالح برپا ہونا یہ امر مسلّم ہے، بالخصوص جب کہ ان کی زینت اور ان کے داعی ایسے حضرات علمائے کرام ہوں جنھیں صاف ستھری فکر، عقائدِ صحیحہ اور اہل اللہ کی سرپرستی نصیب ہو۔

ان ہی دُعاۃِ مخلصین میں سے ہمارے رفیقِ مکرّم مفتی آصف صاحب بمبوی (استاذِ حدیث وفقہ دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت) ہیں۔ الحمد للہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے رفیقِ مکرّم مختلف مواقع اور حالات وتقاضے کے اعتبار سے اُمّت کی صحیح رہبری فرمانے کے لیے خطابت اور تذکیر کا سہارا لیتے ہیں، نوجوانانِ اُمّت میں عموماً اور شہریانِ سورت میں خصوصاً مفتی آصف صاحب زیدت معالیہم کو تلقّی بالقبول حاصل ہے۔ ان کی خطابت میں جہاں سوزِ دروں ہے وہیں حالات کی ہم آہنگی بھی ہے اور زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے وہ اس کی تشنگی کو بجھانے کی بھی بھرپور سعیٔ بلیغ فرماتے ہیں۔

اللہ ربّ العزت خوب قبول فرمائیں اور ان کو زورِ خطابت مزید حاصل ہو، انقلاب آفرینی کی صلاحیت اور تاثیر پیدا ہو۔

ان ہی چند کلمات کو لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے رفیقِ مکرّم مفتی آصف صاحب کو تہہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محمد فاروق بن عباس الفلاحی المدنی
خادم التدریس جامعہ اکّل کوا
ودار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

تاثّرات

از

حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

(اُستاذِ حدیث وفقہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحَمْدُ لِلّٰہِ الذِيْ قَالَ: ﴿اَلرَّحْمٰنُ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۝﴾ والصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِيْ خَطَبَ عَلَى المِنْبَرِ خُطَبًا بَلِيْغَةً فَصِيْحَةً مَمْلُوءَةً بِالمَوعِظَةِ وَالنَّصِيْحَةِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، أَمَّا بَعْدُ.

وعظ ونصیحت، تقریر وخطابت یہ دین کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، آدمی اخلاص کے ساتھ قرآن وحدیث کی باتیں، دین کی باتیں، اللہ کے بندوں کو پہنچائے تو اس سے ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا وعدہ ہے:

﴿وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (الذّٰریٰت : ۵۵)

ترجمہ: اور نصیحت کرتے رہو، کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اسی لیے علم اور دین کی جو باتیں ہمارے پاس ہیں ان کو وعظ ونصیحت اور تقریر

کے ذریعے لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے، اس میں: (۱) تبلیغ دین کا ثواب ملے گا۔ (۲) لوگ جو ہم سے علم سیکھیں گے، اس پر عمل کریں گے اور دوسروں تک پہنچائیں گے وہ بھی ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنے گا، اس کے علاوہ وعظ ونصیحت میں اور بھی بہت سارے فوائد ہیں۔

محترم ومکرّم حضرت مولانا مفتی آصف صاحب زیدمجدہم بہت اچھے مدرّس بھی ہیں اور بہت اچھے مقرّر بھی ہیں، ان کی تقاریر کے مجموعے کی پہلے ایک جلد شائع ہوچکی ہے، جس پر علما، صلحا اور اہل علم وقلم نے زوردار تائیدوں سے نوازا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ محترم مفتی آصف صاحب کو دنیا وآخرت میں اپنی رضا عطا فرمائے، اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ شرور فتن سے اُن کی حفاظت فرمائے، ان کے مواعظ کو اللہ تعالیٰ بے انتہا مقبول فرمائے۔

بندہ

محمود حافظ جی بارڈولی عفی عنہٗ

مؤرخہ: ۳/ذوالقعدہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۴/جون/ ۲۰۲۲ء

تقـــریظ

از

حضرت مفتی شاہجہاں صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

(امام وخطیب مدن پلّی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾﴾

خطابت لغت میں کسی کوکلام کے ذریعے مواجہت کرنے کو کہا جاتا ہے۔اور خطابت کی متعدد تعریفات میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ خطابت ایک ایسی صلاحیت کا نام ہے جو کسی بھی موضوع پر سامع کو قائل کرنے کا باعث بنتی ہے۔خطابت ایک دینی ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سماجی ضرورت بھی ہے جو حالات کے پیش نظر خطبا پر عائد ہوتی ہے اور تمام قوموں کو اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اور قوموں کی تاریخ کے شاندار حالات ان ہی خطیبوں کے مرہونِ منّت ہوتے ہیں جنہوں نے ضرورت کے وقت مختلف موضوعات کے ذریعے اپنی گزارشات کو اُمّت کے سامنے نہایت مخلصانہ انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے سامعین کو متاثر کیا ہے۔

خطابت کا یہ سلسلہ اس امّت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی اس وقت سے شروع ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر اپنے قریبی رشتہ داروں کو خطاب

فرمایا اوران سب کوان الفاظ میں آواز دی: ''اے بنوفہر! اے بنوعدی! یہاں تک کہ وہ سب اکٹھے ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نہایت ہی مؤثر انداز میں آخرت کے عذاب سے ڈرایا، لہٰذا خطابت اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کا ایک اہم ستون اور اہم ذریعہ ہے، کیونکہ یہ فن لدنی وکسبی زندگی کے اس مظہر کی نمائندگی کرتا ہے جو اعلیٰ اقدار، بلند نظریات اور نیک اخلاق کو دل سے دل تک پہنچاتا ہے، اور سوچ سے فکر تک روح کو تازگی بخشتا ہے۔

خطابت اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کی سب سے نمایاں شکلوں میں سے ایک ہے، جس نے اسلام میں وہ بلند مقام حاصل کیا ہے جس کے ذریعے روحیں سنور جاتی ہیں، خوابیدہ ذہن بیدار ہوجاتے ہیں اور گناہوں سے تاریک بصیرتیں اطاعت کے نور سے منور ہوتی ہیں، خطابت دعوت کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے اللہ تعالیٰ حق کو قائم فرماتے ہیں اور باطل کو مٹاتے ہیں۔ اور خطیب ومبلغ ان لوگوں میں سے ہے جو وقت کی راہ پر دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر باطل کا مقابلہ کرتا ہے، اس لیے اس عظیم فریضے کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اپنایا جاتا رہا اور امّت کی رہنمائی کی جاتی رہی۔

ان ہی سعادت مند خطبا میں سے صوبۂ گجرات، سورت شہر کے قدیم وعظیم مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے استاذِ حدیث وفقہ، مشہور ومعروف خطیب حضرت مولانا مفتی آصف صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں جن کے خطبات، بیانات ومواعظ سے مختلف مجالس میں موجود عام سامعین براہِ راست استفادہ کررہے تھے اور ملک وبیرونِ ملک کی عوام کے ساتھ ساتھ نوجوان علما کا ایک بڑا طبقہ یوٹیوب کے ذریعے مستفید ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت کے خطبات اردو ادب، فصاحت وبلاغت کے ساتھ دل سوز آواز اور دل کش انداز سے مرتّب

ہوکرلڑی کے موتیوں کی طرح سلاست کے ساتھ زبانِ حال وقال سے صادر ہوکر، مٹھاس سے بھرے ہوئے لبوں سے جاری ہوکر سامعین کے دلوں پر اثر انگیز ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے بندہ سمیت بہت سے محبین و متعلقین عوام اور علما ورُفقا کی خواہش پر افادۂ عام کے پیش نظر **''خطباتِ آسان دین''** کے نام سے بعض مواعظ کا مجموعہ پہلی جلد کی شکل میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا اور اس نے جلد ہی عوام وخواص کی توجہات کو اپنی جانب مائل کرلیا۔

زیرنظر کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک دوسری کڑی یعنی دوسری جلد ہے جس میں بہت ہی اہم موضوعات پر قرآنی آیات، احادیث نبویہ، مستند واقعات، ضرب الامثال، بے مثال اشعار واقوال کے ذریعے مدلل ومحقق انداز میں بیانات مزین ومرتّب ہوکر منظر عام پر آگئے ہیں۔ بندے نے ذاتی طور پر حضرت کے خطبات سے کافی استفادہ کیا ہے اور بھی مزید خطبات کا بندے کو انتظار ہے، بلکہ بندے نے ایک موقع پر **''خطباتِ آسان دین''** کی پہلی جلد کے منظر عام پر آتے ہی خواہش ظاہر کی اور دُعا بھی کہ یہ سلسلہ پچاس جلدوں تک کم از کم جاری رہنا چاہیے، اللہ کرے کہ بندے کی یہ تمنا بروقت پوری ہوجائے۔

دُعا ہے کہ اللہ پاک حضرت جیسی گفتگو کا انداز جو کہ خلوص وللّٰہیت سے بھرپور ہوتا ہے بندے کو اور آپ قارئین کو بھی نصیب فرمائیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

از

شاہجہاں قاسمی غفرلہٗ

۲۸/شوّال المکرّم/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۲۰۲۲/۵/۲۹ء

عرضِ مرتب

بِاسْمِهِ الفَتَّاحِ

الحَمْدُ لِوَلِيِّه، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّه، أَمَّا بَعْدُ.

ہم بارگاہِ ایزدی میں ترانۂ حمد وشکر سے رطب اللسان ہیں کہ استاذِ محترم حضرت مولانا آصف صاحب زید مجدہم العالی کے علمی و تحقیقی بیانات کی دوسری جلد بنام **''خطبات آسان دین''** منظر عام پر آرہی ہے، جلد اوّل جُمادی الآخرہ/ ۱۴۴۳ھ مطابق: جنوری/ ۲۰۲۲ء کو زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر جاذبِ نظر انداز میں، اعلیٰ معیار پر مرتب ہوکر منصۂ شہود پر آئی تھی، جس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور بفضل اللہ بہت جلد علما، طلبہ، ائمۂ مساجد اور عوام میں پذیرائی حاصل ہوئی، کتاب کے ظاہری حسن اور باطنی کمال کا اعتراف کیا گیا، متعدد علمائے کرام نے بڑی ذرّہ نوازی اور حوصلہ افزائی فرمائی اور مزید جلدوں کی خواہش ظاہر کی، یہ سب بفضل ایزدی ہیں۔ فَلِلّٰهِ الحَمْدُ وَالشُّكْرُ.

جلد اوّل ہی کی طرح اس جلد میں بھی حوالہ جات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، مستند و مدلل باتیں ہی ذکر کی گئی ہیں، ہر تقریر کے سرورق پر کیو آر کوڈ (QR CODE) دیا گیا ہے جس کے ذریعے خطاب کو بشکل خطاب بھی سنا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں طے شدہ مضمون سے انحراف نہ کرتے ہوئے تحت العنوان کلام کیا گیا ہے جس سے استفادہ نہایت سہل ہوجاتا ہے۔

اس جلد ثانی کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس جلد کے لیے ایسے مضامین و عناوین منتخب کیے گئے ہیں جو عام طور پر خطبات ومواعظ کی کتب میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔

ہم اس جلد ثانی کی اشاعت وطباعت کے موقع پر سب سے پہلے اُن اہل اللہ اور بزرگانِ باخدا کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اپنی گراں قدر تقاریظ اور دُعائیہ کلمات سے نواز کر بڑی ذرّہ نوازی اور حوصلہ افزائی فرمائی، حق تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت نصیب فرمائیں۔ اسی طرح تمام معاونین کی خدمت میں ہدیۂ تشکّر پیش کرتے ہیں، بالخصوص مولانا رشید صاحب آچھودی دامت برکاتہم (استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ گجرات) کے بصمیم قلب شکر گزار ہیں جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ میں اپنی بہترین استعداد کا مظاہرہ کیا اور کتاب کے حسن کو دوبالا کیا۔ جَزَاهُمُ اللهُ خَيْرًا.

خطبات کی دوسری جلد قارئین باتمکین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ جلد سابق کی طرح اسے بھی تلقّی بالقبول عند اللہ وعند الناس حاصل ہو، قارئین کے لیے دینی، دنیوی اصلاح واُخروی فلاح کا ذریعہ بنے اور مؤلف کے لیے ذریعۂ نجات ثابت ہو۔

اللہ ربّ العزت صاحبِ تالیف لطیف حضرت الاستاذ مولانا آصف صاحب کے ظِل عاطفت کو تادیر ہمارے سروں پر سایہ فگن رکھیں، آپ کے علمی فیوض سے ہم سب کو فیض یابی کی سعادت نصیب فرمائیں۔ آمِيْن بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَّآخِرًا. وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

از: مرتب

محمد لقمان راندیری غفرلہٗ

متعلّم دار العلوم اشرفیہ راندیر

۱۴/ ذوالقعدہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۵/ جون/ ۲۰۲۲ء

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم
قرآن مجید کی روشنی میں

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة : ١٣٧)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٠٠﴾ (التوبة : ١٠٠)

وَقَالَ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَر:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ﴾ (الفتح: ٢٩)

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ."(١)

جا زندگی! مدینے سے جھونکے ہوا کے لا
شاید حضور ہم سے خفا ہیں منا کے لا
کچھ ہم بھی اپنا چہرۂ باطن سنوار لیں
بوبکرؓ سے آئینے صدق و صفا کے لا

(١) صحيح البخاري / كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، الرقم : ٣٦٧٣.

دُنیا بہت ہی تنگ مسلماں پہ ہو گئی
فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کے نقشے اُٹھا کے لا
گمراہ کر دیا ہے نظر کے فریب نے
عثمان رضی اللہ عنہ سے زاویے ذرا شرم وحیا کے لا
یورپ میں مارا مارا نہ پھر اے گدائے علم!
دروازۂ علم سے یہ خیرات جا کے لا

تمہید:

واجب الاحترام سامعین کرام! آج کی اِس مبارک مجلس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق ووفا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر خیر کی سعادت حاصل کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس عاجز کو اخلاص کے ساتھ صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور عمل کے جذبے سے کہنا اور سننا نصیب فرمائیں۔

آج باطل طاقتیں اسلامی عمارت میں شگاف اور دَراڑ پیدا کرنے کی ناکام کوششیں کررہی ہیں، وہ یہ نہیں جانتیں کہ

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸ ﴾ (الصف : ٨)

(''منکرین حق) چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں، جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے، اگرچہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔''

شاعر کہتا ہے:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دین اسلام کے اِس نور کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر حال میں مکمل فرمائیں گے۔ اسلام

کی عمارت کو، شریعت کے اس حسین قلعے کو، اس خوبصورت شریعت کو مٹانے کی ناپاک کوشش میں ایک سعیٔ لاحاصل یہ کی جارہی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ختم نبوّت پر طرح طرح کے حملے کیے جارہے ہیں، اور مدعیانِ نبوّت اور جھوٹے نبی کھڑے کر کے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لائی ہوئی باتیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بتائی ہوئی شریعت گویا نامکمّل ہے، اور دوسری کوشش یہ کی جارہی ہے کہ جن واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام اُمّت تک پہنچا ہے اُنھیں مطعون اور مجروح کر دیا جائے، اور شریعت کی اس عمارت کو متزلزل کر دیا جائے، ہلا دیا جائے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ وقت کے نبی نمائندۂ رب ہوتے ہیں، وقت کے نبی اللہ تعالیٰ کے سفیر اور نمائندے ہوتے ہیں، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفیر و نائب ہیں، سفیر پر اُنگشت نمائی اور اُن کی شان میں ہرزہ سرائی کرنا درحقیقت شانِ نبوّت کی طرف اُنگشت نمائی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ذاتِ اقدس کو مطعون اور مجروح کرنے کی ناپاک و ناکام کوششیں کرنا دراصل نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس میں گستاخی کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حرکتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

فضائل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں:

ہم سب اہل سنّت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس دُنیا میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بہتر نفوسِ قدسیہ اور پاکیزہ ترین کوئی طبقہ ہے تو وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، ان نفوسِ قدسیہ کے محاسن ومحامد اور صفاتِ عالیہ کے بیان سے قرآن مجید کی نصوص اور آیات بھری پڑی ہیں، ایک تحقیق کے مطابق گیارہ سو چھپن (۱۱۵۶) آیتیں قرآن مجید میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور محاسن و مناقب کو

بیان کرنے کے لیے اللہ عزّوجل نے ذکر فرمائی ہیں۔

ہر صحابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقل معجزہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اَقدس کے مختلف معجزات ہیں، کتنے معجزات ہیں؟ اُن کی تعداد کے سلسلے میں علما نے مختلف باتیں نقل فرمائی ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق کے مطابق ایک ہزار سے زائد معجزات ہیں۔[1] اور بعض حضرات نے دو ہزار یا تین ہزار کے قریب معجزات شمار کروائے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے اُن معجزات میں سے جو بڑے بڑے معجزات ہیں اُن میں ایک قرآنِ مقدس کا معجزہ ہے، جو علمی معجزہ ہے، معجزۂ شق القمر یعنی چاند کے دوٹکڑے کرنا یہ بھی ایک معجزہ ہے، اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا سفرِ معراج بھی ایک اہم معجزہ ہے، ان معجزات میں سے علما نے ایک اہم معجزے کا تذکرہ کیا ہے کہ ہر ہر صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا ایک مستقل معجزہ ہے، وہ ذات اور وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کے بارے میں قرآن مجید نے یہ کہہ دیا:

﴿وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

”اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے، پھر اُس (اللہ) نے تمھیں اس گڑھے سے بچالیا۔“

زمانۂ جاہلیت میں وہ جہنّم کے آخری گڑھے تک پہنچ چکے تھے، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزانہ شان کی بدولت اُنھیں نکال کر حق وصداقت کے بامِ عروج اور مقامِ ثریا تک پہنچایا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے مقام تک پہنچایا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا مستقل معجزہ ہے، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے

(۱) الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح : ۳۹۹/۱.

ہرایک صحابی ہمارے نبی کا مستقل معجزہ ہے، پھرتو معجزات کی تعداداور بڑھ جائے گی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ ہدایت ہیں:

اسی طرح قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی گئی:

﴿فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ﴾

''پھر اگر وہ (بھی) اسی طرح ایمان لائیں جیسے (اے صحابہ!) تم اُن پر ایمان لائے ہوتو وہ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے۔اور اگر وہ منھ پھیر لیں تو (سمجھ لیں کہ) وہ محض مخالفت میں ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کومعیارِ ہدایت قرار دیا ہے کہ ہر مؤمن کے لیے صحابۂ کرام جیسا ایمان ضروری ہے۔

اپنے ایمان کو جانچو! معیار پر پرکھو! کسوٹی پر رکھو! ایمان کو جانچنے کا تھرمامیٹر کیا ہے؟ فرمایا: حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تمھارے ایمان کا تھرمامیٹر ہے۔

ایمان کے اس تھرمامیٹر کو سمجھنے کے لیے ہم ایک مثال لیتے ہیں کہ ہم درزی کے پاس کپڑا سلانے کے لیے دے رہے ہیں، ہم نے اُس کوایک نمونہ سیمپل (Sample) دیا کہ ایسا کپڑا سی کر دیں، اس طرح کی ڈیزائن ہونی چاہیے، اس طرح کی سائز (Size) ہونی چاہیے، ایسا سلا ہوا کپڑا ہمیں چاہیے، نمونہ دے کر ہم نے بتادیا کہ اگراس طرح کا کپڑا سِل کر دیں گے تو آپ اُجرت کے اور اُس کپڑے کی سِلائی کے حقدار ہوں گے، اوراگر ایسا کپڑا نہیں سلیں گے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو کپڑے کا جُرمانہ دینا پڑے۔

توہمیں بھی بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کووہ ایمان پسند ہے جو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا

ایمان ہے، اس درجے کا ایمان مطلوب ہے۔

اب یہاں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ایک نکتہ (Point) کی بات سمجھ لیں کہ جو کپڑا سلانے والا بندہ اُس درزی کو کپڑا دے رہا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہیے، اسی طرح کا سی کر آپ دیجیے، تو یہ سیمپل کیوں پیش کیا جا رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ بہت پسند ہے، یہ کپڑا سلانے والے کی چوئیس (Choice) ہے، اس کا انتخاب ہے، زیادہ پسند ہے اسی لیے اُس کپڑے کو آئیڈیل (Ideal) اور نمونہ بنایا گیا کہ ایسا بنا کر دیں۔ نمونہ اور سیمپل معمولی چیز کو نہیں بنایا جاتا، اللہ تعالیٰ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو سیمپل اور نمونہ بنا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا ایمان اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، لہٰذا وہ حضرات معیارِ حق ہیں، اُن جیسا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و مطلوب ہے۔

ہمارا ایمان اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان:

پھر یہاں ایک اور بات بھی سمجھنی ہے کہ کہاں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان جنھوں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے جمالِ جہاں آرا اور نزولِ وحی کی تجلیات کا بالمشافہہ مشاہدہ کیا، نورِ نبوّت سے وہ لوگ براہِ راست مستفید ہوئے، تو جس برگزیدہ جماعت نے جمالِ نبوّت کا روبرو دیدار کیا ہو اُن کا ایمان کہاں اور ہمارا ایمان کہاں؟ تو ایمان کی اُس سطح کو پہنچ ہی نہیں سکتے، جیسا کہ ایک مشہور واقعے سے معلوم ہوتا ہے، جس میں صحابئ رسول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نَافَقَ حَنْظَلَةُ"[1] کہ حنظلہ منافق ہو گیا، پھر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ رسالت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھاتے ہوئے فرمایا: "سَاعَةً وَّسَاعَةً" کہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہنا لازم نہیں ہے، کبھی ایک الگ حالت ہوتی ہے اور

(۱) صحيح مسلم / كتاب التوبة/ باب فضل دوام الذكر والفكر في أمور الآخرة، الرقم : ۲۷۵۰.

کبھی الگ، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا شبہ اس لیے ہو گیا تھا کہ دربارِ رسالت میں حاضر رہتے ہوئے دِل کی جو ایمانی کیفیت ہوتی ہے وہ اپنے بیوی بچّوں کے پاس پہنچ کر نہیں رہتی، کیفیت کم ہو جاتی ہے، لہٰذا اُنھیں نفاق کا ڈر لگا۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ایمان کی کتنی فکر تھی اُس کا اندازہ ایک مثال سے کیجیے، کسی نے بڑی اچھّی اور عام فہم مثال ذکر کی ہے کہ جب ہم ٹرین میں سفر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ٹرین میں مختلف نوعیت کے ڈِبے (Coaches) ہوتے ہیں، کچھ ڈبّے عمومی یعنی جنرل (General Coaches) ہوتے ہیں، جن میں رزرویشن (Reservation) نہیں ہوتا، اُن میں بھیڑ بھی خوب ہوتی ہے، جب کہ بعض ڈِبّے ٹرین میں ایسے ہوتے ہیں جنھیں فرسٹ کلاس (First Class) کہا جاتا ہے، اِن ڈِبّوں میں رِزرویشن ہوتا ہے، جس میں سیٹ کے مطابق ہی مسافر ہوتے ہیں، زیادہ بھیڑ نہیں ہوتی، اب ایک شخص ٹرین کے سادہ جنرل ڈِبّے میں سفر کر رہا ہے، جس کے پاس اپنی جیب میں سو روپیے ہیں، یا پچاس روپیے ہیں، جنرل ڈِبّا ہونے کی وجہ سے اُس کی سیٹ بھی رِزرو نہیں ہے، تو یہ شخص جہاں بھی جگہ ملے گی وہاں آرام سے سو بھی سکتا ہے، اُس کو بھیڑ زیادہ ہونے کے باوجود چور لٹیروں کا ڈر نہیں لگے گا، اس لیے کہ اُسے معلوم ہے کہ اُس کی جیب میں کوئی زیادہ بھاری رقم نہیں ہے، سو روپیے ہیں، اگر چوری بھی ہو گئے تو کونسی بڑی چیز چوری ہو جائے گی؟ لہٰذا اُسے کوئی فکر نہیں رہتی، اس کے برخلاف وہ مسافر جو فرسٹ کلاس ڈِبّے میں سفر کر رہا ہوتا ہے، جس کے پاس جیب میں پانچ لاکھ روپیے جیسی خطیر رقم بھی ہے، وہاں بھیڑ کم ہوتی ہے، حفاظتی انتظامات بھی ہوتے ہیں، اس کے باوجود یہ بندہ چین کی نیند نہیں سوئے گا، رات بھر بار بار اپنی جیب کو ٹٹولتا رہے گا اور معلوم کرتا رہے گا کہ کہیں اُس کی رقم چوری تو نہیں ہو گئی؟ وہ مطمئن

ہر گز نہیں رہے گا۔

یہی حال ہمارے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے فرق کا ہے، ہماری زندگی اُس جنرل ڈِبّے کی طرح گزر رہی ہوتی ہے، اور ہمارے پاس ایمان ایک معمولی رقم کی طرح ہے، جس کے لُٹ جانے کا ہمیشہ خدشہ اور ٹینشن زیادہ نہیں رہتا، جب کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ مبارک میں تھے، انوارِ نبوّت کی تجلیات براہِ راست حاصل کر کے مستفید ہو رہے تھے، اِس وجہ سے اُن کو ہر وقت اپنے ایمان کی فکر رہا کرتی تھی کہ اُن کا ایمان ہم سے زیادہ قیمتی تھا، وہ اپنے ایمان کو ٹٹولتے رہتے تھے کہ وہ سلامت تو ہے؟ کہیں ختم تو نہیں ہو گیا؟ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو صرف کیفیت کا فرق محسوس ہوا تو اُسے بھی نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کر دیا کہ "نَافَقَ حَنْظَلَةُ" کہ حنظلہ منافق ہو گیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا کہ دربارِ رسالت میں حاضری کے وقت کی کیفیت الگ ہے، اور بیوی بچّوں کے ساتھ رہنے کی کیفیت الگ ہے، ہر وقت وہی کیفیت رہے جو دربارِ رسالت میں حاضری کے وقت ہوتی ہے تو ملائکہ تم سے مصافحہ کرنے کو بے تاب ہوں گے۔

تو بہر حال قرآن مجید کی اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ایسا ایمان معتبر مانا جائے گا جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح ہو، میچنگ ہونا چاہیے، اگر اُن کی طرح ایمان لاؤ گے تب ہی ہدایت یافتہ مانے جاؤ گے، اور تب ہی صراطِ مستقیم پر گامزن مانے جاؤ گے، اور اگر ایسا ایمان نہیں ہے تو محض بدبختی کے علاوہ کچھ نہیں۔

ایمانی کیفیت کے تفاوت کی مثال:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِن دونوں کیفیتوں

کی بڑی پیاری مثال ذکر فرمائی ہے کہ سمندر جب عروج پر ہوتا ہے، اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو اُس میں لہریں اُٹھتی ہیں، سمندر موجیں مارتا ہے، اور کبھی سمندر نارمل (Normal) ہوجاتا ہے، اُس وقت اُس میں بڑی لہریں نہیں اُٹھتیں، پانی سکون سے بہتا رہتا ہے، تو فرمایا کہ دربارِ رسالت میں حاضری کے وقت ایمان کی کیفیت سمندر کی طغیانی وعروج کے مشابہ ہے، اس وقت ایمان اپنے عروج اور شباب پر ہوتا ہے، اس وقت ایمان میں تازگی اور جوش زیادہ محسوس ہوتا ہے، اور جب دربارِ رسالت سے اپنے گھر واپس آتے ہیں تو اب گویا سمندر ٹھہراؤ اور سکون کی جانب مائل ہوتا ہے، لہٰذا کبھی یہ کیفیت اور کبھی وہ کیفیت رہتی ہے، جس طرح سمندر میں ہمیشہ طغیانی نہیں رہتی اور ہمیشہ سکون بھی نہیں رہتا، اسی طرح مؤمن بندے کی ایمانی کیفیت بھی تمام احوال میں ایک جیسی نہ ہوگی۔

ایک سوال اور اُس کا جواب:

تو اب یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ جب عام مؤمن بندے کا ایمان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے درجے کو تو پہنچ ہی نہیں سکتا تو پھر آیت کریمہ میں یہ کیسے کہا گیا کہ ﴿بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ﴾ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان لاؤ، تو بظاہر یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کسی بھی بندے کو اُس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا جاتا، تو بالآخر اس مماثلت کا کیا مطلب ہے؟

یہاں آسان الفاظ میں اس کا جواب یوں سمجھ لیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح کوالٹی (Quality) اگر پیدا نہ ہوسکے تو وہ معاف ہے، لیکن اس درجے کی کوانٹٹی (Quantity) بہر حال ضروری ہے، یہاں مماثلت فی الکیف ضروری نہیں، البتہ مماثلت فی الکم ضروری ہے، یعنی جتنی چیزوں پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا اُن تمام چیزوں پر

ہمارا بھی ایمان ہونا چاہیے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے تو تم بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھو، جس طرح وہ تمام انبیا و رُسل پر، کتاب اللہ پر، فرشتوں پر، امورِ آخرت وغیرہ جتنی چیزوں پر ایمان رکھتے تھے اُن سب چیزوں پر ایمان لاؤ، تب ہی تم ہدایت یافتہ کہے جاؤ گے، جب تک ان تمام چیزوں پر ایمان نہیں ہے وہاں تک ایک مؤمن سچّا، پکّا اور اصلی مؤمن شمار نہیں ہوگا۔ جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ ایمان ہیں اور وہی جماعت معیارِ حق ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اُن کی نسبت کی وجہ سے:

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ."(۱)

’’تم میرے صحابہ کو برا مت کہو، اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحُد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ اُن صحابہ کے ایک یا آدھے مد کے برابر فضیلت نہیں پا سکتا۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت اپنی جانب کرتے ہوئے فرمایا: "أَصْحَابِيْ"، میرے صحابہ کو برا نہ کہو، یہاں صرف گالی دینے سے روکنا مقصود نہیں، عربی زبان میں گالی کے لیے لفظ "الشَّتْم" استعمال ہوتا ہے، یہاں لفظ "السَّبّ"

(۱) صحيح البخاري / كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلّم، الرقم : ۳۶۷۳.

یعنی برا بھلا کہنے سے بھی روکا گیا ہے، اُن کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ گوئی کرنا، اپنی زبان گندی کرنا، اُن پر انگشت نمائی اور طعن یہ سب اس حکم میں داخل ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی صحابی کے استثنا کے بغیر تمام کے لیے فرمایا: "لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ" میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، ورنہ مجھے تکلیف ہوگی۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اُن کی نسبت الی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے، اور یہ نسبت جس طرح نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانب فرمائی اسی طرح خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس برگزیدہ جماعت کے لیے مقامِ معیت کو بیان فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ (الفتح : ۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں......الخ''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے نبی کی نسبت اپنی جانب کی اور فرمایا کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے محاسن بیان کرتے ہوئے اُن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب فرمائی: ﴿وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ وہ لوگ جو نبی کے ساتھ ہیں، ذرا تصوّر کرو کہ یہ معیت کا مقام خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کو ملا ہوا ہے، ساری اُمت میں سے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کے لیے اِس جماعت کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اُن کی نسبت مع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے، اور عالی نسبت بہت سی چیزوں کی عظمت کو بڑھا دیتی ہے۔

نسبت کو عظمت میں بڑا دخل ہے:

اِس بات کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ ایک جگہ پر مسجد بنائی جائے تو کوئی بھی مسلمان مسجد میں جوتے پہن کر نہیں جائے گا، جب تک اُس زمین پر مسجد نہیں تھی تب بھی

لوگ جوتے پہن کر چلتے تھے، لیکن مسجد کے بننے کے بعد اگر جوتے پہن کر جائیں گے تو پھر جوتے ہی پڑیں گے، کیوں کہ اب اُس زمین کی نسبت مسجد کی طرف ہوگئی، وہ زمین اب مسجد کہلائے گی اور اِسی نسبت کی وجہ سے اُس کی عظمت بڑھ گئی، اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پہلے تو عام انسان تھے، لیکن جب اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لیے چن لیا اور اُن کو شرفِ صحابیت سے نوازا تو اُن کی عظمت میں چار چاند لگ گئے، لہٰذا اب کوئی اگر اُن پر طعن وتشنیع کرتا ہے، انگشت نمائی کرتا ہے تو اُس کی اُنگلی ہی توڑ دی جائے گی، کسی بھی مؤمن کے لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی ناقابل برداشت ہے۔

ایک اور مثال سے اُس کو سمجھیں کہ ایک صاحب حج یا عمرہ ادا کر کے آئے، اُنھوں نے ہمارے لیے ایک رومال بطورِ ہدیہ پیش کیا، تو ہم اُس رومال کو بہت احترام اور عظمت کے ساتھ رکھتے ہیں، اُسے چومتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہ رومال مدینہ طیبہ سے آیا ہے، حالانکہ اُس پر لکھا ہوا ہے: (Made In China) کہ یہ چین میں بنا ہوا ہے، ہمیں معلوم ہے کہ وہ رومال مدینہ طیبہ میں بنا ہوا نہیں ہے، لیکن چوں کہ مدینہ سے ہو کر آیا ہے، پیارے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مبارک کی ہوا کے جھونکے اُس رومال کو لگ چکے ہیں، اس لیے وہ رومال ہماری آنکھوں کا تارہ ہے اور ہماری عظمت کا ستارہ ہے، ہم اُسے نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ رکھتے ہیں، اب سوچو کہ ایک رومال مدینہ طیبہ کے ساتھ ایک نسبت جڑنے کی وجہ سے قابل عظمت قرار پاتا ہے تو اُن نفوسِ قدسیہ کے بارے میں ہمارا کیا خیال ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی صحبت کا شرف حاصل ہوا، اُن کا اعزاز اور مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہوگا۔

لفظِ ''صحابی'' عظیم ترین لقب ہے:

ایسی کئی مثالیں مل جاتی ہیں کہ شخصیت کو بھاری بھر کم بنانے کے لیے ڈھیر سارے لقب اُن کے نام کے آگے اور پیچھے جوڑ دیے جاتے ہیں، مثلاً ''علّامۃ الوریٰ، مالک ازِمّۃ الفتیا، محدّثِ جلیل، مفسّر کبیر، فقیہ بے نظیر، مفتی الثقلین، یکتائے روزگار'' وغیرہ، کسی کو قاری صاحب، کسی کو مفتی صاحب، کسی کو مولوی صاحب، ماسٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، انجینئیر صاحب کہا جاتا ہے، یہ القاب آخر کیوں جوڑے جاتے ہیں؟ مقصد یہی ہوتا ہے کہ اُس کی عظمت معلوم ہو، لیکن کیا آپ نے غور کیا کہ کسی صحابی کے لیے حافظ، مولانا، قاری یا مفتی وغیرہ کا لقب استعمال ہوتا ہو؟ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور اُن کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے حافظ بھی تھے، قاری بھی تھے، عالم بھی تھے، مفتی بھی تھے، لیکن اُن میں سے کسی کے لیے اس طرح کے کوئی القاب استعمال نہیں کیے جاتے، وجہ یہی ہے کہ شرفِ صحابیت جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُنھیں عطا ہوا وہ ایسا سرٹیفکیٹ (Certificate) تھا جس کے بعد کسی بھی سرٹیفکیٹ کی اُنھیں ضرورت ہی نہیں تھی، شرفِ صحابیت سے بلند و بالا اور اعزاز والا مرتبہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا، مقامِ صحابیت اِتنا بلند مقام ہے۔

''صحابی'' کسے کہتے ہیں؟

''صحابی'' کس کو کہا جائے؟ "صَحَابِيٌّ" کا لفظ "صُحْبَةٌ" سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ہیں ساتھ رہنے والا، یہ صحبت کم ہو یا زیادہ، چند دِنوں کی ہو یا مہینوں اور سالوں کی، حقیقی ہو یا مجازی، لغت کے اعتبار سے لفظ ''صحابی'' کا اطلاق سب پر یکساں ہوتا ہے، پھر لفظ

''صحابی'' کی اصطلاحی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں، اُن میں سے ایک تعریف یہ ہے:

" مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُؤْمِنًا، وَمَاتَ عَلَى الإِسْلَامِ."

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ''صحابی'' کا اطلاق اس خوش نصیب شخصیت پر ہوتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو (یا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اُن پر پڑی ہو) پھر اسلام و ایمان ہی پر اُن کی وفات بھی ہوئی ہو، تو اُنھیں شرفِ صحابیت حاصل ہوگا، جو سب سے بڑا اعزاز ہے، خواہ اُن کی صحبتِ رسول کی مدّت کم ہو یا زیادہ، کوئی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہو یا نہ کی ہو، کسی غزوے میں شامل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، حتیٰ کہ کسی کو صرف بحالت ایمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، لیکن مجلس رسول میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو، یا نابینا ہونے کے سبب خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر کی آنکھ سے دیکھ بھی نہ سکے ہوں، (مگر دل کی آنکھ سے دیکھا اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا، جیسے حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے) تو وہ بھی طبقۂ صحابہ میں شامل ہیں۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حیات اور خدمات/ص:۱۸)

شرفِ صحابیت کا مقام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیاز ہے، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین سے لے کر قیامت تک آنے والی اُمت میں کوئی کتنا ہی بڑا قطب وابدال اور اللہ تعالیٰ کا ولی کیوں نہ ہو؟ وہ ادنیٰ صحابی کے مقام کو نہیں پا سکتا، عام انسان کتنا ہی بڑا عمل کر لے وہ کسی بھی صحابی کے عمل کے درجے تک ہر گز نہیں پہنچ سکتا، اُن حضرات کو اتنا بڑا مقام صحبت نبی کی وجہ سے ملا ہے، صحبت بہت بڑی چیز ہے، اللہ والوں کی معیت بہت بڑی چیز ہے، اسی وجہ سے قرآنِ مجید میں حکم ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝۱۱۹﴾ (التوبة:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔''

اس آیت کریمہ میں ''تقویٰ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے، یہ تقویٰ کہاں نصیب ہوگا؟ اس کو آگے بتایا کہ سچوں، اچھوں اور اللہ والوں کی صحبت میں جاؤ، اُن کی معیت میں رہو، وہاں تقویٰ ملے گا، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت ملی ہے، اور جسے نبی کی صحبت میسّر ہو اُس کے مقام کا کیا کہنا۔

آج کے دور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں سے اپنے سینوں کو معمور رکھنا بہت زیادہ ضروری ہے، باطل طاقتیں اور اسلام دشمن قوتیں اس بات کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ اُمت مسلمہ کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کیسے دور کر دیا جائے؟ اور اُن کے دِلوں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو کیسے ختم کر دیا جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہم تک دین کے پہنچنے کا واسطہ ہیں:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں آیاتِ قرآنیہ میں بیان کردہ فضائل سننے سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا وجودِ مسعود ہم تک دین کے پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے، قرآن کے پاک میں جہاں ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کہا گیا تو یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی سب سے پہلے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی جانب تھا، ہم سب تو بعد میں آئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے، مشکوٰۃِ نبوّت سے براہِ راست مستفید ہوتے تھے، ہم تک قرآن مجید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے ہی سے پہنچا ہے، اسی طرح نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک فرمودات بھی اُن ہی کے واسطے سے ہم تک پہنچے۔

تمام اہل سنّت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب ہم میں سے کوئی بھی حدیث پاک سنائے گا تو سننے والے کو یہ پوچھنے کا اختیار ہوگا کہ یہ بات حدیث ہی ہے اُس کا

کیا ثبوت (Proof) ہے؟ اس کا حوالہ کیا ہے؟ سند کیا ہے؟ دنیا کا کوئی بھی انسان جب کہے کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ" تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر وہ سند بیان کر دیتا ہے یا معتمد کتب کا حوالہ دیتا ہے تو اُس کی بات مان لی جائے گی، ورنہ ردّ (Reject) کر دی جائے گی، پھر سند میں بھی تمام راویوں کے احوال وسیرت وغیرہ کو دیکھا جائے گا، اگر قابل قبول ہیں تو بات مانی جائے گی، ورنہ نہیں۔

اس کے برخلاف ایک صحابی کی شان دیکھو! کہ جب کوئی صحابی فرما دیں کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ" تو اُن سے ثبوت کا سوال نہیں کیا جائے گا، فوراً سر تسلیم خم کر دیا جائے گا، اس لیے کہ ہم اہل سنّت والجماعت کا متفقہ عقیدہ واُصول ہے کہ "اَلصَّحَابَۃُ كُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" تمام کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، اُن کے بارے میں کسی بھی غیر صحابی کے لیے تنقید کی گنجائش نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حب النبی کی خاص دلیل:

ہم میں سے کسی بھی انسان کی جوانی جب ڈھلنے لگتی ہے اور اَدھیڑ عمر کی جانب بڑھنے لگتا ہے تو عموماً بال سفید ہونے شروع ہوتے ہیں، تو جب بال سفید ہونا ابھی شروع ہوئے ہوں تب اگر کسی انسان سے پوچھا جائے کہ آپ کے بدن میں کتنے بال سفید ہیں؟ تو بہت مشکل ہے کہ وہ شمار کے ساتھ بتا سکے کہ اتنے بال سفید ہوئے ہیں، کوئی انسان خود کے بارے میں بھی یہ بات قطعی طور پر نہیں بتا سکتا، لیکن قربان جاؤ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حب نبی پر کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا اور حسن بے مثال کا اتنی باریکی سے دیدار کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ دعوے کے ساتھ یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک ملا کر بیس سے زیادہ سفید بال نہیں تھے۔

عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّه سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ: "لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللهُ عَلَىٰ رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتَوَفَّاهُ اللهُ عَلَىٰ رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِه عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ."(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیۂ مبارکہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ دراز قد نہیں تھے اور نہ ہی پستہ قد تھے، یعنی درمیانی قد والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ نہ بالکل سفید اور نہ بالکل ٹمیالہ تھا، (بلکہ دونوں کے درمیان تھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک بہت زیادہ گھنگھریالو نہیں تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے، (بلکہ بالوں میں کچھ حد تک گولائی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عمر مبارک کے چالیس سال پر مبعوث فرمایا، اس کے بعد دس سال (۲) آپ مکہ مکرّمہ میں رہے، پھر دس سال مدینہ منورہ میں، پھر ساٹھ سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وفات دی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں بیس سے زیادہ سفید بال نہیں تھے۔

ذرا تصوّر کرو! حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُلیۂ مبارکہ کا اِتنی باریکی سے مشاہدہ کیا، اُن کے حب نبی کو بیان کرنے کے لیے تو پورا کتب خانہ بھی ناکافی ہے۔

مناقب صحابہ قرآنِ کریم کی روشنی میں:

اب یہ عاجز قرآن مجید کی روشنی میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چند فضائل پیش

(۱) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، الرقم: ۳۶۲۳.
(۲) نوٹ: چوں کہ اہل عرب عدد کو بیان کرنے میں کسر چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے تیرہ کو دس اور ترسیٹھ کو ساٹھ کہا گیا ہے۔

کرنا چاہتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے ایک بہت زیادہ مشہور آیت کو دیکھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾(آل عمران:۱۱۰) ''تم بہترین اُمت ہو۔'' اس آیت کریمہ کے اوّلین مخاطب حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بہترین اُمت ہو، جنھوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کو اُترتے دیکھا، شریعت کے احکام کو سنا اور بعد والوں تک پیغام کو پہنچایا اور حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "أَلَا! هَلْ بَلَّغْتُ؟"[۱] کے جواب میں تبلیغ رسالت کی گواہی دی۔ "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ"[۲] میں گواہ بن کر شریک رہے، اِن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی استثنا کے خیر اُمت قرار دے رہے ہیں، یہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ہے۔

(۲) قرآن مجید کی ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ ''اور وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں'' یعنی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمایا: ﴿أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ ''وہ کفّار پر سخت ہیں۔'' ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''آپس میں رحم دِل ہیں۔'' ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ ''(اے مخاطب! تو اُن کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے پائے گا۔''

﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

''وہ لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رضامندی کے طالب رہتے ہیں۔''

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الحج / باب الخطبة أيام منى، الرقم : ١٧٤١.

(۲) صحيح البخاري / كتاب الحج / باب الخطبة أيام منى، الرقم : ١٧٤١.

﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾

''اُن کی پیشانیوں پر (کثرتِ سجود کی وجہ سے) سجدوں کے نشان رہتے ہیں''

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ﴾

''اُن کی یہ شان تورات اور انجیل میں بھی بیان کی گئی ہے۔'' یعنی اُن کی شان اِتنی بلند و بالا ہے کہ صرف قرآن مجید ہی میں نہیں، بلکہ کتب سابقہ میں بھی پیشگی طور پر اللہ تعالیٰ نے اگلی اُمتوں کے سامنے بیان فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ جاں نثار جماعت ملی تھی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع میں اُنھیں مختلف خطاب، القاب اور اوصاف سے نوازا، اُن کی حوصلہ اَفزائی فرمائی، اُن کے بارے میں مدحیہ کلمات ارشاد فرما کر اُن کو اپریشیٹ (Appreciate) کیا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقامِ صداقت ملا، حضرت عمر بن الخطاّب رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' کا لقب ملا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' اور ''کامل الحیاء والوقار'' کا لقب ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ''باب العلم'' کہلائے، شجاعت، جواں مردی اور بہادری والے سردار کہلائے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراّح رضی اللہ عنہ "أمِينُ هٰذِهِ الأمّة"(۱) کہلائے۔ مختصر وقت میں، ہم تو صرف چند مثالیں ہی پیش کر سکتے ہیں، ورنہ اس برگزیدہ جماعت کا ہر فرد خود میں ایک انجمن اور صرف شخص نہیں بلکہ پوری شخصیت تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں اعتدال تھا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے مشہور ہے کہ آپ بڑے رحم دِل تھے، سو فی صد یہ بات صحیح ہے، اسی وجہ سے آپ کو دربارِ رسالت سے "أرحَمُ أمَّتِي"(۲) کا لقب ملا تھا۔

(۱) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، الرقم: ٣٧٩٠.

(۲) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، الرقم: ٣٧٩٠.

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت فی الدین مشہور تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کو "أَشَدُّهُم فِي أمرِ اللهِ"[1] کہا گیا، یہ تمام اوصاف والقاب نبوی تربیت کا نتیجہ تھے، اوراسی وجہ سے اُن میں اعتدال (Balance) بھی تھا، اُن کے اعتدال کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ ایک بوڑھیا جب حق بات کہتی ہے کہ آپ کی بات قرآنِ پاک کے لفظ "قِنْطَارًا"[2] کے خلاف ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور اُن کی بات کو مان لیا، آپ صحیح معنی میں "وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ"[3] تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رحم دِلی اور رقتِ قلبی مشہور تھی، لیکن جب احکامِ شرعیہ میں کمی و کوتاہی اور فتنۂ ارتداد سامنے آیا تو اس وقت آپ کا جلال بھی مثالی تھا، آپ نے مرتدین کے مقابلے میں جہاد کا اعلان کرتے ہوئے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا کہ "أَيُنْقَصُ (الدِّيْنُ) وَأَنَا حَيٌّ؟"[4] میرے جیتے جی احکامِ دین میں کمی و کوتاہی کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اگر کوئی جانور کی رسّی زکوٰۃ میں دیتا تھا تو میں وہ بھی وصول کر کے رہوں گا۔

یہ ہے اعتدال اور (Balance) کہ ایک طرف طبیعت میں نرمی ہے، لیکن جب دین کا معاملہ سامنے آجائے تو پھر کوئی رُو رعایت نہیں، اسی طرح ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں سختی تھی، لیکن دینی تقاضا نرمی کا ہوا تو فوراً آپ نے حق بات کو نرمی کے ساتھ مان لیا۔ یہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

(۳) تیسری آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

---

(١) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، الرقم : ٣٧٩٠.
(٢) مصنف عبد الرزاق : ١٨٠/٦، الرقم : ١٠٤٢٠.
(٣) صحيح البخاري، الرقم : ٤٦٤٢.
(٤) مشكوٰة المصابيح / باب مناقب أبي بكر رضي الله عنه : ٥٥٦.

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح: ۱۸)

''بے شک اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، سو جو (جذبۂ صِدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کر لیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور اُنھیں ایک بہت ہی قریب فتحِ (خیبر) کا انعام عطا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں اُن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص طور پر اپنی رضا کی خوش خبری سنائی گئی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شریک ہو کر یہ پکّا عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر اُن کفّار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو ہم اُن سے فیصلہ کن جنگ لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دِلوں کی سچّائی اور اُن کے ایمانی رسوخ کو جانتے تھے، لہٰذا اُن کو مطمئن فرمایا اور اُنھیں بطورِ نقد فتح خیبر اور اس کے بعد کی فتوحات سے نوازا۔

بیعت رضوان کی اہمیت اور اس کی کیفیت کو خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ﴾ (الفتح:۹)

''(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔''

تصوّر کا مقام ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بیعت کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے بیعت کرنے کے برابر قرار دے رہے ہیں، پھر اس بیعت کے تقاضے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ تو اب گویا ان حضرات کی حفاظت جانبین سے مکمّل

ہوگئی کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ محافظ ہیں، تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہبانی ہے۔

(۴) چوتھی آیت کریمہ جو سورۂ حجرات کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳﴾ (الحجرات:۳)

"بے شک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے چن لیا ہے، ان ہی کے لیے بخشش ہے اور اجر عظیم ہے۔"

اس آیت کریمہ کے مضمون کو سمجھنے کے لیے تمہیدی طور پر ایک مثال سمجھ لو کہ اسکول یا مدرسے میں بچّوں کا جب امتحان (Exam) ہوتا ہے، تو امتحان کے بعد نتیجے (Results) بچّوں کے مختلف ہوتے ہیں، کوئی (A-1) کلاس سے پاس ہوتا ہے، کوئی (B-1) ہوتا ہے، پھر مجموعی طور پر کچھ اعلیٰ معیار والے (Topper) کہے جاتے ہیں، لیکن اس آیت کریمہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان اللہ تعالیٰ نے لیا، جو کہ معلّم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درسگاہِ نبوّت کے طلبہ (Students) تھے، تو تمام کے تمام ایک ہی درجے سے کامیاب ہوئے۔

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دِلوں کا امتحان لیا گیا، ذرا سوچو کہ یہاں امتحان لینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جو علیم بذات الصدور ہے، یعنی دِل میں آنے والی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، ایسی ذات جو انسانی دِل کے خیالات، اَوہام، وَساوِس، خواطر، ہواجس اور عزائم سب کو جانتا ہے، تو ممتحن اللہ تعالیٰ ہیں، امتحان لیا جا رہا ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اور پرچے کا سبجیکٹ (Subject) تقویٰ ہے، جب اللہ تعالیٰ کی ذات جو ممتحن ہے خود فرمائے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دِلوں کو وہ تقویٰ کے

لیے آزما چکا ہے، تو اس جماعت کا مرتبہ کیا ہوگا، اُن کے اس امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ خود اِس امتحان کا نتیجہ (Result) بیان فرماتے ہیں کہ اُن سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم ہے۔ یہاں سب کا ایک ہی نتیجہ (Result) ہے، یعنی سب کے سب (A-1) کلاس سے پاس ہو گئے، سب اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، یہ نبوی تعلیم و تربیت کا کمال تھا۔

(۵) آگے اللہ تعالیٰ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (الحجرات:۷)

"لیکن اللہ نے تمھیں ایمان کی محبّت عطا فرمائی اور اسے تمھارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمھیں متنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیں۔"

اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں ایمان کی محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی، لہٰذا ایمان اُن کے لیے پسندیدہ بن چکا تھا، جیسا کہ آج ہمارے لیے دُنیوی مال و متاع پسندیدہ ہے کہ اُس کے لیے ہم سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان محبوب تھا، اس لیے وہ ایمان کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے تھے، وہ بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ تھے جو عرب کے تپتے صحرا کی ریت پر لٹا دیے جانے پر بھی "أحد، أحد" کا نعرہ بلند کرتے رہتے تھے، یہ استقامت فی الدین اسی وجہ سے نصیب ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی تھی اور ایمان اُن کے لیے خوش نما بنا دیا گیا تھا، دُنیا کی ہر شئ کے مقابلے میں اُنھیں ایمان بھلا معلوم ہوتا تھا۔

اسی طرح اس مقدس جماعت کے دِلوں میں اللہ تعالیٰ نے کفر، برائی اور گناہ کی نفرت ڈال دی تھی، یہ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

(٦) تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط﴾ (الحدید : ١٠)

''اور اللہ تعالیٰ نے (آخرت کی) بہتری کا وعدہ سب سے فرمایا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جنّت کا وعدہ فرمایا، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، مفسرین نے اس آیت کریمہ میں "حُسْنیٰ" کی تفسیر جنّت سے فرمائی ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ١٠١﴾ (الأنبیاء: ١٠١)

''بے شک جن لوگوں کے لیے پہلے سے ہی ہماری طرف سے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس (جہنّم) سے دور رکھے جائیں گے۔''

معلوم ہوا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ''حسنیٰ'' یعنی جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اُن میں سے کوئی بھی جہنّم میں نہیں جائے گا، سب کے سب جنّتی ہیں، اور یہ قرآن مجید کا اعلان ہے۔

(٧) اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ایک اور بات سمجھ لیں کہ انبیائے سابقین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی بشارت دی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا بھی قرآن پاک میں بیان کیا گیا:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ط﴾ (الصف : ٦)

''اور (میں) اُس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو

میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔"

ہر نبی آنے والے نبی کی بشارت دیتے ہیں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تو کوئی نبی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کی بشارت دیں گے؟ تو یہاں یہ نکتہ یاد رکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ کی نبوّت کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تصدیق کرنے والے ہیں، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقامِ صدیقیت اسی وجہ سے مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآنِ مجید خود اُن کے شرفِ صحابیت کی صراحت کر رہا ہے: ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ لہٰذا اُن کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے، اگر اُن کے بارے میں کوئی ہرزہ سرائی کرے تو ظاہر ہے کہ وہ صرف اپنی آخرت برباد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

(۸) قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کے سلام کا ذکر ہے:

﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت : ۷۹)

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ (الصّٰفّٰت : ۹)

﴿سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۲۰)

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۳۰)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ (النمل : ۵۹)

"سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں پر جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے۔"

غور کرنے کا مقام ہے کہ جو سلام اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام پر فرمایا وہ سلام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پہنچایا۔

مقامِ نبوّت کے بعد سب سے بڑا مقام:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے کمالات اور اوصاف سے نوازا تھا جو ایک عام انسان لاکھ کوششوں کے باوجود حاصل نہیں کرسکتا، مقامِ نبوت کے بعد سب سے بڑا مقام مقامِ صحابیت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے اِمام ہیں، اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ کے سردار ہیں، اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ مقامِ صحابیت کو مقامِ نبوّت سے ملایا جارہا ہے، ہرگز نہیں، یہ صرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت بتائی جارہی ہے، اور پھر جس طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت کے مراتب ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرة : ٢٥٣)

''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب شرفِ صحابیت میں تو برابر ہیں، البتہ اُن میں بھی فضیلت کے اعتبار سے فرقِ مراتب ہے، تمام کا مرتبہ اور مقام ان ذکر کردہ نصوص سے واضح ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کمالاتِ انبیا کے مظہر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو جو کمالات عطا فرمائے، اُن پر جو فضل اور انعام فرمایا، اُن ہی کے دسترخوان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حصّہ ملا ہے، چنانچہ بہت سے ایسے فضل وکمال اور اللہ تعالیٰ کے انعامات جو انبیائے سابقین کو عطا تھے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کی مثالیں قائم رکھیں، مثال کے طور پر

مشہور انبیائے کرام علیہم السلام میں سے تین انبیائے کرام علیہم السلام کے فضل، کمالات اور انعامات کے متعلّق ہم بات کرتے ہیں:

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے کمالات سے موافقت:

(۱) اوّلاً ہم حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مثال لیتے ہیں، آپ کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ﴾ (البقرة : ۱۳۰)

''اور بے شک ہم نے اُنھیں ضرور دنیا میں (بھی) منتخب فرمالیا تھا۔''

اسی طرح قرآن مجید میں یہی من جانب اللہ منتخب ہونے کی بات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلّق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ﴾ (فاطر : ۳۲)

''پھر ہم نے اس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا۔''

جس طرح "اِصْطَفیٰ" کا لفظ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا وہی لفظ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی ذکر ہوا۔

(۲) اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے متعلّق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰﴾ (النحل : ۱۲۲)

''اور بے شک وہ آخرت میں (بھی) صالحین میں سے ہوں گے۔''

اسی طرح یہ بات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت کے بارے میں بھی فرمائی گئی:

﴿أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝١٠٥﴾ (الأنبياء : ١٠٥)

''(عالمِ آخرت کی) زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔''

(۳) حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام جب بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے تو یہ دُعا اللہ تعالیٰ سے کر رہے تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝١٢٧﴾ (البقرة : ١٢٧)

''اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے، بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ﴾ (الأحقاف : ١٦)

''یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کرتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ہم اُن کے نیک اعمال قبول کرلیں گے۔

(۴) قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝١٢٨﴾ (البقرة : ١٢٨)

''اور ہم پر (رحمت و مغفرت کی) نظر فرما، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔''

اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾

''اور اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔''

(۵) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دُعا ذکر فرمائی ہے:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ (الشعراء : ٨٤)

''اور میرے لیے بعد میں آنے والوں میں (بھی) ذکرِ خیر اور قبولیت جاری فرما۔''

اس دُعا کی قبولیت کا ذکر درودِ ابراہیم میں ہے، جسے ہم پڑھتے ہیں: "كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ". حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح زندہ و جاوید فرما دیا۔

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کو قائم و دائم رکھتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة : ١٣٧)

''پھر اگر وہ (بھی) اسی طرح ایمان لائیں جیسے تم اس پر ایمان لائے ہو تو وہ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں ہر مؤمن کے لیے اپنے ایمان کی جانچ اور پرکھ کا معیار حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو قرار دیا گیا، لہٰذا قیامت تک کے لیے کسی بھی مؤمن کا ایمان جب تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح نہ ہو وہ صحیح معنیٰ میں کامل ایمان نہیں ہو سکتا، تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو قیامت تک کا دائمی معیار قرار دے کر اُن کے ذکر کو قائم و دائم فرمایا۔

(٦) قرآنِ پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دُعا یہ بھی بیان ہوئی:

﴿وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (الشعراء : ٨٧)

''اور مجھے (اُس دن) رسوانہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔''

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ﴾ (التحريم : ٨)

''جس دن اللہ (اپنے) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور اُن اہلِ ایمان کو جو اُن کی (ظاہری یا باطنی) معیت میں ہیں رُسوا نہیں فرمائیں گے۔''

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطورِ معجزہ آگ کو ٹھنڈا فرما دیا، جس کو قرآنِ کریم میں بیان فرمایا:

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝﴾ (الأنبياء : ٦٩)

''ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔''

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ﴾ (آل عمران:١٠٣)

''اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے، پھر اس نے تمھیں اُس گڑھے سے بچا لیا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دُنیا کی آگ سے نجات عطا فرمائی تھی اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جہنّم کے آخری درجے سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچایا، اُنھیں تحت الثریٰ سے مقامِ ثریا تک پہنچایا اور اُنھیں اپنی رضامندی کا پروانہ اس دُنیا میں سنایا: "رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوْا عَنهُ."(التوبة :١٠٠)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت:

آیئے! اب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال میں غور کرتے ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک دُعا ملاحظہ فرمائیں جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾﴾ (طٰہٰ : ۲۵)

''(موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔''

تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ (الزمر:۲۲)

''بھلا اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں کو اللہ تعالیٰ نے حق بات کے سننے، سمجھنے اور عمل کے لیے کھول دیا تھا، یہ بہت بڑا فضل اور انعام ہے، جسے شرحِ صدر کہا جاتا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد آگے دُعا فرماتے ہیں:

﴿وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾﴾ (طٰہٰ : ۲۶)

''اور میرا کارِ (رسالت) میرے لیے آسان فرما دے۔''

مخاطبین اوّلین کے طور پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ : ۱۸۵)

''اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمھارے لیے دشواری نہیں چاہتا۔''

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دُعا کی اِجابت کے متعلّق فرمایا:

﴿قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا﴾ (یونس : ۸۹)

''ارشاد ہوا: بے شک تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی۔''

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری اُمت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ ؕ﴾ (غافر : ٦٠)

''اور تمھارے رب نے فرمایا ہے: تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو، میں ضرور قبول کروں گا۔''

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون اور اُس کے جادوگروں کے مقابلے میں میدان میں تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ۝۶۸﴾ (طٰهٰ : ٦٨)

''ہم نے (موسیٰ علیہ السلام سے) فرمایا: خوف مت کرو، بے شک تم ہی غالب رہو گے۔''

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳۹﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔''

(۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿يٰمُوۡسٰٓى اَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِيۡنَ ۝۳۱﴾ (القصص:۳۱)

''(ندا آئی:) اے موسیٰ! سامنے آؤ اور خوف نہ کرو! بے شک تم امان یافتہ لوگوں میں سے ہو۔''

توصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أُولَٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الأنعام : ۸۲)

''ان ہی لوگوں کے لیے امن (یعنی اُخروی بے خوفی) ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

(۶) اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ امتنان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ﴾ (الصٰفّٰت : ۱۱۴)

''اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان کیے۔''

تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنے انعام کو جو کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت، تزکیۂ نفوس، تعلیم کتاب اللہ اور تعلیم حکمت کی شکل میں تھا، بیان فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران : ۱۶۴)

''بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا۔''

امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انعاماتِ باری تعالیٰ:

اب آگے ہم اُن آیاتِ قرآنیہ میں غور کریں کہ جن میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مختلف قسم کے فضل وانعام کا ذکر ہے اُن میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان سے زلّہ رُبائی کرنے والے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی عطا فرمایا۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی کشادگی وفراوانی کا ذکر فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ﴾ (الأحزاب:۳۸)

''اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس کام (کی انجام دہی) میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لیے فرض فرما دیا ہے۔''

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری اُمت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج : ٧٨)

''اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

اِس آیت کریمہ میں دین پر عمل کی آسانی اور کشادگی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تنگی نہیں رکھی، بلکہ اُسے عمل کے لیے آسان اور گنجائش والا بنایا ہے، مثلاً اگر کوئی بندہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر اشارے کے ساتھ پڑھ لے، غرض ہر طرح اللہ تعالیٰ نے اُمّت کے لیے دین اسلام کو آسان بنایا ہے۔

(٢) نیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کے اِتمام کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ﴾ (الفتح : ٢)

''اور (یوں اسلام کی فتح اور امت کی بخشش کی صورت میں) آپ پر اپنی نعمت (ظاہراً و باطناً) پوری فرمادے۔''

تو اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر احکامِ شریعت کی شکل میں جو نعمت مکمّل فرمائی اُس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدۃ:٣)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی۔''

(٣) اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے امتناناً فرماتے ہیں:

﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③﴾ (الفتح : ٣)

''اور تاکہ اللہ آپ کو نہایت باعزّت مدد و نصرت سے نوازے۔''

توصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری اُمت کو یقین دِہانی فرمائی:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الروم : ٤٧)

''اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر تھا (اور ہے)۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مدد اپنے ذمّے رکھی ہے، اور ایمان والوں کی سب سے اوّلین جماعت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۵) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے انعام کو بیان فرمایا:

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ (الفتح : ٢)

''تاکہ آپ کی خاطر اللہ آپ کی اُمت (کے اُن تمام اَفراد) کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (جنھوں نے آپ کے حکم پر جہاد کیے اور قربانیاں دیں)۔''

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا:

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران : ٣١)

''اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

(٦) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں شرحِ صدر کو امتناناً بیان فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الشرح : ١)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرمادیا؟''

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت کے مؤمنین کے لیے فرمایا:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الأنعام:١٢٥)

''پس اللہ جس کسی کو (بطورِ فضل) ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ فرمادیتا ہے۔''

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم : ٤٧)

''اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر تھا (اور ہے)۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مدد اپنے ذمّے رکھی ہے، اور ایمان والوں کی سب سے اوّلین جماعت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۵) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے انعام کو بیان فرمایا:

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ (الفتح : ٢)

''تا کہ آپ کی خاطر اللہ آپ کی اُمت (کے اُن تمام اَفراد) کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (جنھوں نے آپ کے حکم پر جہاد کیے اور قربانیاں دیں)۔''

اسی طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا:

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (آل عمران : ٣١)

''اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

(٦) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں شرحِ صدر کو امتناناً بیان فرمایا:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الشرح : ١)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرمادیا؟''

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت کے مؤمنین کے لیے فرمایا:

﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ (الأنعام:١٢٥)

''پس اللہ جس کسی کو (بطورِ فضل) ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ فرمادیتا ہے۔''

بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اعلان اِس دنیا میں فرما دیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تئیں مسلمانوں کا فریضہ:

اِس دور میں جب ہر طرف حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر انگشت نمائی کی جارہی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں الگ الگ عنوان سے گستاخیاں کی جارہی ہیں، غیر تو غیر، خود اپنے بھی اِس نازیبا اور ناپاک حرکت میں ملوّث ہوجاتے ہیں، ایسے حالات میں ہر مؤمن کا فریضہ ہے کہ اپنے دِل کے جذبات کو حب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق و وفا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب ومحاسن اور محامد کو عام کرے، جن کی شان میں قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾﴾

’’مومنوں میں سے (بہت سے) مَردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پس اُن میں سے کوئی (تو شہادت پا کر) اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور اُن میں سے کوئی (اپنی باری کا) انتظار کر رہا ہے، مگر انھوں نے (اپنے عہد میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔‘‘

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایسے جاں نثاروں کی جماعت تھی جنھوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کر دِکھایا، ایسی مقدّس جماعت تھی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک حکم پر اپنی جان قربان کر دینے کے لیے منتظر رہتی تھی، دُنیا عشق ومحبت کی مثال میں لیلیٰ اور مجنوں کے نام پیش کرتی ہے، شیریں وفرہاد کے قصّے بیان کرتی ہے، خدا کی قسم! یہ دُنیا قیامت تک ایک ایسی مقدّس جماعت کی مثال پیش نہیں کرسکتی جن میں میرے

صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا حب نبی، ایمانی حمیت اور دینی غیرت ہو، ایسے سچّے عاشقوں کی طرف انگشت نمائی، اُن کے بارے میں برے کلمات کہنا، اُن کو مختلف بہانے بنا کر مطعون کرنا یہ در حقیقت دین پر طعن ہے اور دین کی عمارت کو گرانے کی ناپاک و ناکام کوشش ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن و تشنیع یہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن ہے، اس لیے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں، وہ مدرسۂ نبوّت کے طلبہ ہیں۔ اس کو ایک حسّی مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر کوئی طالب علم بہت برا کام کرے، تو اُس سے کہا جاتا ہے کہ ارے بھائی! تم کہاں پڑھے ہو؟ تم نے کس سے تعلیم حاصل کی ہے؟ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کہنے والا صرف اُسی طالب علم کو نہیں، بلکہ اُس کے مدرسے اور اساتذہ وغیرہ تمام کو مطعون کر رہا ہے، اسی طرح اگر کوئی کسی صحابی پر طعن کرتا ہے، اُن کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر انگشت نمائی کرتا ہے۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں ایک علمی نکتہ بھی سمجھیے کہ مقام دو طرح کے ہیں: (۱) ارتقائی، یعنی بندہ اپنی محنت و کاوِش اور اپنے کسب سے ترقّی کرتے ہوئے کسی مقام کو حاصل کرلے۔ (۲) عطائی، یعنی وہ مقام جو من جانب اللہ دیا جائے، مقامِ ارتقائی میں بحث ہوسکتی ہے، لیکن عطائی میں بحث کرنا عبث اور بے معنیٰ ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام عطائی ہے، جس میں گفت وشنید کی کوئی گنجائش نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو نہیں، نسبت کو دیکھا جائے:

جب بھی حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا تذکرہ ہو تو ہم اہل سنّت والجماعت کا

ایک اُصول ہمیشہ کے لیے ذہن نشین رکھیں، ان شاء اللہ اس باب میں قدم لغزش سے محفوظ رہے گا، وہ اصول یہ ہے کہ **"حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو عمل کی ترازو سے نہیں بلکہ نسبت کی ترازو سے تولا جائے گا۔"** لہٰذا اُن کے کسی بھی جزوی عمل کو لے کر، اُسے بہانہ بنا کر اُن پر طعن و تشنیع نہیں کی جائے گی، بلکہ یہاں اُن کی نسبت الی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھی جائے گی، اور اسی نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا پروانہ سنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام اعمال سے واقف ہیں، تو جب اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو تو ہم کون ہوتے ہیں اُن پر سوال کرنے والے؟

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الصَّارِمُ المسلُولُ عَلیٰ شَاتِمِ الرَّسُولِ" میں فرمایا کہ اللہ ربّ العزت اُسی بندے سے راضی ہو سکتے ہیں جس کے بارے میں اس کو معلوم ہے کہ وہ آخری عمر تک موجباتِ رضا کو پورا کرے گا، اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتے ہیں پھر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوتے۔ (از: مقام صحابہ، صفحہ: ۵۲)

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا خود جن کو دے اپنی رضامندی کا پروانہ
گھڑا کرتے ہیں کچھ ناداں اُن ہی پر اپنا اَفسانہ
خدا کی رائے بھی منحرف گر ہے، معاذ اللہ!
میں کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم! خدا سے تجھ کو بیگانہ

خلاصہ:

افسوس اس بات کا ہے کہ اُمت مسلمہ کا ایک بہترین طبقہ اس میں اپنی صلاحیتوں کو برباد کر رہا ہے، اِس وقت عالمی پیمانے پر اُمت ہزاروں مسائل سے دوچار ہے، سخت ترین حالات کا سامنا ہے، اُمت اپنے ایمان اور اعمال دونوں میں کمزور ہوتی جا رہی ہے، عقائد

دِن بہ دِن پستی کی طرف جارہے ہیں، ایسے دور میں اُمت کے خواص بھی اگر اس طرح کے مسائل میں اُلجھیں گے تو اُمت کی رہنمائی کا فریضہ کون ادا کرے گا؟ خدارا! اُمت کی چیخ و پکار کو سنیے! اُمت سسکیاں لے رہی ہے، اُس کے تنِ مردہ میں جان ڈالیے، ایسے موقع پر اُمت کی صحیح قیادت فرمائیے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنے سینوں کو معمور رکھیں، اُن کے مقام ومرتبہ، اُن کے محاسن ومناقب کو منبر ومحراب سے عام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور تمام صحابۂ عظام رضی اللہ عنہم کی سچّی عظمت و احترام نصیب فرمائیں، ہرایک کا جو مقام شریعت وسنّت سے ثابت ہے اُن کی شایانِ شان ہمیں عظمت کی سعادت نصیب فرمائیں، ہمیں کسی بھی صحابی کی شان میں زبان درازی اور گستاخی سے بچائیں، ساری دُنیا میں جہاں بھی اُمت مختلف مسائل سے دوچار ہے اللہ تعالیٰ سب جگہ امن، چین، سکون اور عافیت قائم فرمادیں، اپنی صلاحیتوں کو بیجا مصرف میں ضائع کرنے سے ہماری مکمّل حفاظت فرمائیں، ہماری صلاحیتیں صحیح جگہ استعمال ہوں ایسی توفیق سے ہم سب کو نوازیں، جو مسلمان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں کررہے ہیں ہم اُن کے لیے بھی ہدایت کی دُعا مانگیں، مقابلہ آرائی کے بجائے اُن کے لیے ہدایت کی دُعا کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح شعور اور صحیح سمجھ عطا فرمائیں، اُمّت کے تئیں ہمارے دِلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جادۂ مستقیم پر گامزن فرمائیں، کہنے والے اور سننے والے سے آگے جہاں تک یہ آواز پہنچے سب کو اللہ تعالیٰ توفیق عمل سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُدَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

زوجین میں آپسی محبّت کے لیے (۲۱) ہدایات

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة : ۱۸۷)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء : ۱۹)

تمہید:

محترم سامعین! آج کی اِس مبارک مجلس میں ہم آپ کی خدمت میں انتہائی نازک اور اہم عنوان لے کر حاضر ہوئے ہیں، بہت سے گھروں میں یہ شکایت رہتی ہے کہ میاں بیوی کے آپسی تعلقات خوشگوار نہیں رہتے، اُن میں لڑائی جھگڑے رہتے ہیں، نفرتیں اور دوریاں ہیں، گھر جہنّم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں، تو یہ نفرتیں کیسے دور ہوں، محبتیں کیسے پیدا ہوں اور گھر جنّت کا نمونہ کیسے بنے؟ اس تعلق سے بہت سے حضرات معلوم کرتے رہتے ہیں، پچھلے دِنوں کچھ حضرات کی جانب سے یہ سوال بھی آیا تھا کہ میاں بیوی کے درمیان اَن بن ختم ہو جائے، نفرتیں ختم ہو جائیں اور محبتیں پیدا ہوں اُس کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیجیے، تو ہم نے سوچا کہ وظیفہ بتانے سے پہلے ہم تفصیل کے ساتھ وہ باتیں بتائیں جن سے محبتیں پیدا ہوں، جو اسباب نفرت پیدا کرتے ہیں اُنھیں ختم کرنے کی طرف توجہ دِلائی جائے، تاکہ زوجین کے درمیان تعلقات خوشگوار رہیں اور گھر جنّت کا نمونہ بن جائے۔

چنانچہ آج کی اِس مبارک مجلس میں ہم آپ کی خدمت میں تقریباً اکیس (۲۱)

پوئنٹس میں مختلف (Instructions) ہدایات پیش کریں گے، ان شاء اللہ اُن پر عمل کرنے سے اِزدواجی زندگی (Married Life) خوشگوار بن جائے گی اور گھر جنّت کا نمونہ بنے گا۔

اِن ہدایات کو ہم تین حصوں (Parts) میں تقسیم (Divide) کر کے بیان کریں گے، جس کی ترتیب یہ رہے گی کہ پہلے حصے میں وہ سات ہدایتیں بتائیں گے جو شوہر کے لیے ہیں، دوسرے حصے میں وہ سات ہدایتیں جو بیوی کے لیے ہیں اور تیسرے حصے میں وہ سات ہدایتیں جو میاں بیوی کے درمیان مشترک (Common) ہیں، یعنی دونوں کے لیے ضروری ہیں۔

زوجین ایک دوسرے کا لباس:

پہلی بات یہ یاد رکھنی ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرۃ : ۱۸۷)

''وہ تمھارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔''

اس آیت کریمہ میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ اس کے متعلّق حضرات مفسرین نے تفصیلی کلام کرتے ہوئے زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینے کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ لباس ساترِ عیوب ہوتا ہے، انسان کو عزّت دیتا ہے، لباس اپنی پسند کا ہوتا ہے اور لباس اگر کچھ چھوٹا بڑا ہو تو ایڈجسٹ (Adjust) کر لیا جاتا ہے، لباس کی یہ خصوصیات اور خوبیاں زوجین کو خود میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر شوہر کو بطورِ خاص (Specially) ہدایت دی: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ معاشرت، حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ کے ساتھ اپنی بیویوں سے پیش آنے کا حکم فرمایا، یہ حکم خاص طور پر شوہروں کو دیا گیا ہے کہ وہ بیویوں کے ساتھ حسنِ معاشرت سے پیش آئیں۔

بیوی شوہر کا جز ہے:

یہاں ایک نکتے (Point) کی بات سمجھ لو! جب نکاح کی مجلس ہوتی ہے تو عام طور پر نکاح کے خطبے میں جو تین آیات پڑھی جاتی ہیں اُن میں سے ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء : ١)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھاری پیدائش (کی ابتدا) ایک جان سے کی، پھر اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا فرمایا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اوّلاً حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر آپ سے آپ کی بیوی حضرت حوّا کو پیدا فرمایا، دونوں کی تخلیق میں فرق رکھا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے پیدا فرمایا، جس میں مادّہ مٹی کا تھا، قرآن پاک میں آپ کی تخلیق کو یوں بیان فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ﴾ (صٓ : ۷۱)

''(وہ وقت یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں (گیلی) مٹی سے ایک پیکر بشریت پیدا فرمانے والا ہوں۔''

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو ملائکہ کے سامنے فرمایا کہ میں انسان کو مٹی سے پیدا کروں گا، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں مادّہ مٹی کا استعمال کیا گیا، پھر آپ کی پسلی سے حضرت حوّا کو پیدا کیا گیا۔[1] تو سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اسی طرح حضرت

---

(١) صحيح البخاري/كتاب أحاديث الأنبياء / باب قول الله تعالىٰ: وإذ قال ربك. الرقم : ٣٣٣١

حوّا کی تخلیق کیوں نہیں ہوئی؟ اُن کو حضرت آدم علیہ السلام کے جزوِ جسم سے کیوں پیدا کیا گیا؟ اس کی وجہ (Reason) کیا ہے؟ اس کی حکمت کیا ہے؟

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلّق بہت پیاری بات تحریر فرمائی کہ اس کے ذریعے شوہر کو یہ پیغام دیا گیا کہ بیوی تمھارا جز ہے، تمھارا حصّہ (Part) ہے، لہٰذا تمھیں اُس کے ساتھ ایسی ہی ہمدردی ہونی چاہیے جیسی تمھیں اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ اگر ہم گوشت وغیرہ کھا رہے ہوں، کھانے کے دوران کھانا چباتے ہوئے زبان دانتوں کے درمیان آجائے اور زخمی ہوجائے تو بہت درد اور تکلیف ہوتی ہے، اس وقت کیا ہم دانت پر غصّہ نکالیں گے کہ کیوں تم نے زبان کو زخمی کردیا؟ اب تمھیں سزا دی جائے گی، نہیں، ہم ایسا نہیں کریں گے، کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ دانت بھی ہمارے ہی بدن کا جز ہیں اور زبان بھی، دونوں ہی ہمارے بدن کے اَجزا (Parts Of Body) ہیں، دونوں میں سے کسی بھی ایک کو تکلیف ہوگی تو اُس تکلیف کا احساس پورے بدن کو ہوگا۔

اسی طرح اس آیت کریمہ ﴿خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ میں اس بات کا پیغام ہے کہ زوجین آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں، جس طرح جسم کا ایک جز تکلیف میں ہو تو دوسرا بھی درد محسوس کرتا ہے، اسی طرح زوجین کو آپس میں ایک دوسرے کا ہمدرد بن کر رہنا چاہیے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں میں سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

شوہر کے لیے سات ہدایات:

(۱) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو پہلی ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو عقد نکاح کے ایجاب وقبول کے تقاضے کے مطابق عملی طور پر بھی قبول (Accept) کرے۔

نکاح کی مجلس میں جو ایجاب وقبول ہوتا ہے اُس میں شوہر جب عقد نکاح قبول کرتا

ہے تو اُس قبول کے ضمن میں بیوی کی عادات، مزاج اور حقوق وغیرہ داخل ہیں، اس قبول کے لیے صرف زبانی الفاظ ادا کردینا کافی نہیں، بلکہ عملی زندگی (Practically Life) میں اِس قبول کو برتنا بھی ضروری ہے کہ حقیقت میں شوہر اپنی بیوی کو قبول (Accept) کرے، کیوں کہ بیوی کی عادات، مزاج اور طبیعت وغیرہ کے متعلّق بہت سی باتیں نکاح سے پہلے شوہر کو پتا نہیں ہوتیں، پھر ہر ایک انسان میں کچھ کمیاں، کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوتی ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ بیوی بھی انسان ہونے کی وجہ سے اُن کمیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں سے خالی تو نہیں ہوگی، لہٰذا قبول کے تقاضے کے مطابق بیوی کو اُس کی تمام تر عادات، مزاج، طبیعت اور کمزوریوں سمیت قبول کرنا ہوگا، کسی بھی کوتاہی کو لے کر آسمان سر پے اُٹھا لینے سے بات بننے کے بجائے بگڑ جاتی ہے۔

بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے، ''سرورِ شہر'' کا دور ہے، پھر بھی شوہر صاحب خوش وخرّم ہونے کے بجائے اُکھڑے اُکھڑے سے نظر آتے ہیں، پھر بسا اوقات اندرون کی کڑھن زبان پر شکوہ بن کر رونما ہوجاتی ہے کہ ''میں تو اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہی نہ تھا، ابا جان نے زبردستی رِشتہ طے کردیا۔'' ارے بھائی! یہ کیسی زبردستی ہے جو سمجھی ہی نہیں جاسکتی، اگر آپ کو زبردستی تیار کیا گیا تھا اور دباؤ میں (Pressurerize) تھے تو مجلس نکاح میں سب کے سامنے ہی جب قبول کے لیے کہا گیا تو انکار کردیتے، اُس وقت تو خوشی خوشی قبول کرلیا، تو اب عملی زندگی بھی اُسی قبول کے تقاضوں کے مطابق حسن معاشرت اور خوش اخلاقی کے ساتھ بیوی کو قبول کرکے گزارنی ہوگی، بیوی کو قبول کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے اُس کی قربانیوں کو دھیان میں رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے خاندان میں اپنے ماں باپ، بھائی بہن وغیرہ تمام کو چھوڑ کر تمھارا گھر بسانے کے لیے آئی ہے، تو کیا تم اُس کی

کمزوریوں اور کوتاہیوں کو برداشت نہیں کرسکتے؟

اس کے ساتھ ہم یہ بھی سوچیں کہ بیوی اپنے اُس گھر سے آئی ہے جو اُس کے لیے ہر طرح سے مانوس تھا، اس کے لیے اپنا گھر ایک (Comfort Zone) تھا، وہاں سے جب وہ شوہر کے گھر آتی ہے تو شروع میں گھر کے افراد کے ساتھ کچھ اجنبیت محسوس ہوتی ہے، گھلنے ملنے (Set) ہونے میں ایک وقت درکار ہوتا ہے، ہم ذرا اپنے ہی بارے میں سوچیں کہ ہم اگر اپنے گھر سے باہر کسی اجنبی جگہ پہنچ جائیں جہاں کچھ لوگ پہلے سے رہتے ہیں تو کیا ہم اُن کے ساتھ ایک دَم سے گھل مل جائیں گے؟ فوراً سیٹ (Set) ہوجائیں گے؟ نہیں، بلکہ وقت لگے گا، اسی طرح بیوی جو ہمارے لیے اپنا مانوس ٹھکانا چھوڑ کے آئی ہے، اگر جوئنٹ فیملی (Joint Family) ہے تو گھر کے افراد اُس کے لیے ابتدا میں اَجنبی جیسے ہوں گے، جن کے ساتھ سیٹ (Set) ہونے میں اُسے وقت لگتا ہے، تو اُس کے لیے ہمیں ذہنی اعتبار سے ہر طرح تیار رہنا ہے۔

تو بہرحال شوہر کے لیے یہ پہلی ہدایت ہے کہ وہ عقد نکاح میں کیے گئے قبول کے تقاضے کے مطابق عملی زندگی (Practically Life) میں بھی اپنی بیوی کو دِل و دِماغ سے قبول کرے۔

(۲) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو دوسری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی بات کو توجّہ سے سنے، اگر وہ کوئی بات کر رہی ہے تو اُس کو بلا وجہ نظر انداز (Ignore) نہ کرے، اُس کی ہر بات سے اتفاق ہی کرنا لازم نہیں ہے، لیکن ہر بات غور سے سنی تو ضرور جا سکتی ہے، اُس کی بات اگر توجّہ اور غور سے سنی جائے تو یہ چیز اُس کی دل جمعی کا باعث بنے گی، آخر وہ شوہر کی شریکۂ حیات (Life Partner) ہے، اُس کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کی

ہمدردی میں کوئی مشورہ دے یا جو بات اُسے مناسب معلوم ہوتی ہے وہ کہے، عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اگر بیوی شوہر کی تجارت، کاروبار، بزنیس (Business) ملازمت یا پیشے وغیرہ کے متعلّق کوئی بات کہے یا کوئی ایسا مشورہ دے جو اُسے مناسب لگتا ہو تو شوہر صاحب فوراً اُسے چُپ کرادیتے ہیں کہ ''تم خاموش رہو، تمھیں اِس بارے میں کچھ نہیں پتا۔'' شوہر ہمیشہ اِس خیال سے کہ یہ لائن اُس کی نہیں ہے، پھر کیوں سنے؟ اُس کی بات نظر انداز کر دیتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ رویّہ بیوی کے دل میں احساسِ کمتری (Inferiority) پیدا کر دیتا ہے، اُسے یہ لگتا ہے کہ میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں، ایسی بے رُخی دِل شکنی کا باعث بنتی ہے، اُس کی بات سے اتفاق کر لینا ضروری نہیں تو پھر دھیان اور توجّہ سے پوری عزّت کے ساتھ اُس کی بات سن لینے میں کیا حرج ہے؟ لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ اُس کی بات غور سے سنے اور بطورِ تبصرہ و مذاکرہ اُس سے کچھ سوال بھی کرے، تو اس سے بیوی کو خود کی اہمیت و اعتماد (Importance) کا احساس ہوگا کہ میرا شوہر میری بات پر دھیان دیتا ہے۔ یہ پوئنٹ اگر چہ بظاہر معمولی لگتا ہے لیکن یاد رہے کہ زوجین کے درمیان آپسی اُلفت میں اِس کا دیر پا اثر رہتا ہے۔

بیوی سے مشورہ:

سیرت وسنّت کی روشنی میں اس مسئلے کو سمجھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب وحی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کا فیضان ہو رہا ہے، غلطی کا امکان نہیں ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مواقع پر اپنی ازواج سے مشورہ فرمایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفّار و مشرکین سے معاہدے میں یہ بات طے ہوگئی کہ اس سال مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس جائیں گے، چوں کہ احرام پہن کر آئے تھے اس

لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ سب قربانی کر کے حلق کرا لیں، لیکن عمرہ اور بیت اللہ کی زیارت سے محرومی کا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اتنا رنج تھا اور اس دبی ہوئی صلح کے سبب وہ ایسے مغموم وشکستہ خاطر تھے کہ جلدی سے کوئی بھی اس حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہ ہوا، گویا سنا ہی نہ ہو، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک اشارے پر جان قربان کر دینے والے جاں نثاروں کی جماعت پہلی بار حکم کی تعمیل میں پس وپیش میں نظر آ رہی ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے مشورہ کیا کہ اس طرح کی صورتِ حال ہے، انھوں نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسا کریں کہ اولاً خود قربانی کر لیں، حلق بھی کروالیں، اس مشورے کا فائدہ یہ ہوا کہ جیسے ہی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عمل کیا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اس پر عمل کیا۔

(سیرتِ مصطفیٰ: ۲/ ۷ ۴ ۳، کتب خانہ مظہری)

تو دیکھیں کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ سے مشورہ لیا اور اس کے مطابق عمل بھی کیا، جس کا فائدہ بھی ظاہر ہوا۔

یہاں سے ایک نکتے کی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ آدمی اپنی کہی ہوئی بات پر جب خود عمل کرتا ہے تو سننے والوں کے لیے بھی عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، صرف بولتے رہنے سے اور زبانی جمع خرچ سے مثبت نتائج بر آمد نہیں ہوتے۔

کہا اُس کا ہرگز نہ مانے گی دُنیا
جو اپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا

اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بیوی سے مشورہ لینا اور خیر سمجھ میں آجائے تو اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیے۔

(۳) خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے شوہر کو تیسری ہدایت یہ ہے کہ اپنی بیوی کے

لیے پورا وقت نکالے، جس میں اُس کے ساتھ بات چیت کرے، اُس کا حال دریافت کرے، کچھ دل لگی کرے، آج کی دوڑ بھاگ والی تیز رفتار زندگی کا اَلمیہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو وقت نہیں دیتا، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے ذمّے صرف بیوی کے اخراجات ہیں، لہٰذا گھریلو ضروریات کا خرچ دے دیا، جیب خرچ دے دیا تو گویا حق ادا کر دیا، یاد رہے کہ صرف پیسے دے دینے ہی سے سب کچھ نہیں ہو جاتا، یہ بہت بڑی کوتاہی اور کمزوری ہے۔

بہت سے شوہروں کو دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ملازمت اور کاروبار وغیرہ سے رات کو سات بجے یا آٹھ بجے گھر لوٹتے ہیں، پھر آدھا گھنٹہ فریش ہونے میں لگا دیا، پھر کھانا پینا آدھا گھنٹہ ہوا، پھر سیدھے دوستوں کی محفل میں تشریف لے گئے اور وہاں رونق افروز ہوئے تو دیر رات کو بارہ ایک بجے تک وہیں تشریف فرما ہوتے ہیں، گویا گھر پر کوئی انتظار کرنے والا ہے ہی نہیں، پھر رات کی بیداری کی تلافی کے لیے دِن میں دیر تک جب تک آفس کا وقت نہ ہو جائے سوئے رہتے ہیں، تو پورے چوبیس گھنٹے میں بیوی کو کتنا وقت ملا؟ آخر وہ بھی انسان ہے، اُنسیت اُس کی ضرورت ہے۔

لہٰذا نکاح کے بعد اپنا مستقل ایک ایسا نظام الاوقات بنائیں جس میں بیوی کے لیے بطورِ خاص وقت فارغ ہو، اُس وقت موبائل فون بھی ایک جانب رکھ دیں اور ملازمت، تجارت اور کاروبار کے سارے جھمیلے بھی بھول جائیں، یہ وقت صرف بیوی کے لیے ہو، اور اِس نظام الاوقات کی ہمیشہ پابندی کریں۔

(۴) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو چوتھی ہدایت یہ ہے کہ اگر جوئنٹ فیملی (Joint Family) میں رہتے ہیں تو کئی بار کچھ معاملوں میں آپسی رَنجش بھی ہو جاتی ہے، اکثر ہوتا یہ ہے کہ شوہر کے سامنے اُس کی والدہ بھی بیوی کی شکایت کر رہی ہے، بہن بھی

شکایت کر رہی ہے، شوہر اپنی آفس سے، کاروبار سے اور دُکان سے تھکا ہارا آیا ہوا ہوتا ہے تو وہ ان شکایتوں کو سنتے ہی فوراً بیوی پر برسنے لگتا ہے، حالانکہ ہر بار بیوی ہی کا قصور ہو ضروری نہیں، اسی طرح اگر گھر میں قدم رکھتے ہی بیگم صاحبہ شکوے شکایتوں کے اَنبار لگا دیں تو ہر بار ماں بہن ہی کا قصور ہو یہ بھی ضروری نہیں۔

بسا اوقات شوہر شکوے شکایتیں سن کر جلد بازی اور جذبات میں بہت سے ایسے فیصلے کر دیتا ہے جن سے رَنجش میں اور اِضافہ ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر بہتر یہی ہے کہ ایک اُصول یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی آپسی جھگڑے کی بات ہو تو جب تک فریقین میں سے ہر ایک کی بات اطمینان سے سن نہ لیں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کریں، نیز تھکے ہوئے ہونے کی حالت میں، غصّے کی حالت میں بھی جلد بازی اور جذبات کے شکار ہو کر کوئی بھی فیصلہ نہ لیں، اوّلاً ہر فریق کی بات اطمینان سے سن لیں، پھر ٹھنڈے دِماغ سے بہتر حل نکالنے کے لیے غور وفکر کریں اور اس بات کی پوری کوشش کریں کہ کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو، تمام رِشتوں میں اعتدال اور توازن برقرار رہے ایسا فیصلہ کریں، ورنہ جلد بازی اور جذبات میں لیے گئے جارحانہ اقدام کئی مرتبہ خوشگوار زندگی میں زہر گھول دیتے ہیں۔

(۵) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو پانچویں ہدایت یہ ہے کہ بیوی کے کسی بھی اچھے کام پر اُس کی حوصلہ اَفزائی (Appreciate) نہ بھولے، خاص طور پر بیوی جب بھی کوئی کام حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے تو فوراً کچھ تعریفی کلمات ایسے ضرور کہے جن سے اُس کے حوصلے میں اضافہ ہو، اُسے اُس کام کو مزید اچھے طریقے اور سلیقے سے کرنے کا شوق ہو، اگر چہ وہ کام جو کیا گیا ہے بیوی کی گھریلو ذمّے داری ہی کیوں نہ ہو، شوہر یہ نہ سوچے کہ یہ کام تو اُس کی ذمّے داری ہے، اگر کر لیا تو کونسا بڑا کمال کر دیا؟ جیسے شوہر نے دیکھا کہ بیوی میری ماں

کی خدمت کررہی ہے، اُن کے پیر دبا رہی ہے، تو اُس کی حوصلہ اَفزائی کرتے ہوئے دو تعریف کے کلمات کہہ دے کہ آج تم نے میرا دِل خوش کر دیا، ماں کے قدموں تلے جنّت ہے اور جنّت کے حصول میں تم نے میری مدد کر دی، ایسی حوصلہ اَفزائی بہت مؤثر ٹانک (Tonic) کا کام کرے گی، جس سے بیوی کو مزید اچھے کام کرنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوگا۔

(٦) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو چھٹی ہدایت یہ ہے کہ شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کا آقا (Boss) بن کر نہ رہ جائے کہ بس ہمیشہ خدمت لیے جا رہا ہے، بلکہ بیوی کے ساتھ پوری طرح بےتکلّف بن کر زندگی گزارے، شوہر صرف پیسے کمانے ہی کو اپنی ذمّے داری نہ سمجھ لے، بلکہ جب بھی وقت ملے بیوی کو گھریلو کام میں حتی الامکان مدد بھی کرے۔ اِس بات کو شوہر اپنے لیے باعث ننگ وعار نہ سمجھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ اُمہات المؤمنین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ اِتنے بےتکلّف رہتے تھے کہ جس قدر ممکن ہوتا گھریلو کام میں اُن کا ساتھ دیتے، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے سلام کرکے داخل ہوتے، گھر میں ایک بہترین شوہر کی حیثیت سے بلاتکلّف گھر والوں کے ساتھ وقت گزارتے، اُنھیں وقت دیتے، اُن کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتے اور ساتھ دیتے محض آرام فرمانے کے بجائے کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے، خاص طور پر اپنے ذاتی کام حتی الامکان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اَنجام دیتے تھے، کسی کو حکم نہ فرماتے، ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"سَأَلَ رَجُلٌ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْمَلُ فِي بَيْتِه شَيْئًا؟" قَالَتْ: "نَعَمْ، كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْصِفُ نَعْلَه، وَيَخِيطُ ثَوْبَه، وَيَعْمَلُ فِي بَيْتِه كَمَا يَعْمَلُ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِه."(١)

(١) مسند أحمد / مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، الرقم : ٢٥٣٤١.

''ایک شخص نے ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں کچھ کام کرتے تھے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جوتی خود سیتے، اپنا کپڑا بھی خود سیتے اور جس طرح ایک عام انسان اپنے گھر کے کام کرتا ہے اسی طرح آپ بھی اپنے گھریلو کام انجام دیتے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخدوم بننے کے بجائے خادم بن کر گھریلو کام میں گھر کے ایک فرد کی طرح شریک ہوتے، تاکہ اہل خانہ سے اُنسیت اور اپنائیت برقرار رہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ گھریلو کام میں بیوی کا ہاتھ بٹانے سے اُسے اپنائیت کا احساس ہوتا ہے، اور یہ پوئنٹ (Point) بھی محبت واُلفت میں اضافے کا باعث ہے۔

(۷) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے شوہر کو ساتویں ہدایت یہ ہے کہ شوہر بیوی کو عملی طور پر اِس بات کا یقین دِلائے کہ وہ شوہر کے ساتھ ہر طرح سے محفوظ ہے، یہ بھی شوہر کی ذمّے داری ہے، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (النساء : ٣٤)

''مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں۔''

عام طور پر اس کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ شوہر بس بیوی کا حاکم ہے، لہٰذا بیوی پر صرف وہ حکومت کرے اور اپنے آرڈر اُس پر نافذ کرتا رہے، حالانکہ یہ مطلب نکالنا مکمّل طور پر غلط ہے، بیوی شوہر کی باندی نہیں ہے، بلکہ رفیقۂ حیات (Life Partner) ہے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کو بیوی کے لیے "قَوَّام" یعنی حفاظت کرنے والا، اُس کو سہارا دینے والا بنایا ہے، اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جس کو زیادہ قوت اور پاور دیا جائے اُس کی ذمّے داری بھی اسی قدر بڑھ جاتی ہے، انگلش زبان میں ایک جملہ مشہور ہے:

"With Great Power Comes Great Responsibility."

یعنی ”زیادہ قوت واختیار ہمیشہ بڑی ذمّے داری کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔“

چوں کہ صنف اِناث کمزور ہے، لہٰذا صنفِ رِجال جو کہ عورت کے مقابلے میں صنف قوی ہے اُسے محافظ بنایا گیا، جو عورت کو ہر طرح کی داخلی وخارجی تکلیفوں سے اور شرور وفتن سے بچائے اور جب بھی ضرورت ہو اُس کا سہارا بن کر کھڑا رہے، اُسے مکمّل تحفظ فراہم کر کے یہ احساس دِلائے کہ وہ تنہا نہیں ہے، بلکہ شوہر کے ساتھ وہ بالکل محفوظ (Safe) ہے۔

ہمارے معاشرے کا ایک بڑا اَلمیہ:

ہمارے معاشرے میں اکثر یہ اَلمیہ دیکھا جاتا ہے کہ شوہر جس کی ذمّے داری بیوی کو تحفظ فراہم کرنے کی ہے اکثر وہ خود ہی اُس کے لیے مصیبت بن جاتا ہے، بیوی کے ساتھ اِتنا سخت مزاج اور ترش رُو ہو کر رہتا ہے کہ اُسے ضروری بات پیش کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے، چہ جائے کہ وہ اپنی تکلیف شوہر کے سامنے بیان کر سکے، ہر وقت اُسے اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ ابھی شوہر کاروبار سے، دُکان سے، آفس سے گھر آئے گا اور اُس کے ساتھ جھگڑا کرنا شروع کر دے گا، اب جس شوہر کی یہ عادت ہو اُس سے بیوی اپنے تحفظ کی اُمید کیسے کر سکتی ہے؟ یاد رکھنا چاہیے کہ عورت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، صنف نازُک ہے، اگر اُس کی حق تلفی کی گئی تو دُنیا میں اگر چہ مرد اُس کی زبان بند کر دے، لیکن آخرت میں اُس کا حساب بہر حال بہت مہنگا ثابت ہوگا۔

خطیب الامّت حضرت مولانا سیّد ابرار احمد صاحب دُھلیوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ”اگر دنیا میں شوہر اپنی بیوی کا حق دبائے، ظلم وزیادتی کرے اور ستائے تو یہاں خیر اس کے پاس پاور اور طاقت ہے، وہ دبا سکتا ہے، مگر مرنے کے بعد اُس سے سارے ظلم وستم کا

بدلہ قیامت کے دِن لیا جائے گا اور اللہ جل شانہٗ کے دربار میں بیوی حاضر ہوکر زبانِ حال سے کہے گی:

وہ دنیا تھی جہاں تم بند کرتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سننی پڑے گی داستاں میری

(فیض ابرار: ۴/ ۳۴۵)

بہر حال یہ سات ہدایات ہیں جن پر شوہر کو عمل کرنا ہے، یہاں یہ بھی واضح رہے کہ صرف یہی سات ہدایات ہوں یہ ضروری نہیں، دینی و دُنیوی اعتبار سے تجربات کی روشنی میں اور بھی ہوسکتی ہیں، یہ تو بنیادی سات ہدایات آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں، جن کو ہم نے مختلف مقامات سے یکجا کیا ہے۔

میں تمام بھائیوں سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ اِن سات بنیادی باتوں کو ہمیشہ دھیان میں رکھیں اور اِن تمام باتوں کے خلاصے کے طور پر مختصراً حدیث پاک کا ایک جملہ ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرلیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِه، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ."(۱)

''تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہو، اور میں تم میں اپنے اہل وعیال کے لیے سب سے بہتر ہوں۔''

اور یہ بھی نہ بھولیں کہ

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اُسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

(۱) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، الرقم: ۳۸۹۵.

بیوی کے لیے سات ہدایات:

اب ہم اُن سات ہدایات کے بارے میں بات کریں گے جو بیویوں سے متعلّق ہیں، شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہیں، اِزدواجی زندگی کو خوش حال بنانے کے لیے جانبین سے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، تب ہی گھر کا ماحول خوشگوار بن سکتا ہے اور گھر جنّت کا نمونہ بن سکتا ہے، زوجین میں سے کوئی بھی اگر صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کرے اور دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی پرواہ نہ کرے تو آپس میں میل ومحبت قائم نہیں ہوسکتی، لہٰذا ہر ایک کی کوشش یہ ہو کہ خود اپنے حق کا طالب بننے کے بجائے دوسرے کے حق کو ادا کرنے والا بن جائے، آپ کی جانب سے جب سامنے والا حقوق کی ادائیگی کو دیکھے گا تو اُسے خود بہ خود یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ وہ بھی آپ کے حق کو مکمّل ادا کرے۔

(۱) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو پہلی ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اُس مقام اور مرتبے کو سمجھے جو شریعت مطہرہ کی جانب سے اُسے عطا کیا گیا ہے، حدیث پاک میں شوہر کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا."(۱)

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرے، لیکن غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں، حرام ہے، اس لیے عورت اپنے خاوند کو سجدہ نہ کرے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شوہر کا مقام ومرتبہ نہایت اونچا اور بلند ہے، لہٰذا بیوی کو

---

(۱) سنن الترمذي / باب ما جاء في حق الزوج على المرأة / الرقم : ۱۱۵۹.

چاہیے کہ اپنے خاوند کے مرتبے کا لحاظ کرے، اُس کو جب بھی خطاب کرے تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جو بچّوں کے لیے کیے جاتے ہیں، مثلاً بچّے کو بلا رہی ہے تو کہے گی: ’’اے زید! اِدھر آؤ، تمھیں کتنی بار کہا کہ فلاں کام مت کرو؟ تمھیں میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟‘‘ اگر یہی جھڑکنے کا انداز شوہر کے ساتھ بھی برتا جائے تو یہ بیوی کی بداخلاقی شمار ہوگی، جب شوہر سے خطاب ہو تو گزارش اور درخواست کا انداز ہونا چاہیے کہ ’’میری رائے یہ ہے کہ فلاں کام اس طرح کیا جائے، پہلے بھی میں نے کہا تھا‘‘......وغیرہ۔

(۲) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو دوسری ہدایت یہ ہے کہ شوہر جب بھی گھر سے باہر جائے تو اُسے اچھّی طرح رُخصت کرے اور جب باہر سے آئے تو اُس کا اچھّی طرح استقبال (Welcome) کرے، شوہر جب گھر سے باہر کسی کام کے لیے جائے تو اُس کام کے متعلّق جو کچھ سامان ہو اُسے تیار کرنے میں مدد کرے، کوئی چیز اگر بھول رہا ہو تو اُسے یاد دِلائے، اگر لمبے سفر میں جا رہا ہو تو سفر کی ضروریات کا سامان اُس کے لیے تیار کردے، پھر اُسے کم از کم گھر کے دروازے تک رُخصت کرنے کے لیے جائے اور دُعائیہ کلمات "فِيْ أَمَانِ اللهِ" کہے۔ پھر جب وہ اپنے کام سے یا سفر سے واپس آئے تو ہنسی خوشی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا استقبال کرے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بیوی کا ہنستا چہرہ دیکھ کر شوہر اپنے کام اور سفر کی پوری تکان بھول جائے گا اور راحت واطمینان محسوس کرے گا۔

شوہر کے گھر سے باہر ہونے کے دوران کوئی ناگوار بات پیش آئی ہو تو فوراً شوہر کے گھر میں داخل ہوتے ہی اُس کا تذکرہ نہ کرے، بلکہ اوّلاً اچھّی طرح استقبال کرے، اُس کو فریش ہونے کا موقع دے، بھوکا ہے تو کھانے پینے کا نظم کرے، پھر اُس کے سامنے اپنی بات رکھے۔ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ ؟ قَالَ: "الَّذِيْ تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُه إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُه فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِه."(١)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسی عورت سب سے بہتر بیوی ہے؟ تو فرمایا کہ ''جب بھی شوہر اُسے دیکھے تو اُسے خوش کر دے، اُس کی بات مانے اور اپنی ذات اور شوہر کے مال کے معاملے میں شوہر کو ناپسند ہو ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔''

(۳) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو تیسری ہدایت یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے بن سنور کر رہے، پراگندہ اور بدسلیقہ بن کر نہ رہے، گھر میں رہتے ہوئے اپنی صفائی، ستھرائی اور زینت کا خیال رکھے، جس سے شوہر کا میلان و رُجحان اُس کی طرف بنا رہے، اس سلسلے میں خواتین کی جانب سے زیادہ کوتاہی دیکھنے کو ملتی ہے، اکثر یہ غلط خیال ذہنوں میں ہوتا ہے کہ بناؤ سنگار اور زینت عورت تب کرے گی جب اُسے کہیں باہر جانا ہو، کسی تقریب (Ceremony) وغیرہ میں شریک ہونا ہو، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، بلکہ عورت کے لیے صرف اپنے شوہر کے لیے زینت اختیار کرنے کی اجازت ہے، شوہر کے علاوہ کسی کے لیے بننے سنورنے میں عذاب کی وعید ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : "مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِيْ الزِّيْنَةِ فِيْ غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا."(٢)

''اجنبی (غیر محرم) مردوں کے سامنے بناؤ سنگار کر کے نخرے کرنے والی عورت قیامت کے دن کی تاریکی کے مانند ہوگی، اُس کے لیے کوئی روشنی نہ ہوگی۔''

---

(١) مسند أحمد / مسند أبي هريرة رضي الله عنه. الرقم : ٧٤٢١.
(٢) سنن الترمذي / باب كراهية خروج النساء في الزينة، الرقم : ١١٦٧.

چوں کہ دنیا میں اس نے غیروں کے لیے زینت اختیار کی تھی، جس سے لوگوں کے دل کالے ہوئے تھے، تو قیامت کے دِن اس کی سزا بھی "الجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ" کا مصداق بنے گی۔

ہمارے معاشرے میں خواتین عام طور پر گھر میں میلی کچیلی رہتی ہیں، نہ صفائی کا ٹھکانا اور نہ سلیقے کا، بسا اوقات گھر کی خادمہ جو باہر سے آتی ہو وہ بھی گھر کی آقانی سے زیادہ صاف ستھری معلوم ہوتی ہے، اور گھر میں بیگم صاحبہ جو گھر کی رانی (Queen) ہیں وہ خود پراگندہ رہتی ہیں۔ ٹھیک اِس سے برعکس اگر کہیں باہر جانا ہو تو خوب بنتی سنورتی ہیں، یہاں تک کہ اگر گھر سے سات بجے نکلنا ہو تو شوہر کو احتیاطاً چھ بجے کا وقت بتانا پڑتا ہے! ورنہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر یقینی ہوتی ہے۔

حالانکہ عورت کو زینت اختیار کرنے کی اِجازت صرف اپنے شوہر کے لیے ہے، تاکہ وہ اپنی کشش سے شوہر کی توجّہ اپنی جانب مرکوز رکھ سکے اور اس طرح شوہر بھی بدنظری اور زنا جیسے بڑے گناہوں سے بچ سکے۔

(۴) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو چوتھی ہدایت یہ ہے کہ دِن بھر گھر میں بیوی کو جو مسائل پیش آئے ہوں، جتنے پرابلیمس (Problems) کا سامنا ہو وہ سب کے سب شوہر کے گھر میں آتے ہی بیان کرنا شروع نہ کر دے کہ آج فلاں نے میرے ساتھ جھگڑا کیا، فلاں نے میرے بارے میں یوں کہا، ایک ہفتے سے تمھیں لائٹ بل بھرنے کے لیے دیا ہے، کیا ہوا؟ یہ انداز بالکل مناسب نہیں، شوہر اپنے کام سے، کاروبار سے اور آفس سے تھکان سے چور ہو کر آ رہا ہو تو اس وقت طبعی طور پر وہ یہ سوچتا ہے کہ گھر جا کر جلدی فریش ہو جاؤں گا، اس وقت شوہر اِن شکوہ شکایتوں کو سننے اور فیصلہ کرنے کی حالت میں نہیں ہوتا،

لہٰذا پہلے اُسے فریش ہو جانے دیں، کچھ دیر دِلی اور دِماغی طور پر سکون مل جانے دیں، پھر مناسب وقت دیکھ کر اپنی باتیں رکھیں۔

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ بیوی کی شکایتیں صحیح بھی ہوتی ہیں، لیکن اُنھیں پیش کرنے کا وقت صحیح نہیں ہوتا، کہ شوہر کے گھر میں داخل ہوتے ہی اُس کو شکار کی طرح ہدف بنالیا اور مسلسل گولہ باری شروع کردی، یا انداز صحیح نہیں ہوتا، اس وجہ سے شوہر اُس کی بات پر کان نہیں دَھرتا، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تو بیگم صاحبہ کی پرانی عادت ہے، شکوہ اُن کا مزاج بن چکا ہے، اس وجہ سے بات صحیح ہونے کے باوجود وہ خاطر میں نہیں لائے گا۔

(۵) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو پانچویں ہدایت یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے مال اور اپنی عفت و پاکدامنی میں مکمّل امانت دار اور محافظ ہو، حدیث پاک میں نیک بیوی کی کچھ علامات اس طرح ذکر ہوئی ہیں:

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّه كَانَ يَقُوْلُ:"مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَه مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ، إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْه، وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْه، وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْه، وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِه."(۱)

اس حدیث پاک میں نیک بیوی کی چار علامات بیان کی گئی ہیں:

(۱) جب شوہر اس کو کسی کام کا حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔ (بشرطیکہ خلافِ شرع کام نہ ہو)۔ نیک عورت کی سب سے بڑی خوبی اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو۔

(۲) جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے۔ خندہ پیشانی سے ملے اور اچھے سلیقے سے بات کرے، شوہر جب بھی اس کی طرف دیکھے تو اُسے ایک قلبی سکون کا

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب النكاح / باب أفضل النساء، الرقم : ۱۸۵۷.

احساس ہو، یعنی شوہر کی خوشی کا خیال رکھے۔

(۳) جب اس کے لیے کسی معاملے میں قسم کھائے تو وہ اس کو بری کر دے۔ شوہر کی قسم کی لاج رکھنے والی ہو۔ مثلاً شوہر اپنے کسی رشتے دار وغیرہ کے سامنے قسم کھا کر کہے کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر کہیں جاتی نہیں، یا کسی فضول رسم و رواج میں پڑتی نہیں، وغیرہ، تو واقعی وہ اس طرح کر دِکھائے۔

(۴) جب وہ اُس سے غائب ہو، طویل سفر وغیرہ میں جائے تو اپنی ذات اور شوہر کے مال کی حفاظت کا پورا خیال رکھے، اور اپنے شوہر کی خیر خواہ ہو۔

(۶) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو چھٹی ہدایت یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی ہر حالت میں شکر گزار رہو، ناشکری و ناقدری نہ کرے، شکر گزاری کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر زوجین معاشی تنگی میں ہوں گے تو شکر گزاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُنھیں فراوانی عطا فرمائیں گے، شوہر کی ناشکری کرنا ایسی خصلت ہے جس کے متعلّق حدیث پاک میں یہ وعید بیان ہوئی ہے کہ عورتیں زیادہ تر جہنّم میں اِسی خصلت کی وجہ سے ہوں گی کہ وہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔

"يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ، فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: "وَبِمَ يَا رَسُولَ اللهِ!" قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ."(۱)

شوہر اگر تنگ دست ہے تو بہت سی خواتین کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ "میں نے تیرے گھر آ کر کیا دیکھا؟ صرف دو چیتھڑے اور دو ٹھیکرے۔" یعنی کچھ معمولی کپڑوں اور کچھ برتن کے سوا تیرے گھر میں کچھ نہیں۔

اور اگر شوہر خوش حال ہو، جس نے ڈھیر ساری سہولیات فراہم کی ہوں، کپڑوں، زیوروں اور جوتیوں کے اَنبار لگا دیے ہوں، تب بھی کہیں نہ کہیں سے نکتہ ضرور نکالتی ہیں کہ

(۱) صحيح البخاري / كتاب الحيض / باب ترك الحائض الصوم، الرقم : ٣٠٤.

فلاں زیور نہیں خریدا، فلاں کپڑا یا فلاں سوٹ جو مارکیٹ میں نیا آیا ہے اس مہینے نہیں خریدا، یاد رہے کہ اس طرح کی ناشکری اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں، اس حرکت سے برکت ختم ہوجاتی ہے، لہٰذا عادت بنائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس حال میں رکھا ہو اُس کا شکر ادا کریں اور حرفِ شکایت زبان پر ہرگز نہ لائیں۔

اس سلسلے میں ایک اُصول ہمیشہ یاد رکھیں کہ دُنیا جو کہ دار التکلیف ہے، اُس میں انسان کے خوش رہنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ جو میسّر ہو اُسی کو کافی سمجھ کر خوش ہو، اگر دِل کا غنا حاصل ہوگا تو تنگ دستی میں بھی وہ کیف وسرور محسوس ہوگا جو بادشاہوں کے محل میں نصیب نہیں ہوتا اور اگر دِل ہی میں غنا نہیں تو دُنیا بھر کے مال ومتاع تمھیں خوشی نہیں دے سکتے۔

(۷) خوشگوار اِزدواجی زندگی کے لیے بیوی کو ساتویں ہدایت یہ ہے کہ بیوی شوہر کے مال میں کبھی خیانت اور فضول خرچی نہ کرے، بلکہ قناعت سے کام لے، تاکہ شوہر کے مال میں برکت ہو، فضول خرچی سے مال کی برکت ختم ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن پاک میں شیطان کے بھائی کہا گیا ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ﴾ (الإسراء : ٢٧)

’’بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔‘‘

ظاہر سی بات ہے کہ فضول خرچی اگر عورتیں کریں گی تو وہ شیطان کی بہنیں شمار ہوں گی، بہت سے گھروں سے شکایت ملتی ہے کہ خواتین شوہر کے مال کو بڑی بے دردی سے اُڑاتی ہیں، حالانکہ شوہر اُس مال کو کمانے میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے، مانا کہ بیوی اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے، گھر کا ہر چھوٹا بڑا کام سنبھالتی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں، یہ بیوی

کا بہت بڑا احسان ہے، لیکن بلا ضرورت شوہر کا مال خرچ کر دینا کوئی عقلمندی کی بات نہیں، شوہر کا مال تو کجا، خود اپنے مال میں بھی فضول خرچی جائز نہیں ہے۔

شوہر اگر مالی اعتبار سے خوش حال ہو تو بہت سی خواتین یہ عادت بنا لیتی ہیں کہ ہر مہینے تین یا پانچ جوڑے نئے کپڑے خریدتی ہیں، بازار میں جو بھی کپڑا اور جو بھی سوٹ نیا آیا ہو بس وہ خود کی اَلماری (Wardrobe) میں ہونا ضروری سمجھتی ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہزاروں روپیے کا ایک کپڑا جو کسی ایک تقریب میں پہن لیا ہوا ُسے دوبارہ پہننا بھی وہ معیوب سمجھتی ہیں، ایسی فضول خرچی کی عادت بسا اوقات خون کے آنسو رُلاتی ہے، یاد رہے کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے، خوش حالی کو بدحالی میں تبدیل ہوتے ہوئے دیر نہیں لگتی، لہٰذا آسودگی کے دور میں ہر مہینے کا خرچ ایک حساب سے رکھا جائے، جس میں سے ہر مہینے کچھ نہ کچھ بچایا جائے، تاکہ یہ جمع شدہ (Saving) ایسی ضرورت کے وقت کام آسکے جس کا تصوّر ہی نہ کیا ہو۔

اُمہات المؤمنین ازواجِ مطہرات کی زندگی میں غور کریں تو ہمیں اس بارے میں بہترین سبق ملے گا کہ جب خیبر وغیرہ کی فتوحات کے بعد صرف ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات کی جانب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اُن کے اَناج وغلّے (Ration) راشن میں اِضافہ کر دیا جائے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ ازواجِ مطہرات کے لیے کچھ مہینوں کے راشن کا نظم ایک ساتھ فرماتے، ذرا غور کریں کہ ازواجِ مطہرات کی جانب سے یہ مطالبہ ایسے وقت میں کیا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ حد تک فراوانی ہو چکی تھی، ابتدائی دور جیسی تنگ دستی نہیں تھی، پھر مطالبہ بھی کس چیز کا کیا گیا؟ کسی غیر ضروری یا زائد چیز کا نہیں، صرف اَناج وغلّے میں اضافے کا مطالبہ تھا، جس غلّے کا اکثر حصّہ ازواجِ مطہرات کی جانب سے

(۱) تفسیر أنوار البیان : ۲۰۴/۷.

اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم اور دیگر محتاج لوگوں پر صدقہ کیا جاتا تھا، بہر حال اُمہات المؤمنین کی جانب سے کیا گیا یہ مطالبہ جائز اور مباح تھا، پھر بھی چوں کہ اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا وہ مقام حاصل تھا جس مقام پر فائز ہونے کے بعد یہ دُنیوی مطالبہ اُنھیں زیب نہیں دیتا تھا، مثل مشہور ہے: ''مقرّباں را بیش بود حیرانی''، یعنی جو جس قدر قریب ہوتا ہے اُسے قربانی بھی زیادہ دینی پڑتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کے اِس مطالبے کو پسند نہیں کیا گیا اور تنبیہ میں یہ آیات نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾﴾ (الأحزاب:۲۸-۲۹)

''اے نبیؐ (مکرّم!) اپنی اَزواج سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت و آرائش کی خواہش مند ہو تو آؤ! میں تمھیں مال ومتاع دے دوں اور تمھیں حسنِ سلوک کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طلب گار ہو تو بے شک اللہ نے تم میں نیکوکار بیبیوں کے لیے بہت بڑا اَجر تیار فرما رکھا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے لیے دُنیا کا اِتنا مطالبہ بھی پسند نہیں فرمایا، اس میں ہماری ماؤں اور بہنوں کے لیے قناعت اور خرچ میں اعتدال کا بہترین سبق ہے کہ خرچ اسی قدر کیا جائے جتنی شوہر کی آمدنی (Income) ہو، عافیت وسکون کی زندگی کے لیے یہ اُصول یاد رکھیں کہ ''جتنی چادر ہو اتنے ہی پیر پھیلائیں۔''

بعض خواتین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی حالت پر غور کیے بغیر اپنے بیجا مطالبے پر مصر رہتی ہیں کہ ہمیں تو بس اپنا خرچ چاہیے، کہیں سے بھی لاؤ، میں اپنے خرچ میں کوئی کٹوتی ہرگز نہیں کروں گی، ایسی بات کوئی ہمدرد رفیقۂ حیات (Life Partner) ہرگز

نہیں کرے گی، رفیقۂ حیات (Life Partner) کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کا ہر حالت میں ساتھ دے، فراوانی ہو تب بھی اور تنگ دستی ہو تب بھی۔

زوجین کے لیے مشترکہ سات ہدایات:

اب ہم بات کریں گے اُن سات ہدایات کی جو بیوی اور شوہر کے درمیان مشترک (Common) ہیں، یعنی اُن پر عمل کرنا زوجین میں سے ہر ایک کے لیے ازدواجی زندگی میں خوشحالی کا سبب بنے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۱) زوجین کے لیے پہلی ہدایت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے دینی اعتبار سے معاون اور مددگار رہو، ایک ہی خاندان مثلاً چچا کی اولاد یا خالہ کی اولاد ہوں، تب بھی اُن میں دینی اعتبار سے بسا اوقات فرق نمایاں ہوتا ہے، بعض گھروں کے رہن سہن میں دین غالب ہوتا ہے، جب کہ بعض گھروں میں دین سے دوری نظر آتی ہے، زوجین میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دونوں کا دینی معیار بلند سے بلند تر ہو، اُس کے لیے دونوں میں سے جس کا دینی معیار اونچا ہو دوسرے کو اُس تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے، مثلاً بیوی کے گھرانے میں پردے اور حجاب وغیرہ کا معمول نہیں تھا، اب جب کہ نکاح ہوا اور شوہر کے گھرانے میں وہ دیکھے کہ یہاں ماشاء اللہ خواتین تمام پردے میں رہتی ہیں، تو بیوی کو بھی یہ نیک جذبہ اور شوق پیدا ہونا چاہیے کہ میں بھی اِن دین دار خواتین کی طرح پردے کی پابند بنوں گی اور برقع پہنوں گی، یہ نہ کہے کہ برقع میں مجھے تو گھٹن محسوس ہوگی، یہ میری عادت نہیں ہے، وغیرہ، یہ صرف شیطانی وساوس ہوتے ہیں، جب نیک جذبے کے ساتھ دین پر عمل پیرا ہوں گی تو ان شاء اللہ یہ عادت بن جائے گی۔

اسی طرح اگر بیوی کا گھرانہ زیادہ دین دار ہے، اور دینی اعتبار سے بیوی کا معیار

بلند ہے، تو شوہر کو چاہیے کہ وہ اس بات کی کوشش کرے کہ وہ بھی دینی اعتبار سے بیوی کے معیار تک پہنچے، مثلاً بیوی اپنے خاوند کو دیکھے کہ وہ ڈاڑھی منڈواتا ہے، تو اُسے محبت سے سمجھائے کہ وہ اپنا چہرہ سنّت کے مطابق کر لے، اُسی میں خیر و بھلائی ہے۔ اور شوہر کو بھی چاہیے کہ دینی اعتبار سے ہر بھلی اور اچھّی بات کو جو اس کی بیوی کی جانب سے کہی جائے بخوشی مان لے اور اُس پر عمل پیرا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ میاں بیوی اس بات کی پوری کوشش کریں کہ دونوں کا دینی معیار ایک سطح (Level) پر آجائے، لیکن دینی سطح ایک کرنے کے لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو پہلے سے بلند سطح پر قائم ہے وہ پست ہو کر نیچے آجائے! مثلاً شوہر نکاح سے پہلے کُرتا، پائجامہ اور ٹوپی پہنتا تھا، علما و صلحا کا لباس پہنتا تھا، ڈاڑھی بھی رکھتا تھا، نمازوں کا پابند تھا، پھر جب نکاح ہوا اور بیگم صاحبہ کو دیکھا کہ وہ پردے کی پابند نہیں ہیں، نمازوں کی بھی پابند نہیں ہیں، تو سطح ایک کرنے کے لیے خود ہی جنس پینٹ پہننا اور ڈاڑھی منڈوانا (Shaving) شروع کر دیا۔

ایسے موقع پر اگر دونوں میں سے کسی ایک کا مطالبہ ایسا ہو جو خلافِ شرع ہو تو دوسرا ہرگز اُسے قبول نہ کرے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

شاہِ ہند جہاں گیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبرت آموز واقعہ:

شاہِ ہند جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ملکہ نور جہاں نے ان سے خلافِ شرع کسی کام کا مطالبہ کیا، چوں کہ آپس میں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اس لیے شروع میں انھوں نے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن جب ملکہ نے اصرار کیا تو جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ نے صاف سنا دیا کہ: ''جاناں! بتو دل دادم، نہ کہ ایمان''، یعنی جانم! میں نے تمھیں دل دیا ہے، ایمان نہیں دیا۔

یہ ہے محبت کی حد، شریعت کے آگے ساری محبتیں ختم ہو جاتی ہیں، کہتے ہیں کہ اس بات کی خبر جب حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''جہانگیر کو کہہ دو کہ جنّت میں گیا تو تمھارے بغیر نہ جاؤں گا۔'' اس کے بعد جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ حضرت کے اس جملے پر فخر کیا کرتے تھے، فرماتے کہ'' آخرت کے لیے اپنے پاس تو کوئی توشہ اور زادِ راہ حضرت کے اس وعدے کے علاوہ ہے ہی نہیں، اور مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ حضرت کا وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے۔'' (خزائن الحدیث، صفحہ: ۲۲۵)

المختصر! میاں بیوی کا آپس میں دینی اعتبار سے ایک دوسرے کا معاون ہونا اِزدواجی زندگی میں خوشیوں کے اضافے کا باعث ہے۔

(۲) زوجین کے لیے دوسری ہدایت یہ ہے کہ جب بھی دونوں میں سے کوئی ایک روٹھ جائے تو دوسرا فوراً اُس کو کسی بھی طرح منانے کی کوشش ضرور کرے، منانے میں جلدی کرے، روٹھنے کا وقفہ زیادہ لمبا نہ ہونے پائے، ورنہ نفرتوں میں اضافہ ہوگا، بہت سی دفعہ ایسے معاملات سننے میں آتے ہیں کہ میاں بیوی کئی کئی مہینوں اور سالوں تک ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے، ایسے مواقع میں یہ سوچیں کہ ویسے ہی تین دِن سے زیادہ کسی مؤمن سے ترکِ کلام کی اجازت نہیں[1] تو میاں بیوی کے درمیان اس بات کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ نیز جیسے جیسے آپسی ناراضی کا وقفہ بڑھے گا دوریاں اور نفرت بھی اسی قدر بڑھیں گی، لہٰذا جب بھی آپس میں کوئی پروبلیم (Problem) ہو جائے تو اُسے دور کرنے کی فوری کوشش کی جائے۔

پھر زوجین میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ نا چاقی خود ہی دونوں آپس میں دور کر لیں، کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل نہ ہو، جب دونوں خلوصِ نیت کے ساتھ ایک دوسرے کی ہمدردی کے جذبے کے ساتھ دوسرے کو راضی کرنے کی نیت سے سر جوڑ کر

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأدب / باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر. الرقم : ٦٠٦٥.

بیٹھیں گے تو ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، حتی الامکان ثالثی کی ضرورت نہ ہو اس بات کا خوب خیال رکھیں، عامۃً ثالثی کا کردار ادا کرنے والا زوجین کی دوریاں بڑھا ہی دیتا ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ شیطان کو سب سے زیادہ خوشی زوجین کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے میں ہوتی ہے۔

"عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَه عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ: "فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا" فَيَقُولُ: "مَا صَنَعْتَ شَيْئًا"، قَالَ: "ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ: "مَا تَرَكْتُه حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَه وَبَيْنَ امْرَأَتِه"، قَالَ: "فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ: "نِعْمَ أَنْتَ."(۱)

پھر جب کوشش کے باوجود اگر زوجین آپس میں بیٹھ کر اپنا مسئلہ حل نہ کر پائیں اور کسی تیسرے کو درمیان میں صلح کرانے کے لیے لانا ہی پڑے تو اُس ثالث کا دونوں کے تئیں ہمدرد ہونا بھی نہایت ضروری ہے، ثالثی کا کردار نبھانے کے لیے دونوں جانب سے ایک ایک نمائندہ ہو تو یہ اور بھی بہتر ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں اُس کو بیان کیا گیا:

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ﴾ (النساء : ۳۵)

"اور اگر تمھیں اُن دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو تو تم ایک مُنصِف مرد کے خاندان سے اور ایک مُنصِف عورت کے خاندان سے مقرّر کرلو، اگر وہ دونوں (مُنصِف) صلح کرانے کا اِرادہ رکھیں تو اللہ اُن دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔"

(۳) زوجین کے لیے تیسری ہدایت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی پسند ناپسند،

(۱) صحيح مسلم / كتاب صفة القيامة والجنة والنار / باب تحريش الشيطان. الرقم : ۲۸۱۳.

مزاج اور ذوق کا خوب خیال رکھیں، نظریں چار ہوں (دو شوہر کی اور دو بیوی کی) لیکن منظر ایک ہو، ایک دوسرے کے اشارے (Body Language) کو سمجھنا، Eye Contact کو سمجھ لینا کہ شوہر کی کیا چاہت ہے؟ بیوی کا کیا منشا ہے؟ ان چیزوں کی خوب رعایت کی جائے۔ اور ایک دوسرے کے بارے میں منفی سوچ (Negativity) سے بچیں، ایک دوسرے کے بارے میں بلا وجہ شکوک وشبہات قائم نہ کرلیں کہ موبائل فون بھی چیک کرنے لگیں کہ کہیں کسی کے ساتھ کوئی تعلق تو قائم نہیں کرلیا؟ اس طرح کے شکوک وشبہات جو بے بنیاد ہوں اور خواہ مخواہ ذہن میں بٹھا لیے جائیں تو آپس میں دوریاں اور نفرتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، آپسی اعتماد باقی نہیں رہتا، ہر ایک یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ کیا میرے شریک حیات کو مجھ پر اِتنا بھی اعتماد نہیں ہے؟ جو میرا موبائل فون چیک کرنا پڑ رہا ہے؟

(۴) زوجین کے لیے چوتھی ہدایت یہ ہے کہ تمام تعلقات کے مقابلے میں آپس کے تعلق زوجیت کو ترجیح دیں، زوجین میں سے ہر ایک کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی پہلی ترجیح (Priority) ہوں، شوہر اپنی بیوی کو تمام رِشتوں میں سب سے مقدّم رکھے اور بیوی بھی اپنے تمام رِشتوں میں اپنے خاوند کو سب سے مقدّم رکھے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے صرف روم میٹ (Room Mate) نہیں ہیں، بلکہ شریک حیات Life Partners بھی ہیں۔

اس کی اہمیت کو اِس حقیقت سے سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں سب سے پہلا انسانی رِشتہ زوجیت کا بنایا، والدین اور اولاد کا نہیں، چچا، ماموں اور خالہ وغیرہ کا بھی نہیں، بلکہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کی زوجہ حضرت حوّا کو پیدا فرمایا، پھر ان دونوں سے اولادِ آدم کو پیدا فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشتۂ زوجیت تمام رِشتوں میں

سب سے مقدّم ہے۔

(۵) زوجین کے لیے پانچویں ہدایت یہ ہے کہ جب نئی نئی شادی ہوئی ہوتو دونوں ایک دوسرے سے موافقت (Adjustment) کی پوری کوشش کریں، اور اُس کے لیے ایک دوسرے کو درکار وقت بھی دیں، اس موقع پر یہ بات یاد رکھیں کہ ایک دَم سے خود میں تبدیلی پیدا کر لینا کسی کے لیے آسان نہیں ہوتا، عادت، مزاج اور ذوق تبدیل ہونے میں عرصہ لگتا ہے، لہٰذا شوہر اگر بیوی سے زیادہ دین دار ہے تو کوشش کرے کہ بیوی آہستہ آہستہ اُس کے لیول تک پہنچے، یہاں شوہر یہ اُمید نہ رکھے کہ بیوی پہلے ہی دِن سے رابعہ بصریہ بن جائے، اسی طرح بیوی اگر نکاح سے پہلے خوش حال گھرانے میں تھی، شوہر کے گھرانے کا معیارِ زندگی اِتنا بلند نہیں ہے تو یہاں بیوی کو سمجھنا ہے کہ فوری طور پر تمام سہولیات دست یاب نہیں ہوں گی، لہٰذا بیگم صاحبہ طعنہ زنی شروع نہ کردیں کہ اس گھر میں تو فلاں چیز نہیں ہے، فلاں سہولت نہیں ہے، آہستہ آہستہ سب کچھ ہوگا۔

(۶) زوجین کے لیے چھٹی ہدایت (Instruction) یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی خوبیاں بڑھانے والے اور کمیاں چھپانے والے بنیں۔ قرآنِ پاک میں جہاں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا اُس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لباس انسان کے لیے سترِ عورت کا سبب ہے، یعنی لباس انسان کے ستر کو چھپاتا اور زینت وحسن کو بڑھاتا ہے، اس لیے قرآنِ کریم نے میاں بیوی کے تعلق کو لباس سے تشبیہ دے کر اس طرف اشارہ کیا کہ تم بھی ایک دوسرے کے حق میں لباس کے مانند ہو، اب تم بھی لباس کی طرح ایک دوسرے کے راز کو چھپاؤ اور راحت وزینت کا سبب بنو! ایک دوسرے کے عیب وخامی کو چھپاؤ اور ایک دوسرے کے لیے حسن اور خوبی کو بڑھاؤ! اس کے بغیر ازدواجی زندگی میں خوش

گواری ممکن نہیں۔

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی ایک دوسرے کے بالکل قریب ہوتے ہیں، جس کی بنا پر ایک دوسرے کی جسمانی، روحانی، اخلاقی وعملی کمزوریوں پر مطلع ہونے کا موقع ملتا ہے۔

اس صورت میں دونوں کا کمال یہ ہے کہ ایک دوسرے کی خوبیوں کو پھیلائیں اور خامیوں کو چھپائیں، دل میں اتنی وسعت پیدا کریں کہ اس میں ایک دوسرے کے راز سما جائیں، ایک دوسرے کی دل جوئی کریں، عیب جوئی نہ کریں، اور اگر کسی میں کوئی عیب معلوم ہو تو جیسے کپڑے کی گندگی دھوکر دور کی جاتی ہے، پھاڑ کر نہیں، ایسے ہی ایک دوسرے کی کمی و کوتاہی حکمت، مصلحت، آپسی مفاہمت اور مذاکرے کے ذریعے دور کی جائے، نفرت اور دوری کے ذریعے نہیں، خواہ اس کمی وکوتاہی کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، مرد سے ہو یا عورت سے، اسے بہتر سے بہتر انداز میں دور کرنے کی کوشش کریں۔

(۷) زوجین کے لیے ساتویں ہدایت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت اور جائز جذبات کا خیال رکھیں اور اُن جذبات کے تقاضے کو پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کریں۔ دونوں خواہ کسی بھی اہم شعبے میں کام کر رہے ہوں، اور کتنے ہی مشغول (Busy) ہوں، لیکن ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت ادا کرنے میں کوئی بھی کام، ملازمت یا پیشہ مخل نہ بنے اس کا خاص خیال رکھیں، بہت سے رِشتوں کو ہم نے صرف اس وجہ سے بھی ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہے کہ یا تو شوہر کی جانب سے حق زوجیت ادا کرنے پر قدرت کے باوجود کوتاہی کی جارہی ہے یا بیوی کی جانب سے گھریلو کام وغیرہ کی مشغولیت کو بہانہ بنا لیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر اُن سے سبق

سیکھنا چاہیے، اس سلسلے میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے ایک نہایت عبرت ناک واقعہ نقل فرمایا کہ امیر المؤمنین سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک خاتون عدالت فاروقی میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگی کہ ''امیر المومنین! میرے شوہر بڑے نیک ہیں، دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات کا مقصد اچھی طرح سمجھ نہ پائے، اس لیے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دیں اور تمھاری مغفرت فرمائیں، کہ نیک عورت ہمیشہ اپنے شوہر (میں نیکی دیکھتی اور اس) کی تعریف ہی کیا کرتی ہے۔'' عورت سن کر کچھ نہ بولی اور واپس جانے لگی، تب مجلس میں موجود حضرت کعب بن سور رحمۃ اللہ علیہ (جن کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے) نے اجازت لے کر عرض کیا: ''امیر المومنین! درحقیقت آپ اس عورت کی بات کو سمجھ نہیں پائے، وہ اپنے شوہر کی تعریف نہیں، شکایت کرنے آئی تھی کہ ''جوشِ عبادت میں وہ حقِ زوجیت ادا نہیں کرتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اچھا! رونگ نمبر لگ گیا) پھر بلاؤ اُسے، اور دوبارہ اس عورت سے دریافت کیا گیا تو واقعی حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال صحیح تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب بات تم ہی اچھی طرح سمجھے تو اب فیصلہ بھی تم ہی کرو۔'' اس پر حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب فیصلہ سنایا کہ ''دیکھیے! حق تعالیٰ نے مرد کو زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، اب اگر کوئی شخص اس اجازت پر عمل کرتے ہوئے چار عورتوں سے نکاح کرے تو سیدھا حساب ہے کہ ہر عورت کے حصے میں تین دن اور تین رات کے بعد چوتھا دن اور رات آئے گی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر چوتھا دن اور رات ایک بیوی کا حق ہے، لہٰذا حکم دیجیے کہ اس عورت کا شوہر تین دن تین رات عبادت کرسکتا ہے، مگر چوتھا دن لازمی طور پر

اُسے اپنی بیوی کے ساتھ گزارنا ہوگا، کہ اس کا بھی حق ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس فیصلہ سے بہت متاثر ہوئے اور حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کو اسی وجہ سے بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ (الاستیعاب/ص: ۲۸۶/۳)

الغرض! نکاح کے بعد ازدواجی زندگی میں کئی قسم کے حالات اور نشیب وفراز آتے ہیں، جن میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، تقابل کی نہیں، ایک دوسرے کی دل جوئی کی ضرورت ہوتی ہے، دل شکنی کی نہیں، اور ازدواجی زندگی میں خوش گواری کا راز آپسی تعاون، خیرخواہی اور ہمدردی میں چھپا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے والے اور ایک دوسرے سے محبت ونصرت (تعاون) کا معاملہ کرنے والے زوجین عموماً زندگی کے دیگر شعبوں میں لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح سے پیش آتے ہیں، اس کے برعکس جو لوگ ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے سے مل جل کر نہیں رہتے، ایک دوسرے سے ہمدردی ودلجوئی کا معاملہ نہیں کرتے، ایسے لوگ ازدواجی زندگی تباہ کرنے کے علاوہ بقیہ زندگی میں بھی حقیقی اور سچّی خوشی نہیں پا سکتے، اور عام ملنے جلنے والوں سے بھی تعلقات خوش گوار نہیں رکھ سکتے، یہ نتائج کوئی ظنی اور خیالی نہیں، بلکہ اُن کی بنیاد ازدواجی زندگی کے تجربات اور سینکڑوں کامیاب وناکام شادیوں کے مشاہدات پر ہیں، اس لیے اگر ازدواجی زندگی کو ایک مشترکہ تعاون کا ادارہ سمجھا جائے تو اس کے نتائج دین، دنیا وعقبیٰ ہر اعتبار سے بڑے حوصلہ افزا اور خوش گوار ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

زوجین کے مابین آپسی محبّت کے لیے کچھ دُعائیں:

اِن ہدایات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ وظائف بھی ہیں جن کا اہتمام نفرتوں کو ختم کرے گا اور آپس میں محبّت پیدا ہوگی۔

(۱) رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴿۷۴﴾ (الفرقان : ٧٤)

''اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے۔''

سورۂ فرقان کی اس آیت کریمہ کا وِرد بہ کثرت کریں، اس کے لیے کوئی خاص عدد اور وقت شرط نہیں ہے، یہ بات بھی مدّنظر رہے کہ دُعا صرف پڑھ لینے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا نام دُعا ہے، دُعا کا مفہوم سمجھتے ہوئے آپسی محبّت پیدا ہو اور نفرت ختم ہو اس نیت سے جب بھی وقت ملے بہ کثرت اس کا وِرد کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ دیگر دُعاؤں کا بھی خوب اہتمام کرنا ہے، یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ فرائض کا درجہ وظائف سے پہلے ہے، لہٰذا نمازوں کے اہتمام کے ساتھ اکابر کے بتائے ہوئے ان وظائف کو پڑھتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں، جن گھروں میں جھگڑے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ نفرتوں کو ختم فرما کر آپسی محبت واُلفت پیدا فرمائیں، ہمارے ازدواجی تعلقات کو خوشگوار بنا کر ہمارے گھروں کو اللہ تعالیٰ جنّت کا نمونہ بنادیں، جو محبتیں حضرت آدم وحوّا میں تھیں وہ اللہ تعالیٰ ہم تمام کی اِزدواجی زندگی میں پیدا فرمادیں، جو محبتیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان تھیں، حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما میں تھیں وہ ہمارے گھروں میں بھی پیدا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

اِمامت

آداب وہدایات

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ (البقرة : ١٢٤)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَٮِٕمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ﴿۲۴﴾﴾ (السجدة : ٢٤)

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ".(١)

تمہید:

اللہ ربّ العزت نے ائمۂ مساجد کو جس عظیم الشان مرتبے ومقام سے نوازا ہے اس کا اندازہ ایک تو لفظِ امام (جس کی جمع ائمہ ہے اس) کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ پر غور کرنے سے بھی ہوجاتا ہے، اس لیے کہ "أَمَامَ" کے لغوی معنیٰ آگے اور سامنے کے ہیں، چوں کہ امام نماز کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں میں مرتبے ومقام کے اعتبار سے سب سے آگے ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے اِمام کہتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی حکومت کے سربراہِ اعلیٰ کو بھی اس کے بلند مرتبے ومقام کی وجہ سے امام کہتے ہیں، جیسے امام المسلمین، نیز عرفِ عام و اصطلاح میں کسی خاص علم وفن کے مقتدیٰ وممتاز شخصیت کو بھی اس کے اعلیٰ مقام کی وجہ سے

(١) صحيح البخاري / كتاب فضائل القرآن / باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، الرقم:٥٠٢٧.

امام کہتے ہیں، مثلاً فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمۂ مجتہدین، اور حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدّثین وغیرہ، البتہ فقہا کی اصطلاح میں لفظِ امام اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی نقل وحرکت کی اقتدا و پیروی نماز میں کی جاتی ہے۔

اس وقت ہم ائمہ حضرات جو مساجد میں نماز کی اِمامت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان کی خدمت میں کچھ ہدایات پیش کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ہم اس ہدایت و دُعا سے ابتدا کریں گے جو امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمّت کے ائمہ کے لیے فرمائی ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "المُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، وَالإِمَامُ ضَامِنٌ، اَللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الأَئِمَّةَ، وَ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ."[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام (مقتدیوں کی نماز کا) ضامن اور ذمّے دار ہے، اور موَذّن امانت دار ہے (کہ لوگ نماز، روزہ اور افطار کے اوقات میں اس پر اعتماد کرتے ہیں، لہٰذا اسے چاہیے کہ امانت داری سے اپنی ذمّے داری کو ادا کرے) اے اللہ! ائمہ کو رُشد وہدایت عطا فرما اور موَذّنین کی مغفرت فرما۔"

ائمۂ مساجد کے لیے ہدایت کی دُعا کا راز:

نماز چوں کہ ایمان کے بعد تمام اعمال میں سب سے اہم وافضل عمل اور اسلام کا رکنِ اعظم ہے، تو حدیث مذکور کے مطابق امام جو مقتدیوں کی نماز کا ضامن اور ذمّے دار ہے وہ بھی مرتبے و مقام کے اعتبار سے حضرات انبیا و رُسل علیہم السلام کے بعد سب سے اہم و افضل ہوتا ہے، حکم بھی یہی ہے کہ لوگوں میں جو سب سے بہتر اور افضل ہو اسی کو اِمام بناؤ، یہی وجہ ہے کہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک دنیا میں رہے خود ہی امامت فرماتے رہے، اور جب

(۱) مسند أحمد / مسند أبي هريرة رضي الله عنه، الرقم : ۸۹۰۹.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الوفات میں تھے اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے مسجد میں نماز کے لیے آنا دشوار ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا، جو بلا شبہ پوری اُمّت میں سب سے افضل تھے۔ (۱)

میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم میں جو مرتبہ ومقام دل کا ہے، اسلامی معاشرے میں وہی مرتبہ ومقام امام کا ہے، جیسے دل درست تو جسم درست، اور دل بگڑ گیا تو نظامِ جسم بھی بگڑ جاتا ہے، (۲) ایسے ہی امام کی نماز (اور اعمال واخلاق) درست ہوں گے تو لوگوں کی نماز (اور اعمال واخلاق) درست ہوں گے، اور اگر امام کی نماز (اور اعمال واخلاق) میں بگاڑ اور فساد آگیا تو اس کا اثر لوگوں کی نماز (اور اعمال واخلاق) پر بھی پڑے گا، اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے حدیث مذکور میں "الإِمَامُ ضَامِنٌ" فرمایا، یعنی امام اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ذمّے دار ہے، مطلب یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز کا درست یا فاسد ہونا امام کی نماز پر موقوف ہے۔

اسی مضمون کو ایک دوسری روایت میں یوں بیان کیا گیا:

"وَ إِنْ أَحْسَنَ كَانَ لَه مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَه، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتقصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَ مَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ." (۳)

''اگر امام نے نماز اچھی طرح پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے تمام ہی مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا تو اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔''

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأذان / باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، الرقم: ٦٧٨.
(۲) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب فضل من استبرأ لدينه، الرقم: ٥٢.
(۳) رواه الطبراني في الأوسط/ باب الميم من اسمه محمد: ٧ / ٣٧٠. ناشر: دارالحرمين.

جب امام کی نماز کا اثر مقتدیوں پر ہوتا ہے اور نماز کا اعمال واخلاق پر مؤثر ہونا اہل ایمان کے یہاں مسلّم ہے تو امام کے اعمال واخلاق کا اثر بھی مقتدیوں پر ہونا ظاہر ہے، شاید اسی لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث مذکور میں ائمۂ مساجد کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی، اس کا ایک راز یہ ہے کہ ہدایت کی فکر ائمۂ مساجد کا اصل منصبی فریضہ اور بنیادی کام ہے، چنانچہ ارشادِ باری میں اس کی طرف اِشارہ ملتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ (السجدة : ٢٤)

(بنی اسرائیل میں) جن لوگوں کو (حضراتِ انبیا ورُسل علیہم السلام کے علاوہ) ہم نے منصب امامت سے نوازا وہ لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کی فکر کرتے ہیں۔

غور کیجیے! یہاں "یَهْدُوْنَ" فرمایا، "یَدْعُوْنَ" نہیں فرمایا، کیوں کہ ہدایت اصل ہے، اور دعوت اس کا ذریعہ ہے، ذرائع مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن مقصد ایک ہی ہوتا ہے، اور وہ ہے ہدایت، اس لیے اصل کام اور مقصد کو بیان فرمادیا۔ لہٰذا ائمہ کا ہدایت یافتہ ہونا زیادہ ضروری ہے کہ وہ جب خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بن سکیں گے۔

علما وائمہ کا مقام ومرتبہ:

امام صاحب کا کیا مقام ومرتبہ ہے، ایک عالم دین کا کیا مقام ومرتبہ ہوتا ہے، کیا (Position) ہے، کیا حیثیت عرفی ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ امام صاحب کا منصب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت اور ان کی جانشینی کا منصب ہے، یہ مقام اور مرتبہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید کے ساتھ وابستگی کے صدقے میں اُنھیں عنایت فرمایا ہے، اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کے ساتھ جن لوگوں کو وابستہ کیا ہے ان کا مقام دیگر اہل دنیا سے بہت اونچا اور بلند وبالا ہے، اگر ہم سوال کریں کہ ساری

دُنیا میں سب سے اونچا مقام، سب سے اونچی (Post)، سب سے اونچا عہدہ کونسا ہے؟ تو مختلف جواب مل سکتے ہیں، کوئی کہے گا ڈاکٹر (Doctor) کوئی کہے گا انجینئر (Enginear) کوئی کہے گا (Minister) کوئی کہے گا (Prime minster) وغیرہ، لیکن صادق المصدوق جناب محمد ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید پڑھتے اور پڑھاتے ہیں،[1] جو لوگ قرآن مجید کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ مساجد کے ائمہ حضرات مکاتب ومدارس میں درس وتدریس سے بھی وابستہ ہوتے ہیں، قرآن مجید کے ساتھ ان کا رِشتہ ہے، تو وہ حاملین کتاب اللہ ہیں، اُن کا مقام بہت اونچا اور بلند وبالا ہے۔

قرآن مجید دُنیا کی سب سے بڑی دولت:

علمائے کرام کو کبھی بھی اس سلسلے میں احساسِ کم تری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے، دنیوی اسباب نہ ہونے کی وجہ سے، مالی فراوانی کے فقدان یا کمی کی وجہ سے کبھی بھی احساسِ کم تری میں مبتلا نہ ہوں کہ فلاں تو اتنی مہنگی گاڑیوں میں گھوم رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ڈھیر سارا مال دیا ہے، ہماری نگاہ ایسے لوگوں پر کبھی نہ اُٹھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں:

﴿فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (غافر : ٤)

''سواُن کا شہروں میں (آزادی سے) گھومنا پھرنا تمھیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔''

ہماری نگاہیں ان سے قطعاً دھوکہ نہ کھائیں، ربّ العالمین نے قرآن مجید کی شکل میں ہمیں جو دولت دی ہے اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہوسکتی، اس پر ہمارا ایمان ویقین ہے۔ مالی اعتبار سے کمزوری یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے، ہماری نیت تو صرف یہی ہونی چاہیے:

---

(١) صحيح البخاري، الرقم : ٥٠٢٧.

﴿اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (الشعراء : ۹)

''میرا اجر تو صرف ربّ العالمین کے پاس ہے۔''

حاصل یہ کہ دنیوی مال ومتاع کے بارے میں ہم کبھی بھی احساسِ کم تری کے شکار نہ ہوں، ہمیں اعتدال (Balance) قائم رکھنے کی ضرورت ہے کہ نہ ہم احساسِ کم تری میں مبتلا ہوں اور نہ خود پسندی وخود زعمی میں پھنس جائیں کہ میرے پاس تو اتنا علم ہے اور میں تو اِمام ہوں، اس پر ناز اور تکبّر بھی نہ ہو اور احساسِ کم تری بھی نہ ہو۔

دین کی کوئی بھی خدمت معمولی نہیں:

ایک غلط فہمی ہم میں بہت عام ہے کہ مکتب میں بچّوں کو پڑھانے والے علمائے کرام اپنی خدمت کو معمولی خیال کرتے ہیں، جب وہ فراغت کے بعد کسی مکتب میں پڑھاتے ہوں اور اپنے اساتذہ سے ملاقات ہو اور وہ پوچھ لیں، یا کسی دارالعلوم کے کسی بڑے استاذ یا شیخ الحدیث ان سے پوچھتے ہیں کہ جناب! آپ کیا خدمات انجام دے رہے ہو؟ کیا مشغلہ ہے؟ تو مکتب میں نورانی قاعدہ، حفظ قرآن مجید یا ناظرہ پڑھانے والے علمائے کرام اندرون سے احساسِ کم تری کے باعث اپنے دینی مشاغل وخدمات کو زبان پر لانے میں بھی شرم محسوس کرتے ہیں کہ اتنے بڑے شیخ الحدیث یا اتنے بڑے استاذ کے سامنے میں کیسے کہوں کہ میں ناظرہ پڑھاتا ہوں، میں نورانی قاعدہ پڑھاتا ہوں، یا میں درجۂ حفظ پڑھاتا ہوں، بلکہ اس کے متعلّق ایک تعبیر بھی مشہور ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''میں جلالین شریف کا متن پڑھاتا ہوں'' یہ تعبیر کہنے سننے میں تو اچھّی معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس میں قرآنِ پاک کی توہین (Insulte) ہے کہ یہ کہنے والے کے نزدیک قرآنِ پاک کا مقام

جلالین شریف سے کم ہے، جس کی وجہ سے قرآنِ پاک کو جلالین کے متن سے تعبیر کیا جارہا ہے، حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنا چاہیے کہ الحمدللہ بندہ خادمِ قرآن ہے، یہ ہمارے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں خدمت دین کے لیے چن لیا ہے۔

اسی طرح اگر علمائے کرام کہیں کسی مسجد میں اِمامت کرتے ہوں تو اسے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اعزاز سمجھیں، منصب امامت اس قدر اونچام عہدہ ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت ہے۔

اس موقع پر ہمیں (Practically) سوچنے کی ضرورت ہے کہ اتنے سارے علمائے کرام ہیں، سب تو شیخ الحدیث نہیں بن جائیں گے، سب کو تو حدیث وفقہ کی کتاب نہیں مل جائے گی، بلکہ یہاں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہمیں ان چھوٹے بچّوں کو اس قابل بنانے کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ وہ بڑے ہو کر بخاری شریف پڑھ سکیں، لہٰذا بچّوں کو پڑھانا کوئی معمولی خدمت دین نہیں ہے، اُمّت کے نونہالوں کا مستقبل اسی پر مدار رکھتا ہے کہ بنیادی تعلیم جس قدر ٹھوس اور مضبوط ہوگی اسی قدر بعد کے درجات میں حاصل کی جانے والی تعلیم میں مدد ملے گی۔

توسب سے پہلے ہمیں خود اپنے مقام اور مرتبے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

چھوٹے بچّوں کو پڑھانا کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ اس بات سے

لگایئے کہ قرآنِ پاک میں ان علمائے کرام کو ''علمائے ربّانی'' کہا گیا ہے:

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ (آل عمران : ۷۹)

''تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب اللہ سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔''

اس آیت کریمہ میں مذکور علمائے ربّانی کی تفسیر میں فرمایا: "الَّذِيْ يُرَبِّيْ النَّاسَ بِصِغَارِ العِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ".[1] یہ جو چھوٹے بچّوں کی نوک و پلک درست کرتے ہیں، ان کے مخارج درست کرتے ہیں، اپنی صلاحیت اُن پر کھپاتے ہیں، یہ علمائے ربّانی ہیں، ان کی یہ خدمت بہت اونچی ہے جس کا دِل سے اعتراف کرنے کی ضرورت ہے، اپنی دینی خدمت کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہم کبھی یہ نہ سوچیں کہ یہ ہماری نوکری اور ملازمت ہے، بہت سے حضرات سے تعبیر میں چوک ہوجاتی ہے کہ ''میں فلاں مدرسے میں ملازمت کرتا ہوں، یا فلاں مسجد میں امامت کی نوکری کرتا ہوں۔'' اس لیے کہ تدریس اور امامت یہ خدمت دین ہے، نوکری یا ملازمت نہیں، جس کا حقیقی اجر صرف اللہ تعالیٰ دیں گے۔

منصب امامت کی اہمیت:

امامت کی ذمّے داری بھی بہت اہم ذمّے داری ہے، نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرتا ہے، اِمام صاحب مخلوق اور خالق کے درمیان گویا واسطہ ہیں، یہ واسطہ جتنا مضبوط ہوگا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق (Connection) اتنا ہی مضبوط ہوگا، اس کا بھی ہمیں خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۱) رواه البخاري تعليقا / كتاب العلم / باب العلم قبل القول والعمل. تفسير القرطبي : ۱۸٤/۵.

اِمامت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ امامت کبریٰ یعنی خلافت کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت صغریٰ کو بطورِ نظیر پیش کیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں آپ کی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کی امامت صغریٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و حکم سے فرمائی، جس سے ثابت ہوا کہ امامت کبریٰ کے حق دار بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ نماز کی اِمامت کو خلافت کے لیے بطورِ نظیر پیش کیا گیا، تو نماز کی امامت کا مقام بھی کس قدر بلند ہوگا۔

منصب امامت ''ہم خرما و ہم ثواب'' کا مصداق:

منصبِ امامت میں دُہرا فائدہ ہے کہ بہ یک وقت خدمت دین بھی ہے اور فریضے کی ادائیگی بھی ہے، اس کو ایک مثالِ محسوس سے یوں سمجھیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں فرعون کے محل میں لایا گیا تو آپ بہ تکوین خداوندی کسی بھی عورت کا دودھ قبول نہیں فرما رہے تھے، مختلف عورتوں کو آزمایا گیا، بالآخر جب آپ کی والدہ دودھ پلانے کے لیے تشریف لائیں تو آپ نے دودھ پینا شروع فرمایا، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا انتخاب فرعون کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہ طورِ اُجرت دودھ پلانے کے لیے ہوا، اب آپ اپنے ہی بیٹے کو دودھ بھی پلا رہی ہیں، جس پر آپ کو روزانہ ایک دینار اُجرت بھی دی جا رہی ہے۔[۱] اسی طرح فرض نماز جو اِمام صاحب پڑھاتے ہیں تو چوں کہ ان پر بھی نماز فرض ہے، لہٰذا وہ نماز پڑھا کر اپنے فرض کو بھی ادا کر رہے ہیں اور ساتھ میں امامت کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔ تو گویا دہرا فائدہ ہوا کہ خدمت کے ساتھ ثواب بھی مل رہا ہے، جسے اُردو میں کہا جاتا ہے کہ ''آم کے آم، گٹھلیوں کے دام''۔

---

(۱) أنوار البیان : ٤ / ٢٢٦.

لیکن اس بات کو خوب دھیان میں رکھ کر مقتدی حضرات کہیں امام صاحب سے یہ کہنا شروع نہ فرمادیں کہ امام صاحب! جب نماز فرض ہونے کی وجہ سے آپ کو پڑھنی ہی ہے تو اب صرف مصلے پر پڑھنے کی تمھیں تنخواہ کیوں دی جائے؟ اس لیے کہ یہ ایک ذمّے داری کا کام ہے، دِن میں پانچ دفعہ مقرّرہ وقت پر حاضر رہ کر نماز پڑھانا حقیقت میں بہت محنت طلب اور قوتِ برداشت کا کام ہے، اپنے کئی نجی اور اہم کاموں کو آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے، تب اِمامت کا حق ادا ہوتا ہے، اور جسے آزمانا ہو وہ رضا کارانہ طور پر اپنے امام صاحب کی تنخواہ جاری رکھتے ہوئے صرف ایک مہینے کی نیابت کر کے دیکھ لیں! اِمام صاحب کو بھی کچھ دِنوں کی راحت حاصل ہوگی اور ان کے کمال کا اعتراف ویقین بھی ہوجائے گا!

منصب اِمامت جب اتنا عظیم الشان اور اہم ہے تو ظاہر ہے کہ اس منصب عظیم کے ساتھ ملحق ذمّے داریاں بھی اسی قدر اہم ہوں گی، جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ اُن اہم ذمّے داریوں کے بارے میں ہم بات کریں گے۔

اِمام کا انتخاب:

پہلی ذمّے داری انتخابِ امام کی ہے، جو عموماً مسجد کے ذمّے دار وٹرسٹی صاحبان کے سپرد ہوتی ہے، ائمۂ مساجد کی اہمیت کے پیشِ نظر حدیث پاک میں حکم ہے کہ تم میں جو سب سے اچھے اوصاف کا حامل ہو اسے امام بناؤ، حدیث پاک میں وارد ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ، فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ."(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں

(۱) رواه الدارقطني/ باب تخفيف القراءة لحاجة.

سے بہترین اوصاف والوں کو اپنا امام بناؤ، کیوں کہ وہ تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفیر اور نمائندے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے اچھے اوصاف چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے، اس لیے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے تب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اُمّت کے امام بھی رہے، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدمِ موجودگی میں اس منصب عظیم کا حقدار وہ ہے جو بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کی پیروی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت وسنت کا عالم وعامل ہو۔

خطبے میں جو آیت کریمہ پڑھی گئی اس میں اس بات کی طرف نہایت ہی جامعیت کے ساتھ اشارہ فرمایا گیا کہ ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، جب کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ (السجدۃ: ۲۴)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں علمائے بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت وپیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دوسبب مذکور ہیں: اوّل صبر کرنا، دوسرے آیات اللہ پر یقین کرنا۔

علّامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے بعض علما کا قول نقل فرمایا: "بِالصَّبْرِ وَالیَقِیْنِ تُنَالُ الإِمَامَةُ فِيْ الدِّیْن." یعنی صبر ویقین کے ذریعے کسی کو بھی امامت کا درجہ مل سکتا ہے، لیکن صبر کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے، اس کے لفظی معنیٰ باندھنے اور ثابت قدم رہنے کے ہیں، اس جگہ صبر سے مراد احکام الٰہی کی پابندی پر ثابت قدم رہنے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے رُکنا ہے، جس میں تمام احکامِ شریعت کی پابندی داخل ہے، اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے۔

دوسرا سبب اس کا اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھنا ہے، اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا اور سمجھ کر اس پر یقین رکھنا دونوں داخل ہیں، یہ بھی بہت بڑا علمی کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامت اور پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو (حتی الامکان) عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی کامل ہوں۔ (مستفاد از: معارف القرآن: ۷/ ۴۷)

بقولِ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

لہٰذا سب سے پہلی بات یہ ہے کہ منصب اِمامت کے لیے کسی ایسے اِمام کا انتخاب کیا جائے جس میں اس عظیم منصب کو نبھانے اور اس کا حق ادا کرنے کی علمی وعملی صلاحیت ہو، نماز کے ضروری مسائل، فرائض، واجبات، سنن ومستحبات اور آداب وغیرہ سے واقف ہو، قرآنِ پاک صحیح پڑھ سکتا ہو، حروف کی ادائیگی صاف اور صحیح ہو، ظاہر بات ہے کہ ایک اِمام کی صلاحیت ولیاقت پہچاننے اور پرکھنے کے لیے علم دین ضروری ہے، لہٰذا امام کے انتخاب کا کام باصلاحیت علما وقرائے عظام کے حوالے کیا جائے، اِمام کا انتخاب ایسے ٹرسٹیان اور ذمّے دارانِ مسجد ہرگز بذاتِ خود نہ کریں جو خود علم دین سے ناواقف ہوں، ورنہ اِمامت کا منصب عظیم غیر اہل کے حوالے ہوجائے گا، جو تمام مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ امر ہے۔

کسی بھی بڑے منصب کو غیر اہل کے حوالے کرنے کو حدیث پاک میں امانت کے ضیاع اور قیامت کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے، حدیث پاک میں مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرْ السَّاعَةَ،" قَالَ: "كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟" قَالَ: "إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلىٰ غَيْرِ أَهْلِه فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ."(۱)

(۱) صحيح البخاري / كتاب العلم / باب من سئل علما. الرقم: ۵۹.

''جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کیجیے، صحابی نے پوچھا کہ امانت کے ضائع کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب معاملات ایسے لوگوں کے حوالے کیے جائیں جو ان کے اہل نہیں ہیں تو تم قیامت کا انتظار کرو۔''

یہ ہدایت ان ذمّے دارانِ مساجد اور ٹرسٹیان کے لیے ہے جو اِمام کا انتخاب کرتے ہیں، بہتر تو یہ ہے کہ ذمّے داران اور ٹرسٹیان میں علمائے کرام کو بھی شامل کیا جائے تا کہ ایسے مواقع جہاں دینی وشرعی امور کے متعلّق غور وخوض کی ضرورت ہو تو فیصلہ بہتر اور درست ہو سکے، عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِمام کا انتخاب اور انٹرویو (Interview) ایسے لوگ کرتے ہیں جو خود ہی نماز کے ضروری مسائل سے اور قرآن پاک کی صحیح تلاوت سے ناواقف ہوتے ہیں، المیہ تو یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسے لوگ اِمام صاحب کا (Interview) لینے کی ہمت کر لیتے ہیں جو نماز ہی میں کبھی کبھی شریک ہوتے ہیں، جن کا حلیہ تک شرعی نہیں ہوتا، ظاہر سی بات ہے کہ ایسے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے صرف اِمام صاحب کی اچھّی آواز ہی پر غور کر سکیں گے، اگر آواز سُریلی ہے تو فوراً فیصلہ نافذ فرمادیں گے کہ یہ اِمام صاحب اِمامت کے اہل ہیں، دیگر ضروری اُمور کی طرف ان کی توجّہ ہو ہی نہیں سکتی۔

بعض مساجد میں ائمہ کے انتخاب کے لیے تنخواہ کو معیار بنایا جاتا ہے اور ذمّے داران وٹرسٹی حضرات کی کوشش یہ رہتی ہے کہ کس طرح کم سے کم تنخواہ میں پنج وقتہ نماز پڑھانے والا اِمام مل جائے؟ جو اِمامت کے ساتھ مسجد کی صفائی وغیرہ بھی کر لے، جب کم تنخواہ کو معیار بنا کر اِمام منتخب کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اِمامت کے مطلوبہ اوصاف وشرائط کا پایا جانا اس اِمام میں دُشوار ہی ہوگا، ایسے موقع پر وہی اِمام اس امامت کی ذمّے داری قبول کر لے گا جس کا قرآن صحیح نہیں ہے، یا وہ نماز کے ضروری مسائل سے واقف نہیں ہے۔

لہٰذا ذمّے داران وٹرسٹی حضرات سے مؤدّبانہ التماس ہے کہ اچھّی معیاری تنخواہ کے ساتھ اچھّی صلاحیت ولیاقت والے امام کا تقرر کریں، جو قرآن پاک صحیح پڑھتے ہوں اور نماز وغیرہ کے ضروری مسائل سے بھی واقف ہوں، یاد رکھیں کہ اِمام صاحب کی تنخواہ میں ہونے والا خرچ اللہ کی راہ میں ہے، لہٰذا اس میں کمی وکوتاہی سے کام نہ لیں، بہرحال یہ ثواب سے خالی نہیں ہوگا۔

اِمامت کے آداب ومختلف ذمّے داریاں:

اسی طرح اِمام صاحب کو بھی اپنے منصب کا خیال رکھتے ہوئے اس اہم ذمّے داری کو ادا کرنا چاہیے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اِمامت کی ذمّے داری سے بہت گھبراتے تھے کہ یہ بہت اہم ذمّے داری ہے، جب اِمام صاحب اس اہم ذمّے داری کو قبول کرلیں تو اس کے تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے اسے نبھائیں، اس سلسلے میں ایک عام بات تنخواہ کی کمی سے متعلّق ہے، اگر اِمام صاحب کی تنخواہ کم ہو تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب ہم نے اپنے لیے علم دین کی راہ چن لی ہے تو روزِ اوّل سے جب ہم نے مدرسے میں داخلہ لیا اور مدرسے کی تمام شرائط کو منظور کرلیا تب ہی سے گویا ہم نے اپنے رب سے عہد کرلیا کہ علم دین کے حصول اور اس کی اشاعت کے لیے ہم ہر طرح کی قربانیاں دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہیں گے، اور جب اپنے لیے اس قربانی والی راہ کو اختیار کرلیا ہے تو ان شاء اللہ مرتے دم تک اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات اور مصائب کو بخوشی برداشت کرکے پوری استقامت کے ساتھ خدمت دین کو انجام دیں گے، لہٰذا کبھی بھی لوگوں کے سامنے تنخواہ کی کمی اور اپنی معاشی تنگی کا رونا نہ روئیں، البتہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ضرور کرتے رہیں کہ وہ ہمارے لیے اس راہ میں آسانیاں پیدا فرمادیں اور تنگی کو فراوانی سے بدل دیں۔

اسی طرح ایک ادب یہ ہے کہ ذہنی اعتبار سے ہر نماز کے لیے تیار رہیں اور اس بات کو مستحضر رکھیں کہ ہر اِمام اپنی اِمامت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کر رہا ہے، تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل اُسوہ اور نمونہ بننے کا اہتمام کریں، بطورِ خاص ایک عالم ہونے کی حیثیت سے ہماری وضع قطع مکمّل شرعی ہو اور سنّت کے مطابق ہو اس کا اہتمام از حد ضروری ہے، مثلاً ہمارا پائجامہ کبھی ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکے اس کا خوب دھیان رکھیں، اس لیے کہ اسبالِ ازار کے متعلّق احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔[۱] اور فقہائے کرام نے ایسے شخص کو فاسق قرار دیا ہے، نیز ڈاڑھی کی تراش خراش سے مکمّل اجتناب کریں، ایک مشت ڈاڑھی کی سنّت پر ہمیشہ عمل پیرا ہوں۔

علاوہ ازیں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو حرام تو نہیں مگر ان کی کراہت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے، ایسی چیزوں سے بھی علمائے کرام کو اجتناب کرنا چاہیے، مثلاً سگریٹ اور تمبا کو نوشی وغیرہ سے اپنے آپ کو دور رکھیں، کہ ان چیزوں کا عادی عموماً معاشرے میں اچھّا نہیں سمجھا جاتا اور لوگ اس سے گھن محسوس کرتے ہیں، اور جب لوگ اِمام سے متنفّر ہوں گے تو اِمامت کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

اِمام کا رہن سہن اور تعلقات میں اعتدال کا پاس ولحاظ:

اِمام صاحب کو چاہیے کہ وہ عام لوگوں میں اپنا وقار اور مقام بنائے رکھیں، للٰہذا فسق و فجور کے علاوہ ایسی باتیں جو اِمامت کے عظیم منصب کے شایانِ شان نہ ہوں اُن سے بھی اجتناب کریں، لوگوں کے ساتھ تعلقات اعتدال کے ساتھ رکھیں، بالکل منقطع بھی نہ ہو جائیں کہ لوگوں کو اصلاح کی کوئی بات بھی نہ کہہ سکیں، اس لیے کہ لوگوں کو امر بالمعروف اور

(۱) صحیح مسلم / كتاب الإيمان/ باب تحريم إسبال الإزار، الرقم : ١٠٦. مسند أحمد / مسند أبي هريرة، الرقم : ٧٤٦٧.

نہی عن المنکر کے ذریعے راہِ راست پر لانا اِمام کی ذمّے داریوں میں سے ہے، لٰہذا لوگوں سے ربط و تعلق ضرور رکھیں، لیکن اعتدال اپناتے ہوئے محبّت اور ہمدردی کا تعلق رکھیں، کہ جب کبھی کوئی ضروری بات اِمام کہے تو لوگ پوری توجّہ سے سن کر اس پر عمل پیرا ہوں، اِمام صاحب لوگوں کے ساتھ اس طرح کے تعلقات نہ قائم کریں کہ جس میں منصب امامت کا وقار ہی ختم ہوجائے، مثلاً یہ کہ جس گاؤں یا شہر میں امامت کرتے ہیں وہاں کے نوجوانوں کے ساتھ کرکیٹ یا فٹ بال وغیرہ کھیلنے لگیں، یا بازاروں میں چائے وغیرہ کی دُکانوں اور ہوٹلوں پر بغیر کسی ضرورت کے ان کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ اور لایعنی باتیں کر رہے ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ اس میں امام کا کوئی وقار و مقام باقی نہیں رہے گا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ ان ہی نوجوانوں کی اصلاح کے لیے اگر کوئی نصیحت کرنی ہے، یا اُنھیں کوئی اہم شرعی مسئلہ بتانا ہے تو وہ اپنے اِمام کی ان باتوں کو معمولی سمجھ کر کان نہیں دھریں گے، اس لیے کہ لوگوں کے لیے اسی شخص کی بات کا ماننا آسان ہوا کرتا ہے جس کی عقیدت و عظمت اُن کے دِلوں میں راسخ ہو۔

اِمام کا استغنا و توکّل:

اسی طرح اِمام کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکّل ہونا چاہیے اور لوگوں سے کسی قسم کی کوئی اُمید وابستہ نہیں رکھنی چاہیے، استغنا اور توکّل کے بغیر صحیح معنیٰ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا بہت مشکل ہے، اِمام صحیح اور حق بات اسی وقت لوگوں کے سامنے دو ٹوک بیان کر پائے گا جب اس میں یہ دونوں صفات ہوں، ورنہ اگر لوگوں سے اور مسجد کے ذمّے داران وٹرسٹیان سے اُمیدیں وابستہ ہوں اور ان کی چاپلوسی وتملّق کیا جارہا ہو، کسی بھی طرح ٹرسٹی صاحبان کے منظورِ نظر بنے رہنے کی کوشش میں اِمام صاحب لگے ہوئے ہوں تو

ان کی بات اور وعظ ونصیحت کا خاطرخواہ اثر عوام میں نہیں ہوگا، اس لیے کہ حق گوئی میں بندے کے خلوص کی تاثیر اس کے الفاظ کی تاثیر کے مقابلے میں زیادہ ہوا کرتی ہے، اور خلوص بغیر استغنا وتوکّل علی اللہ کے ممکن نہیں ہے۔

اِمام کا احتسابِ نفس:

اِمام صاحب کے لیے اِمامت کی ذمّے داری قبول کرنے سے پہلے خود کا احتساب کر لینے کی ضرورت ہے کہ وہ اِمامت کے لیے ضروری اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ خود قرآنِ پاک صحیح پڑھ پاتے ہیں یا نہیں؟ اپنی تلاوت میں لحن جلی تو نہیں ہے جس سے معنیٰ بدل جاتے ہیں اور نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ طہارت ونماز وغیرہ کے ضروری مسائل مستحضر ہیں یا نہیں؟ پھر اگر خود کا ضمیر گواہی دے کہ الحمدللہ تمام شرائط پر عمل پیرا ہو کر اِمامت کے فریضے کو بخوبی انجام دے سکیں گے تب ہی اس عظیم منصب کو قبول کریں، بہ صورتِ دیگر اس بات کا خطرہ ہمیشہ رہے گا کہ سب کی نماز خراب ہوگی۔

کئی مساجد میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بیس یا تیس سال سے پہلے سے ایک اِمام صاحب نماز پڑھاتے چلے آئے ہیں، جس دور میں قرآن پاک کی صحت اور ادائیگی کی جانب عام لوگوں کی توجّہ بالکل نہ کے برابر تھی، اس اِمام صاحب کا قرآن پاک صحیح نہیں ہے، پھر بھی اُن کو صرف اس وجہ سے کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ پرانے ہیں اور سالہا سال سے اِمامت کی ذمّے داری نبھاتے ہیں۔

اس کا ایک بہتر حل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِمام صاحب خود اپنی تلاوت پر غور وفکر کر کے قرآن پاک صحیح پڑھنا سیکھ لیں، اگر پورے ذوق وشوق اور محنت کے ساتھ قرآن پاک کی صحت ادا کی جانب توجّہ دی جائے تو ان شاء اللہ کچھ ہی وقت میں قرآن پاک صحیح پڑھنے

لگیں گے، بہ صورتِ دیگر مصلیان کو چاہیے کہ امام صاحب کو محبّت کے انداز میں سمجھائیں اور ان سے گزارش کریں کہ اپنا قرآن پاک صحیح کرلیں اتنی مدّت تک نماز کسی اور اِمام کے سپرد کردیں، پھر جب قرآن پاک صحیح ہوجائے تو نماز پڑھائیں۔ یا صحیح تلاوت کرنے والے ایک مزید اِمام رکھ لیے جائیں جو جہری نمازیں پڑھائیں۔

تکبیراتِ انتقال اور تعدیلِ ارکان:

علاوہ ازیں امام صاحب کو چاہیے کہ تکبیراتِ انتقال بھی صحیح ڈھنگ سے پڑھیں، لہجہ اور آواز اچھّی بنانے کی کوشش میں تکبیر کی صحت پر کوئی زد نہ پڑے اس کا خاص خیال رکھیں۔ تکبیراتِ انتقال کہتے وقت اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ تکبیر اس وقت شروع کرنی ہے جب ایک رُکن سے دوسرے رُکن کی جانب منتقل ہوں، پھر جیسے ہی دوسرے رُکن میں پہنچ جائیں تکبیر انتقال ختم کرلیں، بہت سی جگہوں پر نماز پڑھتے وقت دیکھا جاتا ہے کہ اِمام صاحب قیام سے سجدے کی جانب منتقل ہوتے ہیں تو سجدے میں پہنچ کر بھی تکبیر جاری رہتی ہے، اسی طرح جب سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں تو تکبیر دیر سے شروع کرتے ہیں، بالکل کھڑے ہونے کے قریب ہوں تب تکبیر کہتے ہیں، خاص کر رکوع سے اُٹھنے کی تکبیر میں دیر لگانے سے پیچھے کی صف میں مسبوق کی تعدادِ رکعات میں غلطی ہوسکتی ہے، اس لیے کہ جو مسبوق پیچھے کی صف میں ہونے کی وجہ سے اِمام صاحب کو دیکھ نہیں پاتا وہ صرف امام صاحب کی آواز سن کر اپنی رکعات شمار کرے گا۔

نیز نماز کے ارکان میں تعدیل واجب ہے، اس بات کا خوب دھیان رکھیں، یعنی تمام ارکان اطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے، بہ طورِ خاص قومہ اور جلسہ میں تعدیل کا خوب دھیان رکھیں، کہ اکثر ائمہ حضرات ان ارکان میں خوب جلد بازی کرتے ہیں، بہت سی جگہوں

پر تراویح میں اِمام صاحب ان ارکان کو اتنی جلد بازی سے ادا کرتے ہیں گویا وہ رکن ہے ہی نہیں، یاد رکھنا چاہیے کہ حدیث پاک میں اس پر ممانعت بیان ہوئی ہے۔ (۱)

تعدیل ارکان کے ساتھ دیگر تمام واجبات بھی اِمام کو اچھّی طرح یاد ہونا ضروری ہے، اگر تمام واجبات کا پتا ہی نہیں ہوگا تو سجدۂ سہو کیسے کریں گے؟ ایسے مواقع میں لوگوں کی نماز کا کیا ہوگا؟ اس کی خوب فکر کریں۔

ایک جگہ اِمام صاحب نے سجدۂ سہو کیا، کسی مقتدی نے پوچھا کہ امام صاحب! آپ نے سجدۂ سہو کیوں کیا تھا؟ اس پر امام صاحب نے جواب مرحمت فرمایا کہ سجدے کی تسبیحات میں تین کے بجائے دو مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا، اس وجہ سے میں نے سجدۂ سہو کیا، غور کرنے کا مقام ہے کہ اس طرح کتنے لوگوں کی نماز خراب ہوتی ہوگی۔

مشتبہ امور سے اجتناب اور طہارت ونظافت کا اہتمام:

اسی طرح امام صاحب کو چاہیے کہ وہ حرام اور مشتبہ چیزوں سے مکمّل اجتناب کریں، اس لیے کہ مشتبہ چیز کی بے برکتی بندے کے اعمال میں بھی مؤثّر ہوتی ہے، اور اِمام جب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن رہا ہے تو اس کے لیے مزید ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مشتبہ امور سے بچتا رہے، تاکہ اس کی نماز خشوع، خضوع اور روحانیت سے بھرپور ہو، جس کا فائدہ مصلیان تک پہنچ سکے۔

علاوہ ازیں طہارت وصفائی کا بھی خوب اہتمام کریں، کپڑے اور بدن دونوں پاک صاف ہوں، ناپاکی کا ادنیٰ شبہ بھی نہ ہو، بعض ائمہ اور حرمین شریفین کے بعض ائمہ کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو اور غسل کا مستقل اہتمام کرتے ہیں، ہمیں

(۱) صحیح البخاري / کتاب الأذان / باب أمر النبي ﷺ الذي...الخ، الرقم : ۷۹۳.

بھی چاہیے کہ جب ہم نے قوم کی اِمامت کی ذمّے داری اپنے سر لی ہے تو طہارت و نظافت کے مکمّل اہتمام کے ساتھ اس کو نبھائیں، ایک عالم ہونے کی حیثیت سے نماز کے علاوہ عام حالت میں بھی اِمام صاحب کو چاہیے کہ وہ حتی الامکان باوضو رہنے کی کوشش کریں، اس لیے کہ باوضو رہنے کے بہت سارے روحانی فوائد بھی ہیں۔

نماز میں سنت قرأت کا اہتمام:

نماز کا ایک اہم ادب حدیث پاک میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے تو اسے چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے، آسان (Normal) نماز پڑھائے، ایسی طویل نماز سے اجتناب کریں جس سے لوگ اکتاہت محسوس کرنے لگیں، حدیث پاک میں اس سلسلے میں بہت تاکید کی گئی ہے:

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَجُلٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! لاَ أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلاَةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلاَنٌ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ! فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ؛ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ".(۱)

''حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ہمارے اِمام طویل نماز پڑھاتے ہیں اس لیے میرا ان کے ساتھ نماز پڑھنا نہایت دُشوار ہو رہا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت غضب ناک ہو کر نصیحت فرمائی کہ لوگو! تم (ایسی شدّت اختیار کر کے لوگوں کو دین سے) نفرت دِلانے لگے ہو، تم میں سے جو بھی لوگوں کی اِمامت کروائے تو

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصلوٰة / باب الغضب في الموعظة، الرقم: ۹۰.

چاہیے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے، اس لیے کہ مقتدیوں میں سے کچھ لوگ بیمار ہوتے ہیں، کچھ لوگ کمزور ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کو دیگر ضرورتیں ہوتی ہیں۔‘‘

اس جیسی اور بھی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصر نماز کی تاکید ہمیشہ فرمائی ہے، البتہ اگر مقتدی حضرات امام صاحب کی خوش آوازی سے طویل قرأت میں رغبت رکھتے ہوں اور کسی کو کچھ مانع نہ ہو تو طویل قرأت کی گنجائش ہے، بہر حال مقتدیوں کی حالت کا خیال کرنا امام صاحب کے ذمے ضروری ہے۔

لیکن اس میں اعتدال بہت ضروری ہے، ہلکی نماز کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ فجر کی نماز میں بھی تین آیتیں پڑھ لیں، بلکہ ہر نماز میں قرأتِ مسنونہ کا اہتمام کریں، اگر مقتدی حضرات کہیں کہ تین آیتیں پڑھ کر جلدی نماز نمٹا دو، تو انھیں سمجھائیں اور ذہن بنائیں کہ قرأتِ مسنونہ کا ثواب زیادہ ہے۔

مزید چند ہدایات:

اِمام صاحب کو چاہیے کہ نماز میں خشوع وخضوع حاصل ہو سکے اس کے لیے تمام تر انتظامات کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ نماز صفت احسان کے ساتھ ادا ہو، حضورِ قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں، اِمام صاحب کے خشوع وخضوع کا روحانی فائدہ مقتدی حضرات کو بھی لامحالہ حاصل ہوگا۔

پھر نماز کے بعد اِمام صاحب کو چاہیے کہ دُعا، توبہ اور استغفار کا اہتمام کریں، خاص طور پر توبہ واستغفار اس لیے بھی کرنا ہے کہ بتقاضائے بشریت اگر طہارت یا نماز میں کوئی چوک ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیں، نیز اِمام صاحب کے توبہ واستغفار کے اہتمام سے لوگوں میں بھی اس کا شوق وذوق پیدا ہوگا۔

اِمام صاحب اس بات کی کوشش کریں کہ نماز کے وقت مسجد میں جلد پہنچیں اور سنن قبلیہ، بعدیہ اور نوافل کا خوب اہتمام کریں، نوافل وسنن وغیرہ مسجد ہی میں پڑھیں، تاکہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو کہ ہم نے تو کبھی امام صاحب کو سنت پڑھتے ہوئے دیکھا ہی نہیں، ویسے یہ اچھّی بات ہے کہ سنت اپنے گھروں میں پڑھی جائے، کیوں کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، ان میں بھی نماز پڑھتے رہو،(۱) لیکن امام صاحب چوں کہ عام لوگوں کے لیے ایک اُسوہ اور نمونہ ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کو سنن ونوافل پڑھتے ہوئے دیکھ کر اور لوگوں کو بھی سنن ونوافل کی اہمیت معلوم ہوگی۔

اسی کے ساتھ امام صاحب کو چاہیے کہ مسجد کے مؤذّن صاحب کے ساتھ محبّت اور ہمدردی وخیر خواہی کے تعلقات رکھیں، اگر نائب امام ہیں تو ان کے ساتھ بھی اچھّا سلوک کرتے رہیں، وقتاً فوقتاً حسب استطاعت ان کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کریں، مؤذّن صاحب اور نائب امام صاحب کے ساتھ امام صاحب کے تعلقات خوش گوار ہونا بہت ضروری ہے، اس لیے کہ عامۃً ان کے آپسی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، اور آپس میں بہتر تعاون سے وہ اس فریضے کو مزید بہتر طور پر انجام دے سکیں گے۔

معاشرے میں احیائے دین کی فکر:

اِمام صاحب اپنی ذمّے داری کو صرف نماز کی اِمامت تک ہی محدود نہ رکھیں، بلکہ محلّہ، گاؤں اور شہر کے لوگوں کی دین داری اور اصلاح وتربیت کی فکر بھی کرتے رہیں، اور اس کے لیے بھی وقت فارغ کر کے احیائے دین کی کوششیں کرتے رہیں، ان کے ایمان ویقین کی فکر کریں، اِمام صاحب اگر باصلاحیت عالم ومفتی ہیں تو اُنھیں ضروری اور بنیادی مسائل و

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصلوٰة / باب كراهية الصلوٰة في المقابر، الرقم : ٤٣٢.

احکام سکھائیں، نماز میں ان سے کیا غلطیاں ہو رہی ہیں ان پر توجّہ دِلا کر ان کی نمازیں صحیح ہوں اس کی فکر کریں، اس کے لیے فجر اور عصر کے بعد کی تعلیم کا اہتمام کریں، ان دونوں نمازوں کے بعد سنن نہیں ہیں، اس لیے کچھ وقت نکال کر ان کے سامنے مسائل واحکام بیان کریں، اس کے لیے کوئی ایسی کتاب منتخب کرلیں جس میں آسان اور عام فہم زبان میں مسائل واحکام بیان کیے گئے ہوں، روزانہ اس کتاب کا پیشگی مطالعہ کر کے مختصر مسائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں، اور جہاں مسئلہ سمجھانے کی ضرورت محسوس ہو وہاں اپنی زبان میں بھی سمجھانے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ ایک وقت کے بعد لوگوں کو اچھی خاصی مقدار میں مسائل سے واقفیت حاصل ہو جائے گی۔

صفیں درست کرنے کی تاکید:

نیز ایک اہم بات یہ ہے کہ امام صاحب مقتدی حضرات کو صفیں دُرست کرنے کی تاکید ہمیشہ کرتے رہیں، یہ اس قدر ضروری امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی خوب تاکید فرمائی ہے، حدیث پاک میں وارد ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "سَوُّوْا صُفُوفَكُمْ؛ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ."(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم اپنی صفیں درست کرلو، اس لیے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا یہ نماز قائم کرنے کا ایک حصّہ ہے۔“

لہٰذا امام صاحب کو بھی چاہیے کہ وہ مقتدیوں کو ہمیشہ صفوں کے درست کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأذان / باب إقامة الصف من تمام الصلوٰة، الرقم : ۷۲۳.

بہت سے ائمہ حضرات عامل بھی ہوتے ہیں، تو اگر امام صاحب عامل ہوں تو مسجد میں ہرگز تعویذات وغیرہ کا کام نہ کریں، اس لیے کہ اس سے مسجد اور منصب امامت دونوں متاثّر ہوں گے۔

تنخواہ کی قلت:

ایک اور ہدایت یہ ہے کہ امام صاحب جس مسجد میں امامت کی خدمات سالہا سال سے انجام دے رہے ہوں وہاں سے بغیر کسی معقول عذر کے مستعفی نہ ہوں، مثلاً کسی اور مسجد میں صرف کچھ تنخواہ زیادہ مل رہی ہے اس وجہ سے پہلی مسجد کی امامت کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائیں، البتہ اگر عذر معقول ہو تو بات اور ہے۔

نیز کبھی مسجد کے ذمّے داران وٹرسٹی حضرات سے تنخواہ میں اضافے کی درخواست نہ کریں اور کبھی تنخواہ کی کمی کا شکوہ اپنی زبان پر بھی نہ آنے دیں، اس لیے کہ یہ عالمانہ شان کے خلاف ہے، ہمارے اسلاف واکابر کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ انھوں نے کبھی بھی اپنی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا، اگر تنخواہ واقعۃً کم ہے اور مسجد کے ذمّے داران اس کو بڑھانے کی قدرت بھی رکھتے ہیں، پھر بھی نہیں بڑھاتے، تو عنداللہ وہ ماخوذ ہوں گے، لیکن اِمام صاحب دنیائے دَنی کا سوال کر کے ہرگز اپنے عظیم الشان منصب کی شان میں کمی نہ آنے دیں، یہی شانِ استغنا وتوکّل اس عظیم الشان منصب کے لائق ہے۔

اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھّی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جو تنخواہ مل رہی ہو اُسی پر قناعت کے ساتھ راضی بہ قضائے الٰہی رہ کر پورے ذوق و شوق کے ساتھ اپنی ذمّے داری نبھاتے رہیں اور اس بات کا بھی خوب خیال رکھیں کہ تنخواہ کی کمی کا شکوہ کسی اور کے سامنے بھی کبھی زبان پر نہ آئے، ورنہ تجربات شاہد ہیں کہ دیر سویر اس

کا نقصان ظاہر ہوتا ہی ہے، ساتھ ہی معاشی فراوانی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہیں، ان شاء اللہ خلوصِ نیت کے ساتھ خدمت دین کی برکات سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے کھول دے گا۔

ائمۂ مساجد کا احترام:

واقعہ یہ ہے کہ علمی و عملی کمالات کے حامل ائمۂ مساجد تو بلا شبہ احترام و اکرام کے لائق ہیں ہی، بالفرض اگر کسی امام میں علمی یا عملی طور پر کچھ نقص اور کمزوری پائی جائے تب بھی وہ صحیح العقیدہ ہونے کی حیثیت سے احترام و اکرام کے لائق ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں تو یہاں تک ارشاد ہوا کہ اگر خدانخواستہ امام فاسق و فاجر ہو، حتیٰ کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تب بھی اس کی بے حرمتی نہ کرو، بلکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لو، چنانچہ فرمایا:

وَالصَّلوٰةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ، بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا، وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ."(۱)

"تم پر نماز با جماعت واجب ہے ہر مسلمان کے پیچھے، خواہ امام نیک ہو یا فاسق، فاجر اور مرتکب کبائر ہو۔"

کیوں کہ فسق و فجور کا تعلق اس کی ذات سے ہے، از روئے فتویٰ دوسروں کی نماز پر اس کا اثر نہیں پڑے گا، البتہ کفر و شرک اس سے مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ عقائد کے اعتبار سے امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح عقیدہ پر قائم ہو۔ (مظاہر حق جدید: ۱/ ۸۵۵)

اس سے ثابت ہوا کہ ائمۂ مساجد ان کی علمی یا عملی کوتاہی کے باوجود احترام و اکرام کے لائق ہیں، سچّی بات تو یہ ہے کہ ائمۂ مساجد کا احترام و اکرام ہمارے ایمان و عمل کا ایک حصّہ ہے، اور احترام کا مطلب یہ ہے کہ ان کی عزت کی جائے، ان کی بے ادبی و گستاخی ایک

---

(۱) سنن أبي داود / كتاب الجهاد / باب في الغزو مع أئمة الجور، الرقم : ۲۵۳۳. (ضعيف)

سچے پکے مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے، بلکہ یہ منافق کی پہچان ہے، چنانچہ حدیث پاک میں مروی ہے:

"ثَلاَثَةٌ لاَ يَسْتَخِفُّ بِحَقِّهِمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ، ذُوْالشَّيْبَةِ فِيْ الإِسْلاَمِ، وَذُوْ العِلْمِ، وَإِمَامٌ مُقْسِطٌ".(۱)

"تین قسم کے لوگوں کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی سے منافق ہی پیش آسکتا ہے: (۱) بوڑھا مسلمان۔ (۲) عالم دین۔ (۳) انصاف پرور امام۔ (خواہ اس کی امامت وذمّے داری کا دائرہ مسجد تک محدود ہو یا ملکی سطح پر)

یاد رکھو! ائمۂ مساجد کے احترام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ان کے پوشیدہ عیوب تلاش نہ کیے جائیں، اور اگر کسی طرح ان کے عیوب پر اطلاع ہوجائے تو لوگوں کے سامنے بلاکسی ضرورتِ شرعیہ کے ان کی برائیاں اور کوتاہیاں بیان نہ کی جائیں، کیوں کہ اس سے ایک تو عوام الناس میں ان کا وقار مجروح یا ختم ہوجائے گا، اور دوسرے شرعی امور میں بھی ان کی باتوں سے لوگوں کا اعتماد ختم یا کم ہوجائے گا، لیکن افسوس کہ آج علما اور ائمۂ مساجد پر بلا تحقیق تبصرے کرنا، ان کی برائیوں کو سرعام بیان کرنا، ان پر طعنے کسنا، ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اور اونٹ تک نگل جانے والے مصلیان کا ائمۂ مساجد میں تنکے تلاش کرنا ایک عام معاشرتی بُرائی اور وبائی مرض بن چکا ہے، یہ صورتِ حال نہایت افسوس ناک ہے، بلکہ تشویش ناک اور تکلیف دہ ہے، اپنی دینی، دنیوی اور اُخروی صلاح وفلاح کے لیے اس برائی کی اصلاح فوری طور پر نہایت ضروری ہے۔

ائمۂ مساجد کی خدمت:

اصل بات یہ ہے کہ اِکرام واحترام سے بڑھ کر ائمۂ مساجد کی خدمت کی جائے،

(۱) المعجم الكبير للطبراني / رقم الحديث: ۷۸۱۹.

یہ تمام لوگوں اور خصوصاً ذمّے داروں کی بنیادی ذمّے داری ہے، خدمت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ضروریات کا لحاظ کیا جائے، ان کا اس قدر مالی تعاون کیا جائے یا اتنی تنخواہ مقرّر کی جائے کہ اس سے ان کی اور ان کے اہل وعیال کی ضروریات بآسانی پوری ہوسکیں، تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ دین کی خدمت انجام دے سکیں، اس لیے کہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة:۲۷۳)

"ان فقرا پر خرچ کرو جو راہِ خدا میں اس طرح گھِرے ہوئے ہیں کہ وہ (کسب معاش کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کرسکتے، ناواقف لوگ حیا اور عفت کی وجہ سے انھیں مالدار خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کے چہروں کی علامتوں سے تم (ان کی حاجت مندی کو) پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے، اور جو کچھ تم بھلائی کی راہ میں خرچ کروگے سو اللہ تعالیٰ اسے بہ خوبی جانتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو دینی امور اور علوم میں مصروف ہونے کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اپنا وقت فارغ نہیں کرسکتے، جیسے مدارس کے علما اور مساجد کے ائمہ، اس لیے ان کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا پوری اُمّت مسلمہ کی مشترکہ ذمّے داری ہے، مگر افسوس ہے کہ آج اُمّت اس معاملے میں مجرمانہ غفلت میں مبتلا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمّت پر جن باتوں کا خوف تھا ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ:

"وَإِنْ يَرَوْا ذَا عِلْمِهِمْ فَيُضَيِّعُوْنَه، وَلاَ يُبَالُوْنَ عَلَيْهِ."(۱)

"لوگ علمائے کرام کو دیکھیں گے اور ان سے بے توجّہی برت کر (یعنی ان کی

(۱) مجمع الزوائد / الرقم: ۵٤٠.

ضروریات سے لا پرواہ ہوکر) ان کو ضائع کردیں گے۔''

آج یہ سب کچھ ہورہا ہے، اس کے باوجود یہ علمائے کرام ہی کا ظرف ہے کہ کم سے کم تنخواہوں پر بھی اکتفا کیے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ اللہ ربّ العزت بھی انھیں اس حدیث کا مصداق بنائے گا جس میں ارشاد ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "مَنْ رَضِيَ مِنَ اللهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ، رَضِيَ اللهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ".[۱]

''جو بندہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزقِ قلیل پر راضی ہوجائے گا تو حق تعالیٰ اس کے عمل قلیل پر راضی ہوجائیں گے۔''

نیز روزِ قیامت عرشِ الٰہی کے زیر سایہ جن خوش نصیب بندوں کو جگہ دی جائے گی ان میں "قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَساجِدِ."[۲] کے تحت مساجد کے ائمہ اور مؤذّنین ضرور داخل ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

اللہ ربّ العزت ہمیں ان ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، ہمیں نماز کا خشوع و خضوع اور اپنا قرب نصیب فرمائیں، جن آداب کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھانی چاہیے ان تمام کی رعایت کرنے کی توفیق تمام ائمۂ کرام کو عطا فرمائیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أن الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

---

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان، مشكوٰة : ٤٤٩.

(۲) صحيح البخاري، الرقم : ٦٦٠.

ایمان والوں پر ہی حالات کیوں؟

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلىٰ رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ. فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝٢ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝٣﴾ (العنكبوت : ٢ - ٣)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ :

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝٢١٤﴾ (البقرة:٢١٤)

تمہید:

قابل صد احترام بزرگو، دوستو اور عزیزو! آج ہم دنیا بھر میں ایک بات عام (Common) دیکھ رہے ہیں کہ ساری دُنیا میں اور خصوصی طور پر ہمارے ملک انڈیا میں مسلمانوں پر اس وقت جو مختلف قسم کے حالات چل رہے ہیں اور آئے دِن حالات الگ الگ عنوان سے، الگ الگ طریقے سے، الگ الگ انداز میں مسلمانوں کی اجتماعیت پر اثر انداز ہو رہے ہیں، ہر نیا سورج ایک نئے فتنے کو لے کر طلوع ہو رہا ہے، ان حالات کے پس منظر میں ذہن میں ایک سوال (Question) یہ اُبھرتا ہے کہ یہ حالات مسلمانوں ہی پر کیوں آرہے ہیں؟ ایمان والے ہی اِن حالات کے شکار کیوں ہیں؟ حالانکہ ہم مسلمان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ماننے والے ہیں، جب کہ دُنیا کی دیگر اقوام تو اللہ تعالیٰ کو مانتی بھی نہیں ہیں،

اگر چہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی نہیں مانتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا ربِ حقیقی مانتے ہیں، پھر بھی سب سے زیادہ حالات دُنیا بھر میں ایمان والوں پر ہی کیوں آتے ہیں؟ یہاں تک کہ بعض ایمان والے تو یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہم نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، واجبات، سُنن، مستحبات اور معمولات کا بھی اہتمام کرتے ہیں، پھر بھی ہم ہی پر حالات کیوں آتے ہیں؟ جب کہ دوسری قومیں تو اپنی عیش پرستی میں مست ہیں۔

آیئے! اس سوال کے جواب کے لیے ہم قرآنِ کریم میں غور کرتے ہیں۔

ایمان اور آزمائش ساتھ ساتھ ہیں:

اللہ عزّ وجل نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝١٩٦ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝١٩٧﴾ (آل عمران : ١٩٦ - ١٩٧)

"(اے اللہ کے بندے!) کافروں کا شہروں میں (عیش وعشرت کے ساتھ) گھومنا پھرنا تجھے کسی دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ تھوڑی سی (چند دِنوں کی) متاع ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔"

نیز قرآنِ پاک میں ایک جگہ فرمایا:

﴿فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝٤﴾ (المؤمن : ٤)

"سواُن کا شہروں میں (آزادی سے) گھومنا پھرنا تمھیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔"

یاد رکھنا چاہیے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی عالم ہے اور نہ ہی آپ سے بڑا کوئی عابد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، اُس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت ترین حالات آئے، تو قرآن مجید کی ان آیات میں اللہ

عزّوجل نے اس کا جواب دیا کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اُن کا ﴿اٰمَنَّا﴾ کہہ دینا کافی ہو جائے گا؟ کلمہ پڑھ لینا کافی ہو جائے گا؟ اور اُن کی آزمائش نہیں ہوگی؟ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ نہیں، ضرور بالضرور آزمائے جائیں گے، اُن کا امتحان لیا جائے گا۔

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶﴾ (آل عمران : ۱۸۶)

''(اے مسلمانو!) تمھیں ضرور بالضرور تمھارے اموال اور تمھاری جانوں میں آزمایا جائے گا، اور تمھیں بہرصورت ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سے اذیت ناک (طعنے) سننے ہوں گے، اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ پر جمے رہو تو یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔''

اِس آیت کریمہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایمان قبول کیا ہے تو آزمائش اور حالات ضرور آئیں گے۔

جیسا ایمان ویسی آزمائش:

پھر اِس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ہے کہ ایمان جس سطح کا بلند اور اونچا ہوگا حالات بھی اُسی درجے کے آئیں گے، عام مؤمنین کے بارے میں تو ذکر کردہ آیات میں یہ بات بتائی گئی، جب کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱﴾ (الأحزاب:۱۱)

''اُس مقام پر مؤمنوں کی آزمائش کی گئی اور اُنھیں نہایت سخت جھٹکے دیے گئے۔''

چوں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان عام مؤمنین کے مقابلے میں زیادہ قوی

ہے تو اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کہ خود ممتحن ہیں، اِس آیت کریمہ میں فرمایا کہ اُن کا امتحان سخت لیا گیا۔

اِس کو ایک آسان مثال سے سمجھیں کہ بہت سی پینے کی دوائیاں جو سیال (Liquid) ہوتی ہیں اُن پر پینے کی ہدایت لکھی ہوتی ہے کہ (Shake Well Before Using) یعنی اُس کو استعمال سے پہلے خوب ہلائیں، تا کہ اُس کا وہ مادّہ جو نیچے تہہ میں ہے اچھی طرح تحلیل ہو جائے، تب ہی یہ دوا مؤثّر اور مفید بنے گی۔

یہی بات اللہ عزّ وجل نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمائی کہ ہم نے اُن کو ایمانی امتحان کے لیے شدّت سے آزمایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہاں امتحان لینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اُن کا سخت امتحان لیا، تو تصوّر کرو کہ جب ممتحن خود ہی طلبہ کے بارے میں یہ کہے کہ میں نے اِن طلبہ کا سخت امتحان لیا ہے تو وہ امتحان کیسا رہا ہوگا؟

پھر چوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کا ایمان اور بھی بلند اور اونچے درجے کا ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث پاک میں فرمایا:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ حُذَيْفَةَ عَنْ عَمَّتِهِ فَاطِمَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: "أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَعُودُهُ فِي نِسَاءٍ، فَإِذَا سِقَاءٌ مُعَلَّقٌ نَحْوَه يَقْطُرُ مَاؤُهُ عَلَيْهِ مِنْ شِدَّةِ مَا يَجِدُ مِنْ حَرِّ الْحُمَّى، قُلْنَا: "يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ دَعَوْتَ اللهَ فَشَفَاكَ." فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءَ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ."[1]

---

(۱) مسند أحمد / مسند النساء / حديث فاطمة عمة أبي عبيدة وأخت حذيفة. الرقم : ٢٧٠٧٩.

''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جو کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں) سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے پہنچی، تو ہم نے وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا دیکھا، جس میں سے پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر ٹپک رہا تھا، اور یہ انتظام اس وجہ سے کیا گیا تھا تا کہ بخار کی گرمی کا احساس اور تکلیف کم ہو، ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو فوراً شفا عطا فرما دیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیائے کرام علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر اُن لوگوں کی جو اُن کے درجے سے قریب ہیں، پھر اُن لوگوں کی جو اُن کے درجے سے قریب ہیں، پھر اُن لوگوں کی جو اُن کے درجے سے قریب ہیں۔''

پھر چوں کہ سب سے اونچا اور بلند درجے کا ایمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا ہے تو سب سے زیادہ سخت حالات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اَقدس پر آئے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے بارے میں فرمایا:

"لَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ. (۱)

''مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اِتنا ستایا گیا جتنا کسی کو نہیں ستایا گیا، اور مجھے اِتنا ڈرایا گیا جتنا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا۔''

معلوم ہوا کہ ایمان قبول کرنے کے بعد حالات کا آنا اور آزمائش کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ضابطہ ہے، کسی بھی مسلمان کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ حالات ہر وقت ایک ہی طرح (Normal) رہیں گے، موافق اور سازگار (Smooth) ہی رہیں گے، کوئی

(۱) سنن ابن ماجه / باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، الرقم : ۱۵۱.

تکلیف (Problem) نہیں آئے گی، ایسا ہو نہیں سکتا، ایمان والے کے لیے آزمائش اور امتحان لازمی چیز ہے۔

ابتلا و آزمائش کی وجہ:

لیکن پھر آگے سوال ہوتا ہے کہ اس آزمائش اور امتحان کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں امتحان لیا جاتا ہے؟ اس آزمائش کی وجہ (Reason) کیا ہے؟ اُس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝۳﴾ (العنکبوت : ۳)

''اور بے شک ہم نے اُن لوگوں کو (بھی) آزمایا تھا جو اُن سے پہلے تھے، سو یقیناً اللہ اُن لوگوں کو ضرور (آزمائش کے ذریعے) نمایاں فرما دے گا جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا۔''

یہ آزمائش اس لیے ہے کہ کون خالص (Original) ایمان والا ہے اور کون نفاق والا (Duplicate) ہے یہ سامنے آجائے، نقلی کون ہے اور اصلی کون ہے؟ یہ سب کو پتا چل جائے، مقبول کون ہے اور مردود کون ہے؟ یہ ظاہر ہو جائے، ایمان کے دعوے کرنے والے تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں، لیکن حقیقی مؤمن کون ہے اس کی جانچ کے لیے ہم ایمان والوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

ایک اِشکال اور جواب:

لیکن اس پر پھر سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو عالم الغیب ہے، علیم بذات الصدور ہے، اُس کو سب کچھ ہونے سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے، پھر اصلی (Original) اور

نقلی (Duplicate) کو جانچنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے علم اَزلی سے یہ بات جانتا ہے کہ کون حقیقی مؤمن ہے اور کون منافق ہے؟ تو اب اس آزمائش کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف یہی نہیں کہ عدل و اِنصاف کرتے ہیں، بلکہ اپنے اِنصاف کو ثابت (Prove) بھی کرتے ہیں، ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ روزِ جزا کے مالک ہیں، انصاف کرنے والے ہیں، جو یومِ جزا کو بندوں کے سامنے ظاہر ہوگا۔ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (حمٓ السجدة:٤٦) آپ کا رب بندوں پر (ذرّہ برابر) ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ مکمّل اِنصاف کرنے والا ہے، اور مکمّل انصاف تب ہی کہا جائے گا جب اُس کا عدل و اِنصاف بندوں کے سامنے واضح ہو کر آجائے، تو آزمائش کے ذریعے بندوں کے سامنے یہ بات کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ حقیقی مؤمن کون ہے اور منافق کون ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کا عدل و اِنصاف حجّت کے ساتھ ثابت ہوجائے گا، جسے اِتمامِ حجّت کہا جاتا ہے، جس کے بعد کسی بندے کے پاس کوئی بہانہ یا عذرخواہی کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں کہ ایک کلاس ٹیچر (Class Teacher) جس کے پاس تین طالب علم (Students) ہیں، کلاس ٹیچر اپنے اِن تینوں طلبہ کی علمی صلاحیت ولیاقت سے بخوبی واقف ہے، اُن کا امتحان (Exam) لینے کی ضرورت نہیں ہے، چوں کہ پورے سال اُن کے پاس پڑھے ہیں اس لیے کلاس ٹیچر اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُن میں سے کون کتنے پانی میں ہے؟ لہٰذا جب امتحان (Exam) کا وقت آئے تو کلاس ٹیچر یہ بھی کرسکتا ہے کہ تینوں کا امتحان لیے بغیر تینوں کی صلاحیت ولیاقت کے مطابق اُن کو نمبرات (Marks) دے دے، مثلاً اُن میں جو زیادہ ذہین ہے اُسے نوّے (۹۰) نمبرات دے،

جو متوسّط ہے اُسے ساٹھ (۶۰) اور جو ادنیٰ درجے کا ہے اُسے فیل (Fail) کردے، کلاس ٹیچر کا یہ فیصلہ بھی انصاف والا ہی ہوگا، لیکن اُس میں اُن طلبہ کو یہ کہنے کا موقع رہے گا کہ اگر ہمارا امتحان لیا جاتا تو نتیجہ (Result) اِس سے اچھا ہوتا، مثلاً اعلیٰ نمبرات والا یہ کہہ سکتا ہے کہ سر! اگر آپ میرا امتحان لیتے تو میں ننانوے (۹۹) یا سو (۱۰۰) نمبرات حاصل کر لیتا، متوسط کہہ سکتا ہے کہ میں بھی اَسّی (۸۰) نمبرات لے آتا اور جو ناکام ہوا وہ کہے گا کہ میں بھی کم از کم پینتیس (۳۵) یا چالیس (۴۰) (Passing Marks) تو ضرور لے آتا اور ناکام نہ ہوتا۔

تو اِس لیے اُستاذ (Class Teacher) طلبہ کی صلاحیتوں سے واقف ہونے کے باوجود اُن کا امتحان لیتا ہے، تاکہ یہ بات طلبہ اور اُن کے اولیا کے سامنے بھی ثابت (Prove) ہوجائے کہ اُن طلبہ کی علمی صلاحیت ولیاقت کتنی ہے؟

اسی طرح اللہ رب العزت بے شک اپنے علم اَزلی سے سچوں اور جھوٹوں کو جانتے ہیں، لیکن پھر بھی قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ بندوں کو بتائیں گے کہ دیکھو! ہم نے تمھارا اِمتحان لیا تھا، تمھارے ایمان کا اِمتحان ہوا تھا، تم اُس میں اِتنے کامیاب ہوئے تھے اور اِتنے ناکام ہوئے تھے۔

مؤمنین کے لیے آزمائش باعث اجر ہے:

بہر حال ہمیں اپنے نفس کو یہ اطمینان دِلانا ہے کہ کلمہ پڑھا ہے اور ایمان قبول کیا ہے تو اب حالات ایمانی پرواز کو بلند کرنے کے لیے آتے ہیں، مؤمن بندے کو استقامت اور تسلیم ورضا کی بلندیوں تک پہنچانے کے لیے آتے ہیں۔

سید صادق حسین نے کیا خوب کہا ہے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

مؤمنین کو اِن سخت حالات میں مایوس ہرگز نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اُسی ذاتِ قادرِ مطلق کا اعلانِ سرمدی ہے:

﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران : ۱۳۹)

''اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔''

جیت تمھاری ہی ہوگی، سربلندی صرف مؤمنین ہی کا مقدر ہے، لیکن اُس کے لیے ایک اہم شرط ہے: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اپنے ایمانِ کامل پر ڈٹے اور جمے رہنا ہے، حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ آجائیں؟ لیکن ہمارے پایۂ استقلال میں ذرّہ برابر کمزوری نہ آنے پائے اس کا ہمیشہ دھیان رکھنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں سخت ترین حالات میں بھی ثابت قدم رکھیں، ہمارے قدم ایمانی امتحان کے موقع پر لڑکھڑا نہ جائیں، ہم نفس وشیطان کے دجّالی دھوکے میں نہ آجائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات کے ساتھ وابستہ رکھیں، ہمارے دِلوں میں اپنی ذات پر یقین کامل پیدا فرما دیں، اللہ تعالیٰ ہم ایمان والوں کے حالات درست فرمائیں، ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ آزمائش کے قابل نہیں، آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں، ان نامساعد حالات کو ایمان والوں کی ترقّی کا ذریعہ بنائیں، تمام پریشانیاں دور فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

وَساوِس اور اُن کا علاج

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠﴾ (المجادلة : ۱۰)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ إِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝٤ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦﴾ (الناس)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ :"إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ."(۱)

تمہید:

محترم سامعین! اس مجلس میں ہم آپ کے سامنے ایک اہم عنوان کے متعلّق گفتگو کریں گے، اور وہ ہے ''وسوسہ''، یعنی ایسی چیز کا خیال آنا جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہو، بہت سے ہمارے بھائیوں کی طرف سے ایک شکایت اور تکلیف (Problem) یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہمیں وسوسے کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے بہت بیہودہ اور گندے خیالات آتے ہیں، کبھی یہ خیالات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے متعلّق، کبھی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلّق اور کبھی قرآنِ مجید کے متعلّق بہت سے بے بنیاد خیالات

(۱) صحيح البخاري / كتاب العتق / باب الخطأ والنسيان في العتاقة. الرقم : ۲۵۲۸.

آتے رہتے ہیں، بعض مرتبہ یہ وسوسہ تردّد کی شکل میں ہوتا ہے، جس سے انسان کو ہر وقت اپنے قول یا فعل کے بارے میں یہ شک برقرار رہتا ہے کہ میں نے فلاں بات کہی ہے یا نہیں؟ یا میں نے فلاں کام کیا یا نہیں؟ مثلاً پاکی اور ناپاکی کے متعلّق اُنھیں وسوسہ رہتا ہے کہ میں نے وضو کیا تو ہاتھ دھویا یا نہیں؟ مسح کیا یا نہیں؟ اس لیے بار بار ایک ہی عضو کو دھوتے ہیں، اور اس وجہ سے وضو کرنے میں اُنھیں لمبا وقت لگتا ہے، کسی کو بار بار پیشاب کے قطرات نکلتے رہنے کا شبہہ ہوتا ہے، تو آج ہم اسی عنوان (Topic) پر بات کریں گے کہ کس طرح ہم اِس پریشانی سے نجات حاصل کریں، اس کے لیے ہم کچھ ہدایات (Tips) اور کچھ وظائف بھی بتائیں گے، ان شاء اللہ اُن پر عمل کرنے سے ہماری یہ پریشانیاں اللہ تعالیٰ ختم فرمائیں گے۔

وسوسہ غیر اختیاری امر ہے:

ہم سب جانتے ہی ہیں کہ شیطان اِنٹرنیشنل ٹیچر بھی ہے اور چیٹر (Cheater) بھی، کسے کس طرح بھٹکانا ہے وہ اُسے اچھّی طرح معلوم ہے، اس لیے وہ اپنے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لیے مسلسل اور مکمّل کوشش کرتا رہتا ہے، نہ تھکتا ہے اور نہ ہار قبول کرتا ہے، اس حقیقت کو حدیث پاک میں اس طرح بیان کیا گیا:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ."(۱)

شیطان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور مہلت کے سبب انسان کو بہکانے کے لیے اُس کے دِل و دماغ میں بُرے خیالات اور وَساوِس ڈالنے کی غرض سے اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں گردِش کرتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب بدء الخلق / باب صفة إبليس وجنوده. الرقم : ۳۲۸۱.

انسان کے دِل میں خیر کے خیالات بھی آتے ہیں اور شر کے بھی، خیر و بھلائی کے خیالات کو الہامِ ربّانی کہتے ہیں (اس کا حکم یہ ہے کہ نبی کے لیے تو الہامِ ربّانی حجت ہے، جب کہ غیر نبی کے لیے حجت نہیں، البتہ اگر شریعت کے مطابق ہے تو اطمینانِ قلب کا سبب ضرور ہے) اس کے برخلاف شر و برائی کے خیالات کو وساوسِ شیطانی کہتے ہیں، شیطان کو اس سے زیادہ کی قدرت نہیں، وہ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے دل میں وسوسے تو ڈال سکتا ہے، لیکن ہاتھ پکڑ کر کسی کو گمراہی و بُرائی کے راستے پر نہیں ڈال سکتا، اگر انسان شیطانی وساوِس پر دھیان نہ دے تو کچھ نقصان نہیں ہوسکتا، جیسا کہ خطبے میں مذکور حدیث پاک کا حاصل یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت (اِجابت) سے اُن وسوسوں کو معاف کردیا ہے جو اُن کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، جب تک کہ وہ اُن وَساوِس پر عمل نہ کریں، یا زبان پر نہ لائیں۔‘‘

اِس کی وجہ یہی ہے کہ وَساوِسِ شیطانی غیر اختیاری ہوتے ہیں، البتہ اُن پر عمل کرنا اختیاری چیز ہے، اللہ پاک کے یہاں اختیاری باتوں پر پکڑ ہے، غیر اختیاری پر نہیں، البتہ شیطان عموماً انسان کو وَساوِس کے ذریعے بآسانی گمراہ کرلیتا ہے، اس کی خاص اپنی ٹیکنیک ہے جسے تلبیس کہتے ہیں، جس سے وہ انسانوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنساتا ہے، اسی کے ذریعے اس نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو بہکایا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ (الأعراف : ۲۰)

اس لیے اس کے وَساوِس سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ەۙ الْخَنَّاسِ﴾ (الناس : ٤)

’’الٰہ العالمین! میں وسوسہ ڈالنے اور پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے

آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

محض وَساوِس پر مؤاخذہ نہیں ہے:

اوّلاً ہمیں یہ یاد رکھنا ہے کہ محض وسوسہ امرِ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اُس پر شریعت میں کوئی حکم مرتّب نہیں ہوتا، ہمارے بہت سے بھائیوں کو اس بات کا خطرہ لگا رہتا ہے اور وہ اس سلسلے میں پوچھتے بھی ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اور قرآن پاک کے متعلّق بہت بُرے وسوسے آتے ہیں، تو کیا ہم ان وَساوِس کی وجہ سے ایمان سے نکل جائیں گے؟ کیا ہمارا ایمان اِن وَساوِس کی وجہ سے ختم ہوجائے گا؟ تو اِس کا جواب یاد رکھیں کہ ایسے وَساوِس کی وجہ سے ایمان ختم نہیں ہوگا، ہمارا ایمان الحمدللہ باقی رہتا ہے، جس کا ثبوت مسلم شریف کی ایک روایت سے ملتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلُوهُ: "إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ،" قَالَ: "وَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟" قَالُوا: "نَعَمْ،" قَالَ: "ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ"[1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے دِل میں بعض مرتبہ ایسے وَساوِس محسوس کرتے ہیں کہ جسے کوئی اپنی زبان سے بولنا بھی گوارا نہ کرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعی یہ تکلیف تم محسوس کرتے ہو؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی خالص ایمان ہے۔''

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وَساوِس آنے پر یہ فکر

---

(۱) صحيح مسلم / كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسة في الإيمان. الرقم : ۱۳۲.

ہوئی کہ کہیں ہمارا ایمان تو ختم نہیں ہوگیا؟ اسی فکر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مضبوط اور خالص ایمان کی علامت قرار دیا اور فرمایا کہ یہ سوال تمھیں اسی وجہ سے ہوا کہ تم مضبوط ایمان پر قائم ہو۔

حاصل یہ کہ جب تک اس طرح کے خیالات وسوسے کی حد تک ہوں اور اُس پر عمل درآمد نہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ایمان الحمدللہ باقی رہے گا۔

وسوسہ شیطان کی جانب سے مؤمن ہی کے دِل میں ڈالا جاتا ہے، جس کے بارے میں شیطان کو پتا ہوتا ہے کہ اُس کے دِل میں ایمان ہے، لیکن جب ہم پورے اطمینان سے اُس کا مقابلہ کریں گے تو یہ شیطانی وسوسہ ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں کر پائے گا۔

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھیں کہ چور ایسے ہی گھر میں چوری کرنے کی کوشش کرتا ہے جہاں اُس کو زیادہ مال ملنے کی اُمید ہو، ویران اور خالی گھر میں ڈاکہ نہیں ڈالا جاتا، تو مؤمن کے ایمان کی دولت بھی اسی طرح قیمتی خزانہ ہے جسے شیطان وسوسہ ڈال کر لوٹ لینا چاہتا ہے، جب ہم اپنے دِل میں وسوسے کے خلاف اطمینان پیدا کر کے ان وَساوِس کو اپنے دِل سے دور کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمیں ان شاءاللہ کچھ نقصان نہ ہوگا۔

دفع وساوس کی کچھ تدابیر:

ایسے وَساوِس کو دفع کرنے کے لیے کچھ ہدایات (Tips) یہاں پیش کی جا رہی ہیں، اُن پر عمل کرنے سے وَساوِس اور بُرے خیالات کا مقابلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

(۱) پہلا کام ہمیں یہ کرنا ہے کہ جب بھی اس طرح کا کوئی وسوسہ آئے تو اُس کی طرف دھیان نہ دیں، کسی بھی طرح اُس بُرے خیال سے اپنی توجّہ ہٹا لیں، ذہن دوسری طرف متوجّہ (Divert) کرلیں۔ اس سے بھی اکثر وَساوِس دفع ہو جاتے ہیں۔

مثلاً وضو کرتے وقت بار بار تردّد ہو رہا ہے کہ میں نے ہاتھ تین مرتبہ دھویا یا ایک

مرتبہ؟ پیر دھویا ہے یا باقی ہے؟ تو اس وقت ایک ہی ضابطے پر عمل کریں کہ سنّت طریقے کے مطابق ہمیں صرف ہر عضو تین مرتبہ دھونا ہے، اُس سے زائد نہیں، تین مرتبہ دھو کر اطمینان و یقین کر لیں کہ اُس عضو کو دھولیا گیا ہے۔ پھر وسوسہ آئے بھی تو اُس طرف توجہ نہ دیں۔

اس طرح کے وَساوِس کسی کو بھی آ سکتے ہیں، ضروری نہیں کہ کسی عام مؤمن بندے ہی کو آئیں، وَساوِس علمائے کرام اور صلحائے عظام کو بھی آتے ہیں، ہمارے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اُنھیں شیطان نے وضو کے درمیان وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی کہ ہاتھ یہاں سے خشک رہ گیا ہے، پیر وہاں سے دھونا باقی ہے، جب یہ وسوسہ بار بار آنے لگا تو یہ اللہ کے ولی فوراً سمجھ گئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اُنھوں نے اس وقت اپنے ہی نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جا! آج اِسی وضو سے نماز پڑھوں گا، اس طرح اُنھوں نے شیطان کا مقابلہ کر کے وسوسے کو دفع کر دیا۔

تو پہلی ہدایت یہ ہے کہ وسوسہ آئے تو اُس کی طرف توجہ نہ دیں، اور ذہن دوسری طرف پھیر دیں، ان شاء اللہ وسوسہ دور ہو جائے گا۔

(۲) دوسری ہدایت یہ ہے کہ جب بھی اس طرح کے وَساوِس اور بُرے خیالات آئیں تو اُنھیں سب کے سامنے ہرگز بیان نہ کریں، لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے ایسے وَساوِس ہمارے دِل سے ہٹیں گے نہیں، بلکہ اور پختہ ہوں گے، لہٰذا کسی کے سامنے اُنھیں بیان نہ کریں۔

(۳) تیسری ہدایت یہ ہے کہ پاکی کا اہتمام رکھیں اور حتی الامکان باوضو رہیں، شیطان ناپاکی پسند کرتا ہے، اس لیے گندی اور ناپاک جگہوں پر اُس کی حاضری ہوتی ہے، اس لیے ہم پاک وصاف رہنے کا اہتمام کریں، شیطان ہم سے دور رہے گا۔

(۴) چوتھی ہدایت یہ ہے کہ ہم اپنے دِل کو مطمئن رکھیں، جب ہمیں ایمانیات اور عقائد وغیرہ کے متعلّق وسوسے اور بُرے خیالات آئیں تو دِل میں اس بات کا اطمینان رکھیں کہ ان وَساوِس کی وجہ سے الحمدللہ میرا ایمان ختم نہیں ہوا، میرا ایمان باقی اور سلامت ہے، اس اطمینان سے بھی وسوسہ اور بُرا خیال دور ہو جائے گا۔

تقویٰ اور ذکر اللہ:

میرے بھائیو! اگر شیطان کو ربّ العالمین نے اپنی خاص حکمت کے تحت وساوس ڈالنے کی قدرت دی ہے تو انسان کو بھی بالکل محروم، عاجز اور بے بس نہیں بنایا، انسان کے لیے شیطان کے نقصان سے بچنے کے نسخے بھی قرآن میں بیان فرمائے ہیں، جن پر عمل کر کے انسان بآسانی شیطان کے نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہے، کتاب وسنّت میں بنیادی طور پر شیطان کے نقصان سے بچنے کے لیے جو نسخے بیان ہوئے ہیں اُن میں سب سے اہم دو چیزیں تقویٰ اور ذکر اللہ ہیں۔

اس کا مطلب ہے اللہ پاک سے ڈرنا اور اللہ پاک کی رضا کی خاطر کفر وشرک اور معاصی سے حتی الامکان بچنا، تقویٰ کے یوں تو بہت سے فوائد ہیں، ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان شیطان کے نقصان سے بڑی حد تک بچتا ہے، کیوں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے شیطان اس بندے سے ڈرتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے گناہ سے بچتا ہے شیطان اس سے بچتا ہے، متقیوں کے آگے تمام شیطانی وساوس وتدابیر تقریباً فیل (Fail) ہو جاتی ہیں، وہ اگر کبھی شیطان کے بہکانے اور ورغلانے سے کوئی گناہ کر بھی لیتے ہیں تو تقویٰ کی برکت سے اللہ پاک اُنھیں فوراً توبہ کی طرف متوجّہ فرمادیتے ہیں۔

ایک نصیحت آموز واقعہ:

اس سلسلے میں حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عمرو بن جامع کے حالات کے تحت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک نوجوان نہایت متقی اور پرہیزگار تھا، جو اکثر مسجد میں رہا کرتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اُس سے بہت خوش تھے، یہ نوجوان اپنے دِن بھر کے معمولات مکمّل کر کے رات اپنے بوڑھے والد کے پاس لوٹ جاتا، اُس کے راستے میں ایک عورت کا گھر تھا، جو اُس نوجوان پر فریفتہ اور فدا ہوگئی تھی، روزانہ وہ اس نوجوان کا انتظار کرتی اور اسے مسلسل بہکاتی رہتی تھی، جس کی وجہ سے ایک رات وہ نوجوان بھی بہک گیا اور گناہ کے لیے تیار ہوگیا اور اُس عورت کے پیچھے اُس کے گھر میں چلا گیا، اللہ کی شان کہ عین اُسی وقت اُسے قرآنِ پاک کی ایک آیت یاد آئی، ارتکابِ معصیت سے پہلے ہی اس کی زبان پر کلامِ الٰہی کی یہ آیت جاری ہوگئی جس میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾﴾ (الأعراف : ٢٠١)

’’بالیقین جو متقی ہیں جب (عارضی طور پر) کوئی خطرہ اور وسوسہ اُنھیں شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ فوراً سنبھل کر اللہ کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں، یکایک اُن کی (بصیرت کی) آنکھیں کھل جاتی ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا دھیان اور قرآن یاد آتے ہی وہ نوجوان فوراً بے ہوش ہو کر گر گیا، اُس عورت نے اپنی باندی کو بلایا، دونوں نے مل کر اُس نوجوان کو اُٹھایا اور اس کے دروازے پر رکھ آئے، جب اس کے والد اس کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ان کا فرزند دروازے پر بے ہوش پڑا ہے، تو اس نے گھر والوں کو بلایا اور نوجوان کو اُٹھا کر اندر لے گئے،

رات کا ایک حصّہ گزر جانے کے بعد جب اُسے افاقہ ہوا تو والد نے اس سے پوچھا: بیٹے! تجھے کیا ہوا؟ اس نوجوان نے کہا کہ میں ٹھیک ہوں، جب باپ نے اصرار کیا تو اُس نوجوان نے پوری سرگزشت بیان کر دی، والد نے پوچھا: بیٹے! آخر کونسی آیت تیری زبان پر جاری ہوئی جس کا یہ اثر ہوا؟ نوجوان نے وہی آیت پڑھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب حرکت دی گئی تو پتا چلا کہ وہ جاں بحق ہو چکا ہے، اُسے رات ہی کو غسل دے کر دفن کر دیا گیا۔

صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کی خبر ملی تو آپ بہت متاثر ہوئے، اپنے رُفقا کے ساتھ اُس سعادت مند نوجوان کی قبر پر تشریف لائے اور دُعا کے بعد فرمایا: اے نوجوان! حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾﴾ (الرحمن : ٤٦)

''جو بندہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اُس کے لیے دو جنّتیں ہیں۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو قبر سے آواز آئی کہ حق تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ میرے ساتھ پورا کر دیا۔[۱] سبحان اللہ۔

وَساوِس کو دفع کرنے کے لیے کچھ وظائف:

(۱) جب بھی کوئی وسوسہ ایمان وعقائد کے متعلّق آئے، مثلاً اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہوگا؟ وغیرہ، تو بار بار یہ وظیفہ پڑھنا شروع کر دیں:

"أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه."

جب تک وسوسہ دور نہ ہو اس وظیفے کو پڑھتے رہیں۔

(۲) دوسرا وظیفہ ایک دُعا ہے جسے بار بار پڑھتے رہیں:

---

(۱) كنز العمّال / باب في القرآن / سورة الرحمٰن، الرقم : ٤٦٣٤.

" يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلىٰ دِيْنِكَ."

''اے دِلوں کو پلٹنے والے، میرے دِل کو اپنے دین توحید پر ثابت قدم رکھیے۔''
یعنی دین وایمان میرے دِل میں راسخ فرما دیجیے، تا کہ بُرے خیالات سے نقصان نہ ہو۔

(۳) تیسرا وظیفہ ہے:

" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ."

وسوسے کے مریض کو روزانہ اس کی ایک تسبیح پڑھنی ہے۔

(۴) چوتھا وظیفہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے، جب بھی وسوسہ آنے لگے تو اس آیت کو بار بار پڑھنا شروع کر دیں:

﴿رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾﴾
(المؤمنون : ۹۷ - ۹۸)

''اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے (بھی) تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

ان تمام وظائف کا ہمیں اہتمام کرنا ہے، دُعاؤں کا بھی اہتمام کرنا ہے، اور بُرے خیالات اگر دِل میں آئیں تو اُن سے پریشان ہونے کے بجائے اُن سے توجّہ ہٹالی جائے۔

اللہ تعالیٰ شیطان مردود سے اور اُس کے حربوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، نفس کی مکّاریوں سے بچائیں اور ہمارے جتنے بھی بھائی ڈپریشن، ٹینشن اور وَساوِس جیسی مشکلات سے پریشان ہیں اللہ تعالیٰ سب کی پریشانیوں کو ختم فرمائیں، ربِ کریم ہمارے تمام بھائیوں اور بہنوں کو وَساوِس کی بیماری سے نجات عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

عطر اور خوشبو فضائل و فوائد

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَا طَابَتِ الدُّنْيَا إِلَّا بِذِكْرِه، وَلَا طَابَتِ الآخِرَةُ إِلَّا بِعَفْوِه، وَلَا طَابَتِ الْجَنَّةُ إِلَّا بِرُؤْيَتِه، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِه الَّذِيْ تَفُوْحُ رَائِحَةُ سُنَنِه الطَّيِّبَةِ دَائِمًا بِمَنِّهِ وَكَرَمِه. أَمَّا بَعْدُ.

فَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ".(۱)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدُّهُ، فَإِنَّهُ خَفِيفُ الْمَحْمِلِ، طَيِّبُ الرِّيحِ".(۲)

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِطِيبٍ لَمْ يَرُدَّهُ".(۳)

تمہید:

قابل صد احترام معزز سامعین کرام! آج کی اس بابرکت مجلس میں ہم ایک اہم عنوان عطر اور خوشبو لگانے کے متعلّق بات کریں گے، عطر اور خوشبو کے استعمال کے متعلّق شرعی ہدایات کیا ہیں؟ اُس کے آداب کیا ہیں؟ ان اُمور کو ہم چار حصوں میں تقسیم کریں گے: (۱) عطر اور خوشبو لگانے کے فضائل وفوائد (۲) عطر اور خوشبو کے متعلّق کچھ آداب اور ہدایات (۳) عطر اور خوشبو کے استعمال کے مواقع اور اوقات (۴) عطر اور خوشبو کے متعلّق کچھ غلط فہمیاں۔ عطر اور خوشبو کی مناسبت سے ان چار عناوین پر ہم بات کریں گے۔

---

(۱) سنن النسائي / كتاب عشرة النساء / باب حبّ النساء، الرقم : ۳۹۳۹.
(۲) صحيح مسلم / كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها / باب استعمال المسك. الرقم : ۲۲۵۳.
(۳) مسند أحمد / مسند أنس بن مالك رضي الله عنه. الرقم : ۱۲۱۷٦.

عطر اور خوشبو کے فضائل وفوائد:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ خوشبو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوبات اور آپ کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدنِ مبارک ہی سراپا معطّر تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار تھا، جس کو ہم نعت شریف میں سنتے رہتے ہیں کہ

ایسی خوشبو چمن کے گلوں میں کہاں؟

جو نبی کے پسینے میں موجود ہے

توکسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُه فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ القَاعُ وَالأَكَمُ

یعنی اے وہ ذات! جن کا جسد اطہر زیر زمین مدفون ہے، لیکن آپ کے اعضا کی خوشبو سے ہموار زمین اور پہار کی چوٹیاں تک معطّر ہیں۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حاصل ہے کہ میں نے مشک یا کسی بھی اور خوشبو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے سے زیادہ خوشبودار نہیں پایا۔

"وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ، وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ".(۱)

یہ ہمارے سرکار کی شان ہے کہ آپ کی ذاتِ اقدس سراپا خوشبودار ہے، آپ کا پسینہ مبارک مشک وعنبر، عود اور دُنیا کی ہر خوشبو سے زیادہ معطّر ہے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو لگانے کا خاص اہتمام فرماتے تھے، علاوہ ازیں عطر اور خوشبو صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی نہیں، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنّت رہی ہے۔

(۱) سنن الترمذي / أبواب البر والصلة / باب ما جاء في خلق النبي. الرقم : ۲۰۱۵.

چنانچہ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ چار چیزیں انبیائے کرام علیہم السلام کی سنّت رہی ہیں: (۱) حیاوشرم (۲) خوشبولگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔

" عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ: الْحَيَاءُ، وَالتَّعَطُّرُ، وَالسِّوَاكُ، وَالنِّكَاحُ."(۱)

اسی طرح مسند احمد کی ایک روایت ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی خوشبو کا ہدیہ رَد نہیں فرماتے تھے، اگر کوئی خوشبو کا ہدیہ پیش کرتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُسے ضرور قبول فرماتے تھے۔(۲)

نیز احادیث مبارکہ میں یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مشک وعنبر کی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔(۳) لہٰذا اگر کوئی عطر لگانے کی سنّت ادا کرنا چاہے اور ساتھ میں یہ بھی نیت ہو کہ جو خوشبو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمائی ہے اُسی کے ذریعے سنّت ادا کروں تو اُس کے لیے آسان ہے کہ وہ بیک وقت دونوں سنتوں پر عمل کرسکتا ہے کہ جب مشک وعنبر کا عطر استعمال کرے گا تو عطر لگانے کی سنّت بھی ادا ہوگی اور بطورِ خاص مشک کی خوشبو کے استعمال کی سنّت بھی ادا ہوجائے گی۔

اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی شریف کی ایک روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُس میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک خوشبودان تھا، جس میں سے آپ خوشبو کا استعمال فرماتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ

---

(۱) رواه الترمذي / أبواب النكاح عن رسول الله ﷺ / الرقم : ۱۰۸۰.
(۲) مسند أحمد، الرقم : ۱۲۱۷۶.
(۳) سنن النسائي / كتاب الزينة / العنبر، الرقم : ۵۱۱۶.

مِنْهَا". (۱)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک پر خوشبو لگایا کرتی تھیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِيَدَيَّ هَاتَيْنِ حِيْنَ أَحْرَمَ، وَلِحِلِّه حِيْنَ أَحَلَّ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ، وَبَسَطَتْ يَدَيْهَا". (۲)

اس میں ہماری ماؤں بہنوں کے لیے سنّت پر عمل کرنے کا بہترین سبق ہے کہ وہ بھی اپنے شوہروں کو کبھی اپنے ہاتھ سے عطر لگا دیا کریں، تا کہ سنّت بھی زندہ ہو سکے اور حسن معاشرت سے گھر کا ماحول بھی معطّر رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر جمعہ کے دِن مسجد نبوی کو خوشبو کی دھونی دی جاتی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی خالص عود کی دھونی دیتے تھے اور کبھی اُس میں کافور کی ملاوٹ کے ساتھ خوشبو کی دھونی دیتے تھے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ: "كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا اسْتَجْمَرَ اسْتَجْمَرَ بِالْأَلُوَّةِ غَيْرَ مُطَرَّاةٍ، وَبِكَافُورٍ يَطْرَحُه مَعَ الْأَلُوَّةِ، ثُمَّ قَالَ: "هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُولُ اللهِ ﷺ". (۳)

ان احادیث مبارکہ اور دیگر بہت سی روایات سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپ کی ذاتِ اقدس کی جانب سے خوشبو کا کس قدر اہتمام ہوتا تھا، پھر ان احادیث میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ خود اپنے بدن کو بھی خوشبو سے

---

(۱) سنن أبي داود / أول كتاب الترجل / باب ما جاء في استحباب الطيب. الرقم : ٤١٦٢

(۲) صحيح البخاري / كتاب الحج / باب الطيب بعد رمي الجمار...الخ. الرقم : ١٧٥٤.
وفي كتاب اللباس / باب الطيب في الرأس واللحية، الرقم : ٥٩٢٣.

(۳) صحيح مسلم / باب استعمال المسك وأنه أطيب الطيب. الرقم : ٢٢٥٤.

معطّر رکھنا چاہیے، نیز مساجد اور اپنے گھر کو بھی معطّر رکھنا چاہیے، تا کہ بد بو نہ آئے اور نمازیوں کی نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہو سکے، مسجد میں خوشگوار فضا پیدا ہونے کی وجہ سے پورے اطمینان اور دِل ودِماغ کی حاضری ونشاط کے ساتھ تمام مصلی نماز ادا کر سکیں، غرض یہ کہ ہمیں اپنے بدن، گھر اور مسجد تینوں کو خوشبو سے معطّر رکھنا چاہیے۔

دُھونی دینا بھی سنّت ہے:

علاوہ ازیں ان احادیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح عطر لگانا سنّت ہے اسی طرح دھونی دینا بھی سنّت ہے، یہ سنّت ہمارے ملک میں اکثر متروک ہو رہی ہے، دھونی کی سنّت پر کم ہی لوگ عمل کرتے ہیں، عرب ممالک میں آج بھی اس کا رِواج ہے، وہ لوگ اپنے بدن کو بھی دھونی دیتے ہیں، ڈاڑھی کے نیچے کی جانب دھونی لیتے ہیں، تو ہمیں اس دھونی کی سنّت کو ہمارے علاقوں میں زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عطر لگانے کا طریقہ:

حدیث پاک سے عطر لگانے کا کوئی خاص سنّت طریقہ ثابت نہیں ہے، صرف عطر لگانا اور خوشبو استعمال کرنا سنّت ہے، اس کے لیے مستقل کوئی طریقۂ مسنونہ نہیں ہے، لہٰذا کسی بھی ایک طریقے کے متعلّق یہ نہ کہا جائے کہ یہ عطر اور خوشبو لگانے کا سنّت طریقہ ہے، بہت سی چیزیں جو شریعت مطہرہ میں آسان ہوتی ہیں ہم اُنھیں اپنی جانب سے بڑھا کر مشکل بنا دیتے ہیں، لہٰذا شریعت نے جس چیز میں سہولت رکھی ہے ہم اُس میں اپنی جانب سے تنگی پیدا کرنے والے نہ بنیں، لوگ الگ الگ طریقے اپنی جانب سے رائج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح عطر لگانا سنّت ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایک معین طریقہ ثابت ہی نہیں ہے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ طریقہ سنّت ہے؟

ہمارے اکابر نے اپنی کتابوں میں، اپنے مواعظ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ عطر لگانے کا متعین طور پر کوئی ایک طریقہ ثابت نہیں ہے، پھر کسی ایک طریقے کو ہم سنّت سمجھ کر اس پر عمل کریں تو یہ غلط ہے اور اُمت کو اُس خاص طریقے میں جکڑ نا بھی غلط ہے۔

البتہ شریعت اسلامیہ میں ہر پسندیدہ کام کو داہنی جانب سے شروع کرنے کا حکم ہے، ''تیامن'' یعنی پسندیدہ امور کی ابتدا داہنی جانب سے کرنا حدیث پاک سے بھی ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِيْ تَنَعُّلِه، وَتَرَجُّلِه، وَطُهُوْرِه فِيْ شَأْنِه كُلِّه".(۱)

اس کے پیش نظر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ عطر لگاتے وقت اوّلاً عطر کو دونوں ہاتھوں میں ملیں، پھر بائیں ہاتھ سے اپنی داہنی جانب سے عطر لگانا شروع کریں، تو یہ تیامن یعنی داہنی جانب سے شروع کرنے کی سنّت ہوگی۔

مردوں اور عورتوں کی خوشبو کا فرق:

عطر اور خوشبو کے متعلّق ترمذی شریف کی روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردوں (Male) کو ایسی خوشبو لگانی چاہیے جو مردوں کے مناسب ہو اور عورتوں (Female) کو عورتوں والی خوشبو استعمال کرنی چاہیے۔ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورتیں بھی خوشبو استعمال کر سکتی ہیں۔

مردوں کی خوشبو اور عورتوں کی خوشبو میں فرق کیا ہے؟ اُسے بھی حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ مردوں والی خوشبو وہ ہے جس میں مہک زیادہ ہو، وہ زیادہ پھیلنے والی ہو، اور

(۱) صحيح البخاري / كتاب الوضوء / باب التيمّن في الوضوء والغسل، الرقم : ١٦٨.

اُس کا رنگ پھیکا ہو، یعنی بہت زیادہ گہرا (Dark Color) رنگ نہ ہو، جب کہ اس کے برعکس عورتوں کی خوشبو کی مہک کم ہونی چاہیے، یعنی جو بہت زیادہ پھیلنے والی نہ ہو، البتہ اُس کا رنگ گہرا ہوگا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُه، وَخَفِيَ لَوْنُه، وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُه وَخَفِيَ رِيحُه".(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے جس کی مہک تیز ہو اور اُس کا رنگ ہلکا ہو، جب کہ عورتوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے جس کا رنگ گہرا ہو اور مہک ہلکی ہو۔''

حکمت اُس کی یہی ہے کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، لہٰذا اُس کی خوشبو بھی ایسی ہونی چاہیے جو چھپ سکے، اور جب کم مہک والی خوشبو ہوگی تو وہ زیادہ ظاہر نہیں ہوگی، اندازہ لگائیے کہ شریعت اسلامیہ میں عورت کی کس قدر رعایت کی گئی ہے کہ ستر یعنی چھپانے کے مدنظر اُس کی خوشبو بھی اُسی کی ذات تک محدود رکھی گئی، تاکہ نامحرم تک اُس کی بو بھی نہ پہنچ پائے۔

علاوہ ازیں ایسی عورت جو بالارادہ ایسی خوشبو استعمال کرے جس کی مہک نامحرم تک پہنچے، تو اُسے زانیہ کہا گیا ہے، مسند احمد کی روایت ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ، فَمَرَّتْ بِقَوْمٍ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا، فَهِيَ زَانِيَةٌ"(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو زیادہ پھیلنے والی خوشبو استعمال کرنی ہے، جس کا رنگ پھیکا ہو، لہٰذا مردوں کو چاہیے کہ جب وہ عطر اور خوشبو لگائیں تو اولاً ہاتھوں میں اُس کو خوب مل

(۱) سنن الترمذي / باب ما جاء في طيب الرجال والنساء. الرقم : ۲۷۸۷.
(۲) مسند أحمد / أول مسند الكوفيين / حديث أبي موسى رضي الله عنه. الرقم : ۱۹۷۱۱.

لیں، پھر اُنھیں اچھی طرح سے رگڑ کر لگائیں، تاکہ اُس کی خوشبو خوب پھیل جائے اور کپڑوں میں اُس کے رنگ کے داغ اور دَھبے وغیرہ نہ لگ جائیں۔

عطر اور خوشبو کے آداب وہدایات:

عطر کے متعلّق سب سے پہلا اَدب یہ ہے کہ جب ہم کسی مجمع میں جائیں، مثلاً مسجد میں جائیں جہاں بہت سے مصلیان جمع ہیں، جہاں ہماری لگائی ہوئی خوشبو دوسروں تک پہنچ رہی ہو تو ہمیں چاہیے کہ اچھّی خوشبو والا عطر استعمال کریں، جس کی خوشبو سب پسند کرتے ہوں، یہ نہ ہو کہ ہم سڑک کے کنارے سے سستا اور گھٹیا عطر خرید لیں، پھر خوشبو کی سنّت کے بہانے سب لوگوں کو پریشان کر دیں، اس لیے کہ کئی عطر ایسے ہوتے ہیں جن کی گھٹیا قسم کی خوشبو سے سر چکرانے لگتا ہے، اب مجمع میں کثیر تعداد میں لوگ ہوں گے تو سب اس گھٹیا خوشبو (بدبو ہی کہنا چاہیے) سے پریشان ہوں گے۔

پھر بہت سے حضرات اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ خود اس قسم کی گھٹیا خوشبو لگا لیں، بلکہ مجمع میں پہنچ کر اس کو ہدیۃً تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح اپنی کرم فرمائی کا نشانہ بے قصور لوگوں کو بناتے ہیں، اب خوشبو کے ہدیے کو کوئی رَد بھی نہیں کر سکتا، تو کچھ لوگ مجبوری میں مروّۃً اور اخلاقاً ہاتھ میں لگا تو لیتے ہیں، پھر نظر بچا کر صف وغیرہ پر ہاتھ گھس کر اپنی جان چھڑاتے ہیں، اس کو ہدیہ ہرگز نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ ایک طرح کی اخلاقی دہشت گردی ہے، جسے روکنا بھی کارے دارد۔

عطر لگانا سنّت اور ایذائے مسلم حرام ہے:

اس موقع پر ایک پوئنٹ کی بات نوٹ کر لیں کہ ہر ایک کا مزاج اور طبیعت مختلف (Different) ہوتی ہے، وہ عطر جس کی خوشبو ایک کو پسند ہو ضروری نہیں کہ دوسرے کو بھی

پسند ہو، بہت سے لوگوں کو عطر کی (Allergy) ہوتی ہے، اُنھیں کچھ ہی خوشبو موافق آتی ہے، بقیہ تمام خوشبو سے اُن کو دردِ سر شروع ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ عود جیسے انتہائی قیمتی عطر کی خوشبو بھی اُنھیں موافق نہیں آتی، تو یہ مزاج بدلنا چاہیے کہ ہم سب ہی کو عطر لگائیں گے اور سب کو تقسیم کریں گے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ عطر لگانا سنّت ہے اور ایذائے مسلم حرام ہے، تو سنّت ادا کرنے کے لیے ہم حرام کا ارتکاب ہرگز نہ کریں، ایسی اچھّی خوشبو لگائیں جس کو سب پسند کرتے ہوں۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جب کوئی ہمیں مسجد میں یا کسی اور مجمع میں عطر کی بوتل کھول کر خوشبو لگانے کے لیے دے تو ہاتھ میں تھوڑا سا لگا کر بوتل واپس کردیں، اس لیے کہ یہ بوتل وقتی استعمال کے لیے دی گئی ہے، ہمیں بوتل کا مالک نہیں بنادیا گیا، بہت سے حضرات کو دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی کسی نے عطر لگانے کے لیے بوتل دی تو گویا وہ پہلے سے موقع کے انتظار ہی میں تھے کہ ایک دو بار نہیں، بار بار ہتھیلی میں عطر اُنڈیلتے جارہے ہیں اور لگاتے جارہے ہیں، یہاں تک کہ بوتل آدھی کردیتے ہیں اور اگر پہلے سے آدھی ہو تو خالی کرکے ہی دَم لیتے ہیں، یہ طریقہ ہرگز مناسب نہیں۔

بعض مرتبہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی عطر لگانے کے لیے دیتا ہے تو وہ اُس کو دُعا دیتے ہیں: "أَطْيَبَكَ اللهُ بِطِيْبِ الْجَنَّةِ". یہ دُعا مسنون نہیں ہے، پھر عربی زبان کے اعتبار سے بھی غلط ہے، اِس موقع پر دُعا دینی ہو تو "طَيَّبَكَ اللهُ بِطِيْبِ الْجَنَّةِ". کہہ سکتے ہیں، جس کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنّت کی خوشبو سے معطّر فرمائیں۔ لیکن یاد رہے کہ اِسے مسنون دُعا سمجھ کر نہ کہیں۔ اس موقع پر ہم شکر ادا کرتے ہوئے "جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا". بھی دُعا

میں کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح ایک بات یہ بھی یاد رکھنی ہے کہ جیسے کپڑوں پر خوشبو لگانا سنّت ہے سر اور ڈاڑھی پر بھی خوشبو لگانا سنّت ہے۔[۱] پھر ایک ادب یہ بھی ہے کہ عطر کو خوب رگڑ کر لگایا جائے، تاکہ اُس کا داغ وغیرہ نہ لگ سکے، نیز عطر اور خوشبو ایسے استعمال کرنے ہیں جن میں الکحل ملا ہوا نہ ہو، ورنہ فائدے کے بجائے نقصان ہوگا، اس سے سر چکرانے لگتا ہے، لہٰذا عطر اور خوشبو ہمیشہ عمدہ ہی استعمال کرنے چاہیے، تاکہ خود بھی راحت پاسکیں اور دوسروں کو بھی راحت پہنچے، عطر کا سب سے بڑا فائدہ ہی یہ ہے کہ اُس سے دِل و دِماغ معطّر ہوکر تازگی محسوس کرتے ہیں، طبیعت میں نشاط (Freshness) آجاتا ہے، مجالس ومحافل کی فضا خوشگوار بن جاتی ہے اور روح ایک وجدانی کیفیت محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں جیسی پاک صاف، نیک اور فرماں بردار مخلوق کو بھی خوشبو پسند ہے، وہ خوشبو سے قریب ہوتے ہیں، جب کہ شیاطین خوشبو سے دور بھاگتے ہیں۔[۲]

عطر اور خوشبو لگانے کے (۱۰) اَہم مواقع:

اب ہم بات کریں گے کہ عطر اور خوشبو کن مواقع پر لگانی چاہیے؟ شرعی اعتبار سے اس کے لیے کوئی وقت اور موقع لازم نہیں ہے، کبھی بھی کسی بھی وقت عطر اور خوشبو لگا سکتے ہیں، یہاں ہم ایسے دس مواقع ذکر کریں گے جن میں خوشبو لگانا بہتر اور اچھّی بات ہے:

(۱) جمعہ کے دِن عطر اور خوشبو لگانا سنّت ہے۔[۳] لہٰذا جمعہ کے دِن خوشبو لگانی چاہیے۔

(۱) صحيح البخاري، الرقم : ٥٩٢٣.
(٢) زاد المعاد : ٤ / ٢٥٧.
(٣) سنن ابن ماجه، الرقم : ١٠٩٨.

(۲)عیدین یعنی عید الفطر وعید الاضحیٰ کے مواقع پر۔

(۳)تہجد کی نماز کے لیے بیدار ہوں تو وضو سے فارغ ہو کر عطر لگائیں، تاکہ طبیعت میں تازگی محسوس ہو اور نشاط پیدا ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں تہجد کا اہتمام کرنے والا بنا دیں۔

(۴)وضو کے بعد نماز سے پہلے خوشبو لگائیں، تاکہ مسجد میں خود اور دوسروں کو بھی فائدہ ہو، نیز یہ نماز میں خشوع وخضوع بڑھانے میں معین بھی ثابت ہوگا۔

(۵)احرام کی نیت سے پہلے خوشبو لگائیں۔[1] یہاں مسئلے کی باریکی کو سمجھ لیں کہ خوشبو لگانا احرام کے ممنوعات میں سے ہے، لہٰذا نیت اور تلبیہ کے بعد خوشبو لگانا ممنوع ہے، اگر لگائیں گے تو مسئلہ کھڑا ہو جائے گا، اس لیے احرام کی نیت کرنے سے پہلے بدن پر اور احرام کے کپڑے پر اچھی طرح خوشبو لگا لیں، خوب لگا لیں، اس وقت پوری بوتل بھی خالی ہو جائے تو پرواہ نہ کریں، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حاضری کی سعادت بخشی ہے تو خوب دِل کھول کر خوشبو لگا لیں، لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ احرام کی چادر پر عطر اور خوشبو کا داغ نہ لگنے پائے، لہٰذا خوب رگڑ کر خوشبو لگائیں۔

(٦)مباشرت یعنی میاں بیوی کے ہم بستر ہونے سے پہلے خوشبو لگائیں، تاکہ ایک دوسرے کو بدبو محسوس نہ ہو اور خوشبو سے میلان بڑھے، بہتر یہ ہے کہ اُس کمرے کو بھی معطّر کر دیا جائے۔

(۷)مجالس ومحافل اور عام مجمع (Parties) میں جانے سے پہلے خوشبو لگا لیا کریں، اسی طرح مسجد میں وعظ کی مجلس ہو یا اجتماع کا موقع ہو تو خوشبو لگائیں، ایسے موقع پر جہاں عام مجمع ہو اور کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوں تو خوشبو اس نیت سے لگائیں کہ مجھے بھی راحت محسوس ہوگی اور کسی دوسرے کو مجھ سے تکلیف نہیں ہوگی۔

---

(۱) صحيح البخاري، الرقم: ۱۷۵٤.

زیادہ تعداد میں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں عموماً بدبو اس وجہ سے بھی محسوس ہوتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ روزانہ غسل نہیں کرتے، کچھ لوگ تو صرف جمعہ ہی کے دِن غسل پر اکتفا کرتے ہیں، اب ظاہر سی بات ہے کہ ایسے لوگ مجمع عام میں شرکت کریں گے تو اُن کے پسینے کی بدبو دوسروں تک پہنچے گی اور سب کی ایذا رسانی کا باعث ہوگی، عام طور پر کسی انسان کو خود کی بدبو محسوس (Feel) نہیں ہوتی، دوسروں کو اُس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، پھر ایسے لوگ جب کسی سے مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے پسینے کی بدبو سے بجائے محبّت کے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، پھر اسی آزمائش پر بس نہیں، یہ لوگ معانقہ کے بھی شیدائی ہوتے ہیں، معانقہ میں اِظہارِ محبّت زیادہ ہوتا ہے، لیکن ایسے لوگوں سے جب معانقہ ہوتا ہے تو اِتنی تکلیف ہوتی ہے کہ اُسے معانقہ کہنے کے بجائے ''گلے پڑنا'' ہی کہا جائے تو موزوں ہوگا، کیوں کہ عموماً مصیبت ہی ''گلے پڑتی'' ہے۔

ایسے مواقع پر سنّت طریقوں کے اہتمام کے فوائد اچھّی طرح سمجھ میں آتے ہیں کہ کیوں غسل کرنا اور مسواک کرنا سنّت ہے، اور کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، جس طرح غسل سے بدن کی بدبو دور ہوتی ہے اسی طرح مسواک سے منہ کے اندرون کی بدبو دور ہو جاتی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں تو بدبو کا تصوّر ہی نہیں، لیکن آپ نے تعلیم اُمت کی خاطر بہ کثرت مسواک فرمایا۔

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دِن کی ابتدا مسواک سے فرماتے تھے۔(١)

نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے۔(٢)

---

(١) مسند أحمد / مسند عبد الله بن عمر، الرقم : ٥٩٧٩.

(٢) صحيح المسلم / كتاب الطهارة / باب السواك، الرقم : ٢٥٣.

(۸) جب عورت اپنے ایامِ حیض ونفاس سے فارغ ہو جائے اور غسل کر لے تو غسل کے بعد جو کپڑے پہنے اُس پر خوشبو لگائے، لیکن جیسا کہ گزر چکا اس بات کا خیال رکھے کہ خوشبو زیادہ پھیلنے والی اور تیز نہ ہو، خوشبو کم پھیلنے والی استعمال کرے، تا کہ وہ نامحرموں تک نہ پہنچ سکے، اس احتیاط کے ساتھ عورت خوشبو لگائے۔

(۹) وہ حضرات جو درس وتدریس سے وابستہ ہیں، تعلیم دین جن کا مشغلہ ہے، قرآن وحدیث اور اُن سے متعلّق علوم پڑھاتے ہیں اُن کے لیے مجلس درس شروع ہونے سے پہلے خوشبو لگانا یہ ادب میں داخل ہے، تا کہ مجلس درس معطّر ہو، سب کو تازگی اور نشاط محسوس ہو، تمام طلبہ نشاط سے حاضر ہوں اور افادہ واستفادہ میں خوب برکت ہو۔

(۱۰) تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کے وقت خوشبو لگائیں، یہ قرآنِ پاک اور اللہ تعالٰی کے نام کی عظمت میں داخل ہے۔

یہ کل دس مواقع ہیں، جن میں سے بعض میں خوشبو لگانا سنّت ہے، تو ان مواقع میں خوشبو لگانے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

عطر اور خوشبو کے متعلّق کچھ غلط فہمیاں:

ہمارے معاشرے میں عطر اور خوشبو کے متعلّق کچھ عام غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ رات کے وقت عطر اور خوشبو لگانے سے شیطانی اثرات ہو جاتے ہیں، جنات پریشان کرتے ہیں، اسی طرح یہ غلط فہمی بھی بہت عام ہے کہ چھوٹے بچّے کو عطر وخوشبو لگانے سے اُس پر شیطان وجنات کے اثرات ہوتے ہیں، تو یاد رہے کہ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنے سے کوئی تکلیف میں مبتلا ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں عطر اور خوشبو سے فرشتے قریب ہوتے ہیں اور شیاطین دور بھاگتے ہیں، لہٰذا اس کے برعکس غلط فہمی رکھنا یہ بے قوفی ہے، اگر کسی کو کسی عطر کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوئی ہو تو وہ شیطانی اثر نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اُس عطر میں الکحل جیسے نقصان دہ مواد زیادہ مقدار میں ہوں، اُن سے سر چکرانے جیسی تکلیفیں ہوسکتی ہیں، تو یہ تکلیفیں خوشبو کی وجہ سے شمار نہیں ہوں گی، بلکہ اُن کیمیکل کی وجہ سے ہوگی جو بعض عطر میں ملائے جاتے ہیں۔

اسی طرح چھوٹے بچّے کو پاک اور صاف رکھا جائے تو کبھی اُس پر شیطانی اثر نہیں ہوگا، شیاطین تو گندی اور ناپاک جگہوں پر ہوتے ہیں، اگر بچّے کی صفائی ستھرائی کا اچھی طرح خیال نہ رکھا جائے، اُسے گندگی میں رکھا جائے، ناپاک رکھا جائے تو شیطانی اثر اُس پر ہوسکتا ہے، اُسے پاک وصاف رکھنے کے اہتمام کے ساتھ خوشبو میں رکھا جائے تو شیاطین اُس سے دور رہیں گے، لہٰذا چھوٹے بچّوں کو بھی عطر وخوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہمیں اپنے معاشرے سے بے دینی والی جاہلانہ سوچ اور غلط فہمیاں دور کرنے کی ضرورت ہے، بے بنیاد باتوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اللہ عزّ وجل ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں، ہماری جہالت دور فرمائیں، ہمیں اتباعِ سنّت کی توفیق نصیب فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں جہاں میں خوشگواری نصیب فرمائیں، دنیا کے ساتھ ہماری آخرت بھی جنّت کی خوشبو سے معطّر فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِین.

بچّوں کے بگاڑ کی
تین بڑی وجوہات

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الذِيْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ، وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الذِّيْ أَوْصَانَا بِتَأْدِيْبِ الأَوْلَادِ وَتَعْلِيْمِهِمْ. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان : ٧٤)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحريم : ٦)

تمہید:

محترم سامعین کرام! آج کی اِس مجلس میں ہم ایسی تین وجوہات کے بارے میں بات کریں گے جو ہمارے بچّوں کے بگڑنے کے بڑے اسباب میں سے ہیں، والدین سے اپنی اولاد کی تربیت میں کچھ کمی وکوتاہی ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں بچّوں میں غیر شعوری طور پر بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، اُن میں یہ تین باتیں بڑی اہم ہیں۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہیں، جن کی صحیح تربیت کرنا والدین کی اہم ذمّے داریوں میں سے ہے، اولاد کی تربیت کے لیے اُن کے ساتھ پیار ومحبّت اور روک ٹوک میں اعتدال (Balance) برتنا نہایت ضروری ہے، ایک طرف پیار وُدلار بھی ہو اور دوسری طرف اُن کی صحیح نگہبانی بھی ہو کہ بچّے جب بھی کوئی غلط اور نامناسب کام کریں تو اُنھیں فوراً ٹوک کر صحیح بات سمجھائیں، نرمی اور سختی میں اعتدال نہ ہونے کی وجہ سے بچّے بگڑ جاتے ہیں، کسی نے بڑا پیارا جملہ کہا ہے کہ ''نہ ڈِھیلے بنو اور نہ ڈھیلے (مٹّی کا ٹکڑا) بنو''، بعض

لوگ بچّوں کے ساتھ برتاؤ میں اِتنے ڈِھیلے اور نرم ہوتے ہیں کہ اُن کو پیار، دُلار اور محبّت میں کبھی کسی نامناسب اور غلط کام سے روکتے ہی نہیں، ایسی محبّت بھی بچّوں کو بگاڑ دیتی ہے، اور بعض لوگ اولاد کے ساتھ اِتنا سخت رویّہ رکھتے ہیں کہ بچّے ہمیشہ اُن سے دور ہی بھاگتے ہیں، اس سے بھی بچّوں کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی، توہمیں نہ ڈِھیلا بننا ہے اور نہ ڈھیلا بننا ہے، بلکہ اعتدال کے ساتھ رہنا ہے۔

حد سے زیادہ نرمی، پیار اور دُلار کے نتیجے میں جو تین قسم کی غلطیاں والدین سے ہو جاتی ہیں اُن کے متعلّق ہم تفصیل سے بات کریں گے۔

اولاد کی ہر خواہش پوری کرنا:

(۱) اُن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ کچھ والدین اپنی اولاد کے تئیں فرطِ محبّت میں اُن کی ہر خواہش کو پورا کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، ہر حال میں اُن کی ہر خواہش کی تکمیل کرتے ہیں، بچّے نے جو کچھ بھی مانگا اُس کو حاضر کردیا، یہ غلطی زیادہ تر اُن والدین سے ہوتی ہے جو اقتصادی اعتبار سے مضبوط ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں اپنے بچّوں کے لیے اِسی دُنیا میں جنّت بنا دینا چاہتے ہیں کہ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ﴾ جو بھی چاہو گے فوراً حاضر پاؤ گے، حالانکہ یہ بات تو جنّت میں اہل جنّت کے لیے ہوگی۔

اس بارے میں والدین کا متفق ہونا بھی بہت ضروری ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ بچّوں کی غیر ضروری یا نامناسب طلب پر اُن کو منع کرنے اور اُس چیز کے نقصان کو سمجھانے میں والدین متفق نہیں ہو پاتے، کبھی باپ کی طرف سے تو کبھی ماں کی طرف سے اِس سلسلے میں کوتاہی ہو جاتی ہے، مثلاً چھوٹے بچّے نے قیمتی موبائل فون کا مطالبہ کیا کہ مجھے نیا فون چاہیے، باپ منع کر رہا ہے اور سمجھا رہا ہے کہ بیٹا! یہ تمھارے لیے فی الحال مناسب نہیں، ٹھیک اُسی

وقت شفقت مادری موج زن ہوتی ہے اور امّی جان ارشاد فرما دیتی ہیں کہ لا دیجیے! پہلی ہی مرتبہ تو مانگ رہا ہے، وہ ہمارے پاس نہیں مانگے گا تو کس سے مانگے گا؟ اور کبھی اس کے برعکس امّی جان منع کرتی ہیں اور سمجھاتی ہیں تو شفقت پدری جوش میں آجاتی ہے کہ دے دو! کیوں منع کرتی ہو؟ آخر اولاد کے لیے تو کماتے ہیں، پھر اُن پر خرچ نہیں کریں گے تو کماتے کیوں ہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دونوں ہی جذبات حد اعتدال سے خارج ہیں، صحیح تربیت کے لیے جب تک والدین آپس میں متفق نہ ہوں اولاد کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی۔

ہر خواہش پوری کرنے کے دوررَس نقصانات:

عام طور پر یہ غلطی اُن اصحابِ ثروت میں دیکھی جاتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے۔ بچّوں کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے دوررَس نقصان کو بھی سامنے رکھیں اور سوچیں کہ مستقبل میں اگر سخت حالات کا سامنا ہوا اور طرح طرح کی خواہشات پوری ہونا مشکل ہو گیا تو اُس وقت بچّے کیا کریں گے؟

مثلاً گھر میں بیٹی ہے، باپ اپنے مال و دولت کی وجہ سے اُس کی ہر خواہش پوری کر رہا ہے کہ ''پانی مانگے تو دودھ حاضر'' تو بیٹی کی عادت بن جائے گی کہ جس چیز کی بھی ضرورت ہو فوراً حاضر ہونی چاہیے، ''نا'' سننے کی اُسے عادت ہی نہیں، کل کو جب یہ بچّی جوان ہو گی اور نکاح کر کے اپنے سسرال میں جائے گی، پھر وہاں پتا نہیں کہ اُس کا شوہر مالی اعتبار سے اُس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو گا یا نہیں، اگر شوہر تنگ دست ہے یا مالدار تو ہے لیکن قناعت پسند ہے تو ظاہری بات ہے کہ یہ بچّی اپنے سسرال میں پریشان ہو جائے گی یا سسرال والوں کے لیے وبالِ جان بن جائے گی، وجہ یہی ہے کہ اُس نے کبھی کسی چیز کے لیے ''نا'' سنا ہی نہیں، ''قناعت'' کا لفظ اُس کی لغت (Dictionary) میں ہے ہی نہیں،

کسی چیز کے بغیر بھی گزارا ہوسکتا ہے یہ اُس کے تصوّر ہی میں نہیں، کبھی اُس نے حالات کا سامنا اور مقابلہ (Struggle) کیا ہی نہیں، یہ سب والدین کی جانب سے صحیح تربیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

ایسے مواقع میں بعض مرتبہ نہایت سنگین مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں اور طلاق کی بھی نوبت آ پہنچتی ہے، جس کے ذمّے دار والدین ہی ہوتے ہیں، والدین اگر صاحب استطاعت ہیں جو ہر چیز کو خریدنے اور بسانے پر قادر ہیں، پھر بھی اپنی اولاد کو قناعت کرنا سکھائیں، کسی چیز کے دستیاب نہ ہونے پر کام کیسے نکالا جاتا ہے وہ بھی سکھائیں اور اس کی عادت ڈالیں، غرض کہ مختلف قسم کے حالات کے لیے خود کو کیسے موافق بنانا ہے اور کیسے (Set) ہونا ہے نیز حالات خود کے لیے کیسے سازگار بنائے جاسکتے ہیں، کیسے (Set) کیے جاسکتے ہیں، اولاد کا مستقبل کامیاب بنانے کے لیے دونوں باتیں عملی طور پر اُن کو سکھانے کی ضرورت ہے۔

بچّوں کے مطالبات پورے کرنے کا معیار:

بہت سے والدین بچّوں کے ہر مطالبے (Demand) پر اوّلاً یہ سوچتے ہیں کہ جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے اُس کا خرچ میری جیب برداشت کر پائے گی یا نہیں؟ وہ چیز (Affordable) ہے یا نہیں؟ اگر خریدنے کی قوت ہے تو فوراً خرید کر حاضر کردیتے ہیں، وہ منع تب ہی کرتے ہیں جب چیز بہت زیادہ مہنگی ہو اور خود کی جیب اُس خرچ کو برداشت نہ کر پائے۔ حالانکہ یہ نقطۂ نظر غلط ہے، ہونا یہ چاہیے کہ بچّوں کے کسی بھی مطالبے پر اوّلاً یہ سوچیں کہ اُس چیز میں بچّے کا فائدہ کیا ہے؟ نقصان کیا ہے؟ بچّے کے لیے اُس کی عمر کے لحاظ سے وہ چیز کس قدر مناسب ہے؟ مثلاً پانچ سات سال کے بچّے نے مہنگے موبائل فون کا

مطالبہ کیا اور اُس کے ہاتھوں میں تھما دیا گیا، تو یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے، اِتنی عمر کا بچّہ اپنے نفع وضرر سے واقف نہیں ہوتا، یہ احساس وشعور کی عمر نہیں ہے، ایسے وقت میں والدین کی ذمّے داری بنتی ہے کہ اُسے موبائل فون کے نقصانات سمجھائیں، پھر جب بڑی عمر ہوتے اُس میں احساس وشعور اور اپنے نفع ونقصان پہچاننے کی سمجھ پیدا ہو تب اُسے موبائل فون لا کر دیں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

حاصل یہ کہ بچّوں کے مطالبات پورا کرنے کا معیار خود کی مالی صلاحیت کو نہ بنایا جائے بلکہ بچّوں کی ضرورت اور اُن کے نفع ونقصان کو مطالبات پورا کرنے کا معیار بنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالی فراوانی سے نوازا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم اپنی اولاد کے غیر ضروری چونچلے اپنی مالی صلاحیت کے اعتبار سے پورے کرتے رہیں، پھر خواہ اولاد بے حساب جیب خرچ (Pocket Money) ملنے کی وجہ سے نشے اور (Smoking) کی عادی ہی کیوں نہ بن جائیں اور اپنے یاروں دوستوں کے درمیان عیاشی و آوارگی میں پیسے لٹاتی رہیں اور برباد ہوتی رہیں۔

تو پہلی بنیادی غلطی جو والدین سے ہوتی ہے وہ یہ کہ اولاد کی ہر خواہش ہر حالت میں پوری کی جاتی ہے، اولاد کے مطالبات پورے کرنے کا صحیح معیار منتخب نہیں کیا جاتا۔

اولاد کو بے انتہا سہولیات فراہم کرنا:

(۲) والدین کی جانب سے اولاد کی تربیت میں ہونے والی دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی اولاد کو بے حد تن آسانی و من آسانی میں جینے کی عادی بنا دیتے ہیں، اُن کا طرزِ زندگی (Life Style) بے حد بلند بنا دیتے ہیں، اُنھیں پر تعیش زندگی Luxurious Life مہیّا کرانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے، اُنھیں زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور دُھوپ

چھاؤں سے کبھی آشنا ہونے کا موقع ہی نہیں دیتے، مانا کہ اولاد کی محبّت فطری طور پر ہر ایک کو ہوتی ہے اور اُس محبّت کے تقاضے بھی ہوتے ہیں، لیکن غیر ضروری تقاضوں کو پورا کرنا اولاد کو کمزور بنا دے گا، حد سے زیادہ تن آسانی اُنھیں بہت سے ہنگامی حالات کے ضروری تجربات (Experiences) سے محروم کر دے گی۔

مثلاً ایک چودہ پندرہ سالہ بچّہ جو ہر قسم کے اسبابِ تعیّش اور سہولیات میں پلا بڑھا ہو، اُس سے جب کہا جائے کہ بیٹا! تم ذرا یہ پیالہ دھو کر لے آؤ! تو وہ کہے گا کہ مجھے تو برتن دھونا آتا ہی نہیں، میں نے یہ کام کبھی خود کیا ہی نہیں، میرے گھر تین چار خادمائیں آتی ہیں وہی تمام برتن وغیرہ دھوتی ہیں، پھر مجھے کیا برتن دھونے کی ضرورت ہے؟ بہت سے متموّل حضرات اس بات کو اپنے اور اولاد کے لیے قابلِ فخر سمجھتے ہیں، حالانکہ اُن کو نہیں معلوم کہ در حقیقت وہ اولاد کا بڑا نقصان کر رہے ہیں کہ ایک چودہ پندرہ سالہ بچّے کو ایک ایسے عام تجربے (Experience) سے محروم رکھا ہے جس کی اُسے کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، مثلاً وہ کہیں سفر میں گیا جہاں آدھی رات کو اُسے بھوک لگی اور برتن دھونے کی ضرورت ہے تو وہ کیا کرے گا؟ اس موقع پر وہ اپنے آپ کو عاجز اور بے سہارا محسوس کرے گا۔

اسی طرح اگر بچّوں کو ہمیشہ اے سی (Air Conditioner) کمرے میں سونے کی عادت ہے، جس کے بغیر اُن کو نیند ہی نہیں آتی، پھر سخت سردی کے موسم میں بھی وہ اے سی چلا کر ہی سوتے ہیں، حالانکہ سردی کے موسم میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ایسے بچّے اگر کہیں سفر میں چلے جائیں جہاں اے سی کا نظم نہ ہو، یا اے سی والا کمرہ تو ہو مگر بجلی نہ ہو تو وہ کیا کریں گے؟ وہ اپنے آپ کو بغیر کسی تکلیف کے بھی پریشان حال محسوس کریں گے۔

حاصل یہ کہ بچّوں کو حد سے زائد غیر ضروری تن آسانیوں کا عادی بنا دینا اور پر تعیّش

زندگی (Luxurious Life) جینے کی عادت ڈال دینا دراصل اُن کو کمزور بنانا ہے، اُن کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہوئے بھی اُن کو اپاہج بنا دینے کے مترادف ہے۔

ہر کام میں اعتدال مدّ نظر رکھیں:

پھر اِس سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھنی ہے کہ اس موقع پر بھی اعتدال مدنظر رکھیں، ایسا نہ ہو کہ انتہائی بخل سے کام لیتے ہوئے سخت چٹان ہی بن جائیں، لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ بچّوں کی صحیح اور مناسب ضرورت (Need) کو سمجھیں کہ اُن کو اِس عمر میں کس چیز کی کس قدر ضرورت ہے، جس چیز کے دینے میں اُن کا فائدہ ہے اور نقصان نہیں ہے وہ چیز ضرورت کے بقدر اور ضرورت کے موقع پر دیں، ایسی چیز کے مہیّا کرنے میں دریغ بھی نہ کریں، ورنہ بیجا سختی کرنے سے بچّوں میں منفی اثرات (Negative Effects) پیدا ہو جائیں گے، اور وہ بھی نقصان دہ ہیں، اس لیے مناسب چیز بوقت ضرورت بقدرِ ضرورت دی جائے۔

اولاد کی بیجا اور غلط حمایت (Unfair Favor):

(۳) والدین کی جانب سے اولاد کی تربیت میں ہونے والی تیسری بڑی غلطی اُن کی بیجا اور غلط حمایت ہے، غلط موقع پر بچّوں کی حمایت اُن میں غلط کام کی جرأت کو بڑھاوا دیتی ہے، ایسے بچّوں کی کبھی اصلاح نہیں ہو پاتی، والدین کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اولاد کی محبّت میں وہ کسی بھی موقع پر ایسی غیر منصفانہ اور بیجا حمایت نہ کریں جہاں اُن کی غلطی ہو، اولاد جب بھی کوئی غلط کام کرے اور اُس پر خود مطلع ہوں یا دوسروں کی جانب سے اطلاع ملے تو فوراً اس پر منصفانہ اقدام کریں، اگر غلطی اولاد کی ہے تو اُنھیں سمجھائیں اور آئندہ نہ

کرنے کا اُن سے پختہ عہد لیں۔

بہت سی دفعہ ہمارے معاشرے میں دیکھا جاتا ہے کہ والدین کو جب اپنے بچّوں کے متعلّق کوئی شکایت ملتی ہے تو وہ سنی اَن سنی کر دیتے ہیں، یا اُس سے بڑھ کر اپنے بچّوں کی غلط حمایت میں لگ جاتے ہیں کہ میرا بچّہ یہ کام کر ہی نہیں سکتا، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے، بچّے کی غلطی پر مکمّل ثبوت (Proof) بھی ہوتا ہے، پھر بھی والدین صاف مُکر جاتے ہیں کہ یہ کام ہمارے بچّے نے نہیں کیا۔

مثلاً کسی بچّے نے کوئی چیز چرالی، چوری کرتے ہوئے وہ سی سی ٹی وی (C.C.T.V) میں دیکھا جاتا ہے، وہ کیمرے میں (Capture) ہوا ہے، محلّہ کے کچھ لوگوں نے بھی اُس کو دیکھا ہے جو کہہ رہے ہیں کہ آپ کے بچّے نے چوری کی ہے، پھر اتنے سارے گواہوں اور ثبوت کے باوجود کچھ والدین اپنی آنکھیں مونڈ لیتے ہیں اور دانستہ طور پر انکار کرتے رہتے ہیں کہ اُن کے بچّے نے چوری نہیں کی ہے، وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بدرجۂ مجبوری ماننا ہی پڑ جائے تو آخری راہ یہ نکالی جاتی ہے کہ میرا بچّہ تو ایسا نہیں تھا، لیکن یہاں کے بُرے ماحول نے اُسے بگاڑ دیا۔

خاص طور پر ماں اپنے بچّے کے بارے میں کسی بھی شکایت کو سننا گوارا نہیں کرتی، اگرچہ وہ شکایت صحیح کیوں نہ ہو؟ زیادہ تر واقعات میں غلط حمایت ماں کی جانب سے ہوتی ہے، اولاد کی محبّت فطری طور پر ماں میں زیادہ ہوتی ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ ماں اپنے بچّے کو ہمیشہ ''لال'' کہہ کر پکارتی ہے کہ میرا لال! (اگرچہ حقیقت میں وہ نہایت سیاہ فام ہی کیوں نہ ہو!) پھر بھی وہ اُسے چودھویں کے چاند سے کم نہ سمجھے گی، مانا کہ فطری محبّت والدین کو ہوتی ہے، مگر ضروری تنبیہ کے مواقع میں اگر اپنے ''لال'' کی غلط حمایت کی جائے تو یاد

رکھیں کہ اُس ''لال'' کو ''کالے کرتوت'' کرنے سے کوئی نہیں روکے گا اور مبادا والدین کی غلط حمایت اُس بچّے کو بستی کا غنڈہ (Gangster) بھی بنا سکتی ہے۔

تو جب بھی والدین اپنی اولاد کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھیں یا اُن کے بارے میں کسی اور یقینی ذریعے سے مطلع ہوں تو فوراً اُس کام پر مناسب تنبیہ کرنی چاہیے، اولاد کو سمجھا کر سیدھی رہنمائی کرنی چاہیے، ورنہ بیجا اور غلط حمایت اولاد میں غلط کام کی مزید جرأت پیدا کردے گی کہ میرے گھر والے مجھے کچھ نہیں کہتے تو اور کون مجھے روکنے والا ہے؟ ایسا بچّہ اپنے غلط کام کو بھی صحیح باور کرے گا۔

اعتدال کی راہ اپنایئے:

خلاصۂ کلام یہ تین اہم وجوہات ہیں جن کی وجہ سے بچّے بگڑ جاتے ہیں۔ پھر تینوں باتوں میں ایک بات مشترک (Common) ہے کہ یہ سب اعتدال کے ساتھ ہو، ورنہ بے اعتدالی بھی بچّوں کا مستقبل بگاڑ دے گی۔

اُردو زبان کے مشہور ادیب مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کیا اچھّی تربیت انتہائی سختی کے مرادف ہے؟ کیا یہ مقصد یوں پورا ہوسکتا ہے کہ بچّوں کے دلوں پر حد سے زیادہ رُعب اور خوف طاری کر دیا جائے اور اُنھیں گویا بالکل بے دست و پا بنا دیا جائے؟ پھر کیا ضرورت سے زیادہ دُلار اور پیار مفید ہوگا؟ کیا اچھّی تربیت کی غرض یوں حاصل ہوسکتی ہے کہ اپنے تئیں بالکل بچّوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جائے اور اُن کی ہر ضد کو بلا روک ٹوک پورا کرنا ضروری سمجھ لیا جائے، تجربہ اس نتیجے تک پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ یہ دونوں طریقے افراط اور تفریط کو شامل اور راہِ اعتدال سے دور ہیں، بچّوں کی

تربیت سے متعلّق سب سے پہلا اور سب سے آخر جو فرض ایک مسلمان مربی پر عائد ہوتا ہے وہ یہ کہ انھیں ایسا بہترین مسلم بننے کی راہ پر لگائے کہ بڑے ہو کر ان کا شمار امتِ اسلامیہ کے قابلِ فخر فرزندوں میں ہو، اور وہ اللہ کے بہترین بندے ثابت ہوں، ان کے عقائد درست ہوں، اُن کے اعمال صالح ہوں، تا کہ ہر قسم کی دینی و دنیوی فلاح و برکت اُن کے حصے میں آسکے۔‘‘ (مستفاد از: سچّی باتیں: ۳۱)

اللہ عزّ وجل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائیں، اُن کی عزّتوں اور عصمتوں کی حفاظت فرمائیں، ہمارے بچّوں کی بہترین تربیت فرمائیں، اصل حقیقی تربیت کرنے والی ذات رب العالمین ہی کی ہے، اور تمام والدین کو بھی اللہ تعالیٰ اولاد کی صحیح تربیت کی فکر و کوشش اور اُس کے اسباب اختیار کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

استخارہ

فضائل ومسائل

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ (البقرة : ۲۱۶)

تمہید:

اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے متعلّق یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جن احکام کا تعلق اوامر سے ہے، یعنی جو احکام فرائض و واجبات، سنن و مستحبات میں سے ہیں، اُن میں سراپا خیر اور بھلائی ہے، اُن میں سے کسی بھی حکم میں شر یا بگاڑ کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں، اور وہ احکام جن کا تعلق نواہی سے ہے یقیناً اُن میں شر اور برائی ہے، بھلائی اور خیر کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں، لیکن اوامر و نواہی کے علاوہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قرآن وحدیث میں کوئی صریح حکم دیا ہے، نہ منع فرمایا ہے، اور نہ ہی اُن امور پر اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، اصطلاحِ شریعت میں اُن امور کو ''مُباح'' کہتے ہیں، یہ اُمور حالات کے اعتبار سے نفع بخش بھی ہو سکتے ہیں اور نقصان دہ بھی، اس لیے ان اُمور کو انجام دیتے وقت انسان تردّد اور کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیوں کہ بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ ایک انسان کسی چیز کو اپنے لیے اچھّی اور بہتر سمجھتا ہے، لیکن حقیقت میں انجام کے اعتبار سے وہ اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی، جب کہ بعض اوقات کسی چیز کو وہ اپنے لیے بُری سمجھتا ہے، مگر وہی اس کے لیے انجام کے اعتبار سے بہتر ہوتی ہے، اب

کس کے حق میں کیا اچھا اور کیا برا ہے؟ اس کا یقینی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور علم الٰہی کے مقابلے میں انسان کا علم بالیقین ناقص ہے، اس حقیقت کو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۲۱۶﴾ (البقرة : ٢١٦)

''عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُری سمجھو، حالانکہ وہ تمھارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمھارے حق میں بُری ہو، اور (اصل حقیقت کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

لہٰذا اِن امور میں بہتر یہی ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کر کے اسی سے اپنے متعلّق تمام امور اور معاملات میں مشورہ کرے، جس طرح ہم بہت سے کاموں میں جب تردّد کے شکار ہوجاتے ہیں تو اُن کاموں کے ماہرین سے مشورہ کرتے ہیں، اُن کے سامنے اپنے سارے احتمالات پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہی مشورہ جب اللہ تعالیٰ سے کیا جائے تو اُس کو شریعت کی اصطلاح میں استخارہ کہتے ہیں۔

استخارہ کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

استخارہ کے لغوی معنی (Dictionary Meaning) ہیں خیر، بھلائی اور اچھائی طلب کرنا، اور اصطلاحِ شریعت میں معنیٰ ہوں گے جائز اور مباح کام میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اُس کام کی خیر و بھلائی معلوم کرنا اور رہنمائی (Guide) طلب کرنا۔

استخارہ رسم جاہلیت کا نعم البدل:

استخارہ کا حکم جو شریعت مطہرہ میں دیا گیا ہے یہ دراصل زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کا

نعم البدل (Best Replacement) ہے، زمانۂ جاہلیت میں مکہ کے لوگ تیروں کے ذریعے فال نکال کر قسمت آزمائی کیا کرتے تھے، جس کو قرآنِ پاک میں استقسام بالازلام کہا گیا ہے، اس کے مختلف طریقے رائج تھے، جن میں سے ایک یہ ہوتا تھا کہ جب اہل مکہ کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو فال معلوم کرنے کے لیے متعدد تیر جمع کیے جاتے، پھر اُن میں سے کچھ تیروں پر "أَمَرَنِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوتا، کچھ پر "نَهَانِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوتا اور کچھ تیروں کو خالی چھوڑ دیا جاتا، پھر کسی ایک تیر کو اُٹھاتے، اگر اُس پر "أَمَرَنِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوتا تو وہ اُسے نیک فالی خیال کرتے اور اُس کام کو وہ انجام دیتے، اور تیر پر "نَهَانِيْ رَبِّيْ" لکھا ہوا ہوتا تو اُسے بدفالی سمجھ کر رُک جاتے تھے، اور اگر تیر خالی نکل آتا تو وہ اسی طریقے کو دہراتے تھے۔ (۱)

درحقیقت یہ اُس دور کی واہیات رسموں میں سے ایک تھی، جو مکمّل طور پر غیر معقول تھی، اس لیے شریعت مطہرہ نے استخارہ کا حکم فرما کر اس رسم بد کا خاتمہ فرمایا۔

رسم جاہلیت کے مفاسد:

زمانۂ جاہلیت کی اس رسم میں کئی خرابیاں تھیں، ایک تو یہی کہ یہ قسمت آزمائی کا بالکل بے بنیاد طریقہ تھا، ایک اتفاقی اور ناگہانی امر کو اپنے لیے خیر وشر کا ضامن سمجھ لینا نہایت بے وقوفی وکم عقلی کی بات ہے۔

دوسری خرابی یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ پر ایک طرح سے افترا پردازی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک تیر نکل آیا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی، لہٰذا شریعت اسلامیہ نے اِس کو ختم فرما کر ہمیں اس سے بہتر استخارہ کی دولت سے نوازا۔ (۲)

---

(۱) تفسير ابن كثير : ۳ / ۳۱۲.

(۲) حجة الله البالغة : ۲ / ۳۰.

استخارہ کی اہمیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی اہمیت کے ساتھ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو استخارہ اور اُس کی دُعائیں سکھایا کرتے تھے، چنانچہ بخاری اور ترمذی شریف کی روایت ہے، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، خلاصۂ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اُن کے تمام کاموں میں استخارہ کی اہمیت سمجھاتے تھے اور استخارہ کی ترغیب فرماتے تھے، اور استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دی جاتی ہے، اس سے اندازہ لگائیے کہ قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے کا رِواج اس عہد مسعود میں کس قدر عام ہوگا، بالکل اسی اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو استخارہ بھی سکھایا کرتے تھے، اس سے استخارہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ہماری طرف سے اس سلسلے میں جتنی کوتاہی ہوتی ہے اُس کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم اس معاملے میں کتنے پیچھے ہیں۔

اسی طرح مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا، پھر اُس کے فیصلے پر راضی رہنا یہ خوش بختی اور اقبال مندی کی علامت ہے، اور استخارہ نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہ رہنا یہ بہت بڑی بدبختی کی علامت ہے۔ اس سے بھی استخارہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

"قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : "مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللّٰهَ، وَمِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَاهُ اللّٰهُ، وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُه اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ، وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُه بِمَا قَضَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ."(۱)

استخارہ کے متعلّق ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کسی بھی مباح کام کے بارے میں

(۱) مسند أحمد / مسند سعد بن أبي وقاص. الرقم : ۱٤٤٤. إسناده ضعيف.

تردّد (Confusion) ہو، کش مکش ہو اور دونوں پہلو ہمارے سامنے آرہے ہوں کہ اس کام کو کروں یا نہ کروں؟ ایسے موقع پر بطورِ خاص استخارہ کا اہتمام کرنا چاہیے، تردّد نہ ہو تب بھی استخارہ کریں تو بہتر ہے، لیکن تردّد کے وقت اس کا اہتمام بہرحال کرنا چاہیے۔

استخارہ کا طریقہ:

سب سے پہلے اپنے ذہن کو بالکل فارغ کرلینا ہے، غیر جانب دار (Neutral) ہو جانا ہے، کسی بھی ایک پہلو کو دِماغ میں رکھ کر استخارہ کرنے کا فائدہ نہیں ہے، لہٰذا پہلے خالی الذہن ہو جائیں، دِماغ کو دونوں پہلو سے بالکل صاف اور (Clear) کرلیں، پھر استخارہ کریں۔

پھر جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے اس طرح مکمّل وضو کرنا ہے، پھر اوقاتِ مکروہہ نہ ہو اس کا خیال رکھتے ہوئے دو رکعات نفل نماز پڑھنی ہے، یہ دو رکعات دِن کے کسی بھی حصے میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ پھر استخارہ کی دُعا کرنی ہے (جو ان شاء اللہ آئندہ ذکر کی جائے گی، اس کے ساتھ یہ بات بھی بتائی جائے گی کہ استخارہ کی دُعا یاد نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے) استخارہ کی دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

اگر عورت کے ایامِ حیض چل رہے ہوں تو وہ نماز نہ پڑھے، بلکہ صرف استخارہ کی دُعا پڑھ کر استخارہ کرے۔

استخارہ کب تک کیا جائے؟

ایک مرتبہ استخارہ کرنے کے باوجود تردّد باقی ہو اور کسی ایک بات پر شرحِ صدر نہ ہو رہا ہو تو مسلسل استخارہ جاری رکھنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو سات مرتبہ استخارہ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔[1] لہٰذا جہاں تک تردّد دور نہ ہو استخارہ کرتے رہنا ہے۔

(۱) عمل اليوم والليلة لابن السني: ۲۸۱، الرقم: ۵۹۸.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ایک مہینے تک شرحِ صدر اور اطمینانِ قلبی کے لیے استخارہ فرمایا تھا۔(۱)

لہٰذا استخارہ کے لیے وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے، جہاں تک کسی ایک بات پر شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب نہ ہو وہاں تک استخارہ جاری رکھنا چاہیے۔

استخارہ کے چند فوائد اور حکمتیں:

استخارہ کے فائدے اور حکمتیں کیا ہیں؟ شریعت اسلامیہ نے ہمیں استخارہ کی نعمت کیوں عطا فرمائی ہے؟ اس کے متعلّق یہاں چند فوائد اور حکمتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) استخارہ کے ذریعے بندہ اللہ رب العزت سے مربوط رہتا ہے، اُس کا ربط (Connection) اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے، پھر جتنے کاموں میں بندہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتا رہے گا اُس کا ربط اور تعلق اللہ تعالیٰ سے قوی ہوتا جائے گا۔

(۲) استخارہ کے ذریعے بندے کا توحید اور تقدیر پر ایمان مضبوط ہوتا ہے، اس لیے کہ استخارہ کی عادت بنا لینے سے اس بات کا یقین بنتا ہے کہ تمام قسم کی خیر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے مہیّا ہوتی ہے اور تمام شرور سے اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتے ہیں، وہی تمام مخلوقات کی تقدیر کو بنانے والے ہیں، لہٰذا خیر معلوم کرنے کے لیے اُسی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جس سے بندے میں توحید مضبوط ہوگی۔

(۳) استخارہ کا اہم فائدہ یہ ہے کہ اُس کی وجہ سے دِل میں شرحِ صدر اور اطمینان نصیب ہوگا، دِل مطمئن (Satisfied) ہوجائے گا کہ ان شاء اللہ اس کام میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت ومدد شامل حال رہے گی اور خیر کا فیصلہ ہوگا۔

---

(۱) تقييد العلم للخطيب: ۵۰، الرقم: ٦٧.

(۴) نیز استخارہ کا ایک فائدہ روایت میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ، وَلاَ نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ، وَلاَ عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ".(۱)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا، اور مشورہ کرنے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا، اور خرچ میں میانہ روی اختیار کرنے والا شخص کبھی محتاج نہیں ہوتا۔''

اس روایت میں استخارہ کا فائدہ یہ بیان کیا گیا کہ بندہ اس سے کبھی بھی ناکام اور نامراد نہیں ہوتا، یعنی کسی بھی پہلو سے اللہ تعالیٰ اُس کے کام میں خیر عطا فرما دیتے ہیں، اسی طرح اس روایت سے مشورے کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ مشورہ کرنے والے کو شرمندگی نہیں اُٹھانی پڑتی، کیوں کہ مشورے میں چند لوگ جمع ہو کر سوچ کر ایک فیصلہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف بندوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، ہر ایک کے دِل میں اللہ تعالیٰ ضرور کوئی ایسی بات ڈالتے ہیں جو دوسرے نے نہ سوچی ہو، لہٰذا مشورے میں بھی خیر اور بھلائی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) یعنی آپ صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے رہیں۔

خلاصہ یہ کہ استخارہ اور استشارہ دونوں کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے، دونوں ہی میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت و مدد شامل حال ہوگی۔

(۵) اسی طرح استخارہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ استخارہ کا اہتمام کرنے والا اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع کر دیتا ہے، جسے تفویض کہا جاتا ہے، یعنی اپنے آپ کو مکمّل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا، یہ رضا بالقضا کے مقام کی غایت ہے، استخارہ کے بعد

(۱) المعجم الأوسط للطبراني: ۳٦٥/٦، الرقم: ٦٦٢٧.

بندے کے دِل میں اطمینان وانشراح ہوجاتا ہے کہ اب ان شاء اللہ جو بھی ہوگا وہ خیر اور بہتر ہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ کثرت سے استخارہ کرنے والا بھی فرشتوں کا ہم صفت بن جاتا ہے، یعنی اُس میں فرشتوں جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں کہ جس طرح فرشتے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر رہتے ہیں، اسی طرح استخارہ کرنے والا بندہ بھی خود اپنی مرضی پر چلنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چلنا پسند کرتا ہے۔ (۱)

اسی طرح استخارہ کے فوائد میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جس بندے کو چار چیزوں کی توفیق نصیب ہوجائے اُسے چار نعمتیں ضرور ملیں گی۔ (۲) جن میں سے پہلی چیز شکر ہے، جس بندے کو شکر کی توفیق مل جائے اُس کی نعمتوں میں اضافہ ہونا یقینی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (إبراهيم : ٧)

''اور (یاد کرو) جب تمھارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔''

دوسری چیز یہ کہ جس بندے کو توبۂ نصوح یعنی سچّی اور پکّی توبہ کی توفیق مل جائے اُس کی توبہ ضرور قبول ہوتی ہے، شرط صرف یہی ہے کہ اُس بندے کی توبہ اُن تمام شرائط پر مشتمل ہو جو توبۂ نصوح کے لیے ضروری ہیں۔

---

(۱) حجة الله البالغة / في مبحث النوافل: ۲ / ۳۰.

(۲) إحياء علوم الدين / كتاب أسرار الصلوٰة / صلوٰة الاستخارة : ۱ / ۷٦۷.

تیسری چیز یہ ہے کہ جس بندے کو استخارہ کی توفیق مل جائے اُس کو اپنے کام میں خیر اور بھلائی ضرور نصیب ہوگی، وہ کبھی بھی ناکام نہیں ہوگا۔

اور چوتھی چیز یہ ہے کہ جس بندے کو مشورے کی توفیق ہو تو اُس کام میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے صحیح رہنمائی اور نصرت ومدد ضرور ہوگی۔

استخارہ کے بعد وساوس سے دور رہیں:

استخارہ کر لینے کے بعد ہم اپنے شرحِ صدر کے مطابق کوئی کام کریں، پھر اُس کام کے مثبت نتائج ہمارے سامنے نہ آئیں اور ہمارے ذہن میں یہ خیال آئے کہ میں نے استخارہ کیا تھا، پھر بھی مجھے اس کام میں کوئی خیر معلوم نہیں ہوتی، کوئی اچھا نتیجہ کیوں نہیں دِکھائی دے رہا؟ تو یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اس طرح کے خیالات صرف شیطانی وساوس ہوتے ہیں، ایسے خیالات کو ہرگز اپنے ذہن میں جگہ نہ دیں، اور اس بات کا یقین رکھیں کہ ضروری نہیں کہ جس بات پر مجھے شرحِ صدر اور اطمینان تھا وہی میرے لیے انجام کار بھی خیر کا باعث ہو، ہوسکتا ہے اُس کا انجام میرے لیے بہتر نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے روک دی گئی ہو، یا اللہ تعالیٰ نے اُس چیز کے بدلے میں کوئی بڑی مصیبت مجھ سے ٹال دی ہو، یا کسی چھوٹی تکلیف کے ذریعے بڑی مصیبت سے نجات دی ہو، ان تمام باتوں کا احتمال ہوسکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بندہ اپنی تقدیر کو اور عاقبت کو نہیں جانتا، تمام امور کے عواقب سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی واقف ہے، اُسے ہر بات کے صادر ہونے سے پہلے اُس کا انجام معلوم ہے، لہٰذا وہ اپنے نیک اور صالح بندوں کے حق میں بہتر ہی فیصلے فرماتا ہے، لیکن چوں کہ بندوں کی نظر اُن عواقب پر نہیں ہوتی اس لیے بعض مرتبہ ایسے شیطانی وساوس ذہن میں آتے ہیں، جن پر توجّہ دینے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔

اس اصول کو اسی طرح سمجھو جیسے کوئی چھوٹا بچّہ اپنے والدین سے کوئی ایسی چیز طلب کر رہا ہو جو اُس کے لیے نقصان دہ ہو، تو والدین اُس کی خیر خواہی کی خاطر منع کر دیتے ہیں اور نہیں دیتے، اب بچّہ اپنی ناقص عقل سے یہی سمجھے گا کہ مجھے بلا وجہ منع کیا جا رہا ہے، لیکن والدین کا فیصلہ اُس کے حق میں بہر حال خیر والا ہی ہے۔ اسی طرح اللہ عزّ وجل کا ہر فیصلہ اپنے صالح اور مطیع بندوں کے حق میں انجام کار خیر ہی کا باعث ہوتا ہے، البتہ اُس خیر کا فوری طور پر دنیا ہی میں ظاہر ہو جانا ضروری نہیں، بلکہ آخرت میں بھی وہ خیر بندے کے سامنے ظاہر ہو سکتی ہے۔

مؤمن بندوں کو ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانے کا مکلّف اسی لیے بنایا گیا ہے کہ بندے عواقب سے واقف نہیں، اس لیے اُن کے لیے یہی بات آسان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو برضا و رغبت قبول کریں، اور مؤمن بندوں کو تقدیر پر رضا مند رہنے کے بہت سے فوائد تو اسی دُنیا میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں، مثلاً ہم کئی واقعات ایسے سنتے ہیں کہ غیر مسلمین کے یہاں جب کسی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو اُس کے غم میں نڈھال ہو کر باپ بھی مر گیا، وہ اپنے غم کو برداشت ہی نہیں کر پاتے، موت تو درکنار، وہ اپنے مالی نقصان تک کو برداشت نہیں کر پاتے، رات دِن ایسے واقعات بھی سننے کو ملتے ہیں کہ فلاں نے اپنی تجارت و کاروبار میں اِتنا نقصان ہونے کی وجہ سے خودکشی کر لی، یہ سب واقعات تقدیر پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، جب کہ ایک سچّا مؤمن بندہ اس طرح کے اقدام سے یکسر محفوظ رہتا ہے، اس لیے کہ اس کا تقدیر پر ایمان ہوتا ہے۔

نہ تو ہجر ہی اَچھا، نہ وِصال اچھا
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا

استخارہ کن اُمور میں کرنا چاہیے؟

اب ہم بات کریں گے کہ کن چیزوں میں استخارہ کرنا ہے؟ شرعی اعتبار سے جو احکام اوامر سے متعلّق ہیں مثلاً فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات، اسی طرح نواہی مثلاً حرام اور مکروہات وغیرہ میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں، مثل مشہور ہے کہ ''درکارِ خیر استخارہ نیست'' بھلائی کے اور نیک کاموں میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں، استخارہ اُن کاموں کے لیے ہے جو مباح اور جائز ہیں، اُن میں استخارہ کرنا چاہیے، اور بطورِ خاص وہ کام جو بہت زیادہ اہم ہو تو اُس میں ضرور استخارہ کیا جائے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر کام میں استخارہ فرمایا کرتے تھے تو ہمیں بھی کوشش یہی کرنی چاہیے کہ ہمارے جتنے کام ہوں تمام اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن میں خیر شامل ہو۔

اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو حکم کسی بندے پر فرض ہو چکا ہو اُس میں تو استخارہ نہیں ہے، لیکن اُس فرض کی ادائیگی کے مختلف طریقے ایسے ہیں جو مباح اور جائز ہیں تو اُن میں استخارہ کیا جائے گا، مثلاً کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہے، تو وہ اس میں استخارہ نہیں کرسکتا کہ میں حج کروں یا نہ کروں؟ وہ تو فرض ہے، لہٰذا کرنا ہی ہے، البتہ آگے کی تفصیل مثلاً حج کے لیے سفرنجی تنظیم (PrivateTour) سے کروں یا حج کمیٹی سے کروں؟ پھر ٹورس مختلف ہیں تو ان میں سے کس کا انتخاب کروں؟ یہ سارے امور استخارہ کر کے متعین کیے جاسکتے ہیں۔

مباح اور جائز اُمور مثلاً کسی کے ذہن میں تردّد ہے کہ میں ملازمت کروں یا تجارت کروں؟ تو اس خلجان کو دور کرنے کے لیے اُسے استخارہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح مباح امور ایسے ہوں جن میں اگرچہ تردّد نہ ہو، مثلاً کسی جگہ نکاح کے لیے پیغام دینا ہے اور دِل

راضی بھی ہے، پھر بھی اس نیت سے استخارہ کرے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کی ضرورت ہے، جس قدر ہم استخارہ کا زیادہ اہتمام کریں گے زیادہ فائدہ ہوگا۔

استخارہ کی دُعائیں:

استخارہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استخارہ کی جو دُعا ثابت ہے اُسے یاد کر لے، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں عربی زبان نہیں آتی، دُعا یاد نہیں ہوتی، دُنیا کے دیگر بڑے بڑے کام جب ہم کر لیتے ہیں تو یہ دُعائیں جو ہماری حفاظت اور فائدے کی ضامن ہیں، دُعائیں ہمارا قلعہ ہیں اُن کو کیوں ہم یاد نہیں کر سکتے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لسانِ مبارک سے جو دُعائیہ کلمات نکلے ہیں وہ اپنے اندر بہت جامعیت رکھتے ہیں، اُن میں بہت طاقت ہے، اس بات کی اہمیت کے پیش نظر ہمیں وہ دُعائیں مانگنی چاہیے اور اُن دُعاؤں کو یاد رکھنے کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

چنانچہ استخارہ کی دُعا بھی ہم یاد کرلیں، یہ دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے، یہ دُعا کوئی عام انسان اپنی جانب سے نہیں مانگ سکتا، وحی کے بغیر اور اللہ عزّ وجل کی مدد کے بغیر یہ دُعا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استخارہ کی دُعا ہم کو سکھائی ہے دو رکعات نماز پڑھ کر استخارہ کی دُعا پڑھنی ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ وَعَاجِلِه وَآجِلِهِ، فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِيْ، وَبَارِكْ لِيْ فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا

الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، وَعَاجِلِه وَاٰجِلِه، فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِيْ بِه".

بہت جامع دُعا ہے، کاش! ہم سب اُس کا ترجمہ سمجھ سکتے، اس دُعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ عرض کرتا ہے کہ "اے اللہ! میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں تیرے علم کے وسیلے سے، اور میں تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں تیری قدرت کے واسطے سے، اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بڑے فضل کا، تو ہی قادرِ مطلق ہے اور میں قادر نہیں ہوں، اور تو ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، میں نہیں جانتا، اور تو ہی تمام غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام (جس کا میں نے قصد وارادہ کیا ہے) میرے لیے دینی، دنیوی اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدّر اور آسان فرما دے، پھر تو اس میں میرے لیے خیر و برکت ڈال دے، اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دینی، دنیوی اور انجام کے اعتبار سے بہتر نہیں ہے تو پھر اس کام کو یا معاملے کو مجھ سے دور فرما دے اور مجھے بھی اُس سے دور فرما دے اور میرے لیے وہی مقدّر اور مہیّا فرما جس میں میرے لیے خیر و بھلائی ہو، چاہے وہ خیر و بھلائی جہاں کہیں بھی ہو، اور پھر مجھے اُس پر راضی بھی فرما دے۔"

استخارہ کے موقع پر دو رکعات نماز پڑھنے کے بعد اگر یہ دُعا ہمیں یاد نہ ہو تو کتاب دیکھ کر ہم اس دُعا کو پڑھ لیں، اگر یہ بھی نہیں ہوسکتا، پڑھنے کا طریقہ نہیں آتا، بچپن میں پڑھے نہیں ہیں تو کم از کم اپنی مادری زبان میں اس دُعا کا ترجمہ پڑھ کر دُعا مانگ لیں، اگر یہ بھی نہیں ہوسکتا تو اور بھی راستہ (Option) ہے، شریعت میں اللہ تعالیٰ نے بہت آسانی رکھی ہے، مثلاً کوئی ایسا ہنگامی موقع (Emergency) ہے، جہاں پانچ منٹ میں فیصلہ کرنا ہے، دو رکعات نماز اور اِس دُعا کے پڑھنے کا وقت نہیں ہے تو مختصر دُعا بھی پڑھ سکتے ہیں

جو کنز العمال اور ترمذی شریف میں مروی ہے، یہ دُعا اِتنی مختصر اور آسان ہے کہ ہر مسلمان کو یاد ہونی چاہیے: "اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ".(۱) یعنی اے اللہ! تو مجھے خیر عطا فرما اور تو خود ہی میرے لیے خیر کے راستے کا انتخاب فرمادے۔

تیسری دُعا مسلم شریف کی روایت میں ہے: "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ"(۲) یعنی اے اللہ! میری صحیح اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما دیجیے اور مجھے درست فرما دیجیے۔

اسی طرح ترمذی شریف میں ایک اور دُعا ہے: "اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ"(۳) یعنی اے اللہ! مجھے سیدھے اور درست کام کا الہام فرما دیجیے، میرے دِل میں صحیح بات ڈال دیجیے۔

حاصل یہ کہ ہمیں ان دُعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر بڑی دُعا یاد نہ ہو پائے تو اِن چھوٹی دُعاؤں کو یاد کرلیں، یہ چھوٹی دُعائیں ہنگامی اوقات میں بھی خوب اہمیت رکھتی ہیں، جب زیادہ وقت نہ ہو تو اپنے دِل ہی دِل میں یہ دُعائیں ہم کر سکتے ہیں، بہت سے اللہ والوں کا یہ معمول رہا ہے کہ اُن کے پاس کبھی کوئی اپنا مسئلہ لے کر آتا، مشورے کے لیے آتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف فوراً رجوع کرتے، اور اللہ تعالیٰ خود ہی اعلان فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة : ۲۵۷) اللہ تعالیٰ مؤمنین کے ولی اور حامی ہیں، تو اس طرح اولیاء اللہ فوری طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق (Connection) قائم کرتے اور دِل ہی دِل میں دُعا مانگتے کہ یا اللہ! مجھے اس کا صحیح جواب سکھا دیجیے، اللہ رب العزت فوراً اُن کی مدد فرماتے۔

تو اس طرح بندے کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے اور مدد مانگ لے، خود پر بھروسہ نہ کرے، اس لیے کہ بندہ بہر حال عاجز و ناتواں ہے، اُسے عاقبت

(۱) سنن الترمذي / أبواب الدعوات، الرقم : ۳۵۱۶.
(۲) صحيح المسلم / كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار/ باب التعوّذ، الرقم : ۲۷۲۵.
(۳) سنن الترمذي / أبواب الدعوان عن رسول الله ﷺ، الرقم : ۳۴۸۳.

کا علم نہیں ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، اور وہی ایک ذات ہے جو عواقب امور کو جانتی ہے، لہٰذا اُسی سے مدد مانگ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

استخارہ کے اہتمام کی عادت بنائیں:

اب ہم استخارہ کے لیے ضروری چند ہدایات اور اس میں ہم سے ہونے والی بعض کوتاہیوں کے بارے میں بات کریں گے، عموماً ہماری عادت یہ ہوتی ہے کہ ہم استخارہ اُسی وقت کرتے ہیں جب ہمیں کوئی اہم کام درپیش ہو، مثلاً شادی کا مسئلہ ہے، یا تجارت وکاروبار کے متعلّق کوئی مسئلہ ہے، تب ہی استخارہ کرتے ہیں، حالانکہ استخارہ ہمیں تمام مباح اور جائز کاموں میں کرنا چاہیے، ہم تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، کسی بھی کام میں ہم مستقل اور مستغنی نہیں ہیں، استخارہ کے متعلّق جو حدیث پاک خطبے میں ذکر ہوئی اُس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم فرماتے تھے: "يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا" جس سے معلوم ہوا کہ تمام مباح اور جائز کاموں میں استخارہ کرنا چاہیے۔ اگر جلدی سے فیصلہ (Decision) لینے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے مختصر استخارہ کی دُعائیں بھی ذکر ہوئی ہیں، اُن کو پڑھ لیں۔

استخارہ سے پہلے ذہن غیر جانب دار ہو:

دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ استخارہ سے پہلے ہم مکمّل طور پر خالی الذہن ہو جائیں، پھر استخارہ کریں، بعض مرتبہ یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ کسی کام کے بارے میں دو احتمال ہیں، اُن میں سے کسی ایک پہلو کو ہم اپنے ذہن میں جما لیتے ہیں، پھر استخارہ کرتے ہیں، تو ایسے استخارہ کا کوئی فائدہ نہیں، جب ہم نے پہلے ہی سے ایک بات طے کر لی ہے تو استخارہ کے کیا معنیٰ رہ

جائیں گے؟

استخارہ کے متعلّق کچھ توہمات:

استخارہ کے متعلّق اور بھی بہت سی باتیں رائج ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

(۱) مثلاً یہ کہ استخارہ کے بعد بات کیے بغیر سو جائیں تب ہی صحیح رہنمائی ہوگی، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، جب استخارہ کے بعد سونا ہی ضروری نہیں ہے تو بات چیت بھی کر سکتے ہیں۔

(۲) پھر یہ کہ داہنی کروٹ پر سوئیں گے تو استخارہ صحیح ہوگا اور قبلہ رُخ ہو کر سوئیں گے تو استخارہ صحیح ہوگا، تو یہ یاد رکھنا ہے کہ یہ چیزیں سونے کی سنّتیں ضرور ہیں، لیکن استخارہ کے لوازمات میں سے نہیں ہیں۔

(۳) استخارہ کے بعد بعض لوگ خواب کا انتظار کرتے ہیں کہ ایک خواب آئے گا جس میں استخارہ کا جواب (Reply) اللہ تعالیٰ جانب سے دیا جائے گا، یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں، خواب کا انتظار کرنا غلط بات ہے۔

(۴) اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواب میں سفید رنگ دِکھائی دے تو وہ کام کیا جائے اور سرخ رنگ دِکھائی دے تو نہ کیا جائے وغیرہ، ان باتوں کا بھی استخارہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، سب بے حقیقت باتیں ہیں۔

(۵) اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خواب میں کوئی اللہ کے ولی اور بزرگ آکر جواب دیں گے، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۶) اسی طرح استخارہ کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ جب دو باتوں میں تردّد (Confusion) ہو تب ہی استخارہ کیا جائے، تو استخارہ کے لیے تردّد کا ہونا

ضروری اور شرط نہیں ہے، ہاں استخارہ کے فوائد میں سے یہ بات ضرور ہے کہ اس سے تردّد ختم ہو جائے گا اور ایک بات پر شرحِ صدر ہوگا، لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ استخارہ کے لیے تردّد ضروری ہے، کوئی بھی مباح اور جائز کام شروع کرنے سے پہلے استخارہ کرنا ہے۔

(۷) اسی طرح ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ استخارہ صرف رات ہی کو ہوسکتا ہے، اور استخارہ کے بعد فوراً سو جانا ہے، یہ بھی غلط ہے، چوبیس گھنٹے میں جب چاہے بندہ استخارہ کرسکتا ہے، اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے، البتہ استخارہ کے لیے جو دو رکعات پڑھی جاتی ہیں وہ وقت مکروہ میں نہ ہو، اس کا خیال رکھنا ہے۔

استخارہ سے خیر حاصل ہوتی ہے، خبر نہیں:

نیز استخارہ کی حقیقت صحیح طرح نہ سمجھ پانے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ استخارہ کرنے سے ماضی (Past) کی کوئی خبر اور حقیقت معلوم ہوجائے گی، یا مستقبل (Future) کی کوئی خبر معلوم ہوجائے گی، جیسے بعض لوگ علما اور اولیا کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! ہماری فلاں چیز فلاں دِن چوری ہوگئی تھی، اب آپ استخارہ کر کے بتا دیجیے کہ کس نے چوری کی ہے؟ اور وہ چیز کہاں ہے؟ تو یاد رہے کہ استخارہ کے ذریعے یہ باتیں معلوم نہیں ہوں گی۔ اسی طرح استخارہ سے مستقبل کی بات بھی معلوم نہیں ہوسکتی، مثلاً عورت اگر حاملہ (Pregnant) ہے تو استخارہ کے ذریعے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوسکے گا کہ اُس کے پیٹ میں کیا ہے؟ یہ غیب کی باتیں ہیں، جنھیں صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

لہٰذا یاد رکھنا چاہیے کہ استخارہ سے خیر تو حاصل ہوتی ہے، خبر نہیں، اس عمل کے ذریعے کسی بھی شخص کو گذشتہ یا آئندہ کی کوئی خبر نہیں مل سکتی، البتہ استخارہ کرنے والے کو خیر اور بھلائی کی رہنمائی ضرور حاصل ہوتی ہے، بشرطیکہ اس کو خودساختہ طریقوں کے بجائے مسنون

طریقے کے مطابق کیا جائے۔

کسی اور سے استخارہ کروانا:

استخارہ کے متعلّق ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی دوسرے شخص سے مثلاً کسی عالم اور بزرگ سے اپنے لیے استخارہ کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کسی دوسرے سے استخارہ کروانا جائز ہے، حرام نہیں ہے، البتہ یہ بہتر نہیں، مسنون طریقہ نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ صاحب معاملہ خود ہی اپنے لیے استخارہ کرے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر یہ سوچا جائے کہ کسی اللہ کے ولی سے استخارہ کروائیں تو اُن کے اعمالِ صالحہ اور تقویٰ کی وجہ سے زیادہ خیر و بھلائی ہوگی، تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور تقویٰ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا، لیکن کسی بھی حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ہو کہ اللہ کے رسول! مجھے فلاں مسئلہ درپیش ہے، لہٰذا آپ استخارہ فرما دیجیے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو افضل الخلق علی الاطلاق ہیں، پھر بھی آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو استخارہ سکھایا، خود نہیں فرمایا کہ میں تمھارے لیے استخارہ کروں گا۔

علاوہ ازیں استخارہ کے لیے جو دُعا ذکر کی گئی اُس کے الفاظ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ استخارہ ہر بندے کو خود کرنا ہے، دوسرے کے پاس کروانا نہیں ہے، دُعا میں دو مرتبہ: "إِنَّ هٰذَا الأَمْرَ" کے الفاظ ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب معاملہ خود اپنے مسئلے کی تمام جزئیات اور حالات سے زیادہ واقف ہے، کوئی عالم اور اللہ کے ولی جن سے استخارہ کی درخواست کی جائے بے شک وہ بہت بڑے متقی اور پرہیزگار ہوں گے، لیکن جو مسئلہ صاحب معاملہ کو درپیش ہے اُس سے زیادہ واقف تو نہیں ہوں گے، اس میں تو زیادہ واقفیت صاحب

معاملہ ہی کی ہوگی، مثلاً کسی جگہ زمین خریدنے کا ارادہ ہے، تو اُس زمین اور معاملے کے تمام احوال سے خود خریدنے والا زیادہ واقف ہوگا، وہ عالم صاحب اور اللہ کے ولی درپیش معاملے کے تمام احوال نہیں جانتے، اسی لیے دُعا میں ایسے کلمات وارد ہیں جو صاحب معاملہ کی جانب منسوب ہیں۔

گناہ سے پاک ہونا استخارہ کی شرط نہیں:

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی یہ سوچتے ہیں کہ میں تو بہت گنہگار ہوں، اور گنہگار ہوتے ہوئے میرا استخارہ کیسے صحیح ہوگا؟ تو یاد رکھیں کہ گناہ کو چھوڑ دینا اور توبہ کرنا ہمارے اختیار میں ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم گناہ کو چھوڑ دیں، استخارہ کو نہیں، پھر یہ بات بھی ملحوظ ہونی چاہیے کہ گناہ سے پاک ہونا استخارہ کی شرط نہیں ہے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی بندہ معصوم نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ بندہ وہ ہے جو اپنے گناہ سے فوراً توبہ کرلے، لہٰذا توبہ اور استخارہ دونوں پر عمل کرنا ہے اور اس وسوسے کو دِل سے نکال دیں کہ میں تو گنہگار ہوں، میرا استخارہ دُرست کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ صرف شیطانی وسوسہ ہے، شیطان نہیں چاہتا کہ بندہ اپنی دُعا، توبہ اور استخارہ وغیرہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو۔

البتہ اگر کوئی معاملہ اور مسئلہ ایسا ہو جو ایک سے زیادہ افراد سے متعلّق ہو، تو اُس معاملے میں ہر ایک اپنی جانب سے اپنا استخارہ ضرور کرسکتا ہے، اِس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ والدین اپنے بیٹے یا بیٹی کا کسی جگہ رِشتہ طے کروا رہے ہیں، اب یہ معاملہ ایسا ہے کہ والدین بھی اِس معاملے میں شامل ہیں، بیٹا یا بیٹی جس کا رِشتہ طے کرنا ہے وہ بھی شامل ہے، اسی طرح گھر کے دیگر افراد مثلاً بھائی اور بہن وغیرہ بھی رِشتے دار ہونے کی حیثیت سے شامل

ہیں، تو سب اپنی جانب سے اپنا استخارہ کر سکتے ہیں، یہ دوسرے کی جانب سے استخارہ شمار نہیں ہوگا۔

اس دور میں استخارہ کے متعلّق کچھ خرافات اِنٹرنیٹ پر آن لائن بھی ہونے لگی ہیں کہ مولانا صاحب! ہمیں فلاں مسئلہ درپیش ہے، اور ہم یہاں فلاں ملک میں ہیں، آپ آن لائن استخارہ فرما دیجیے! تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ استخارہ یہ بندے کی جانب سے کی جانے والی ایک دُعا ہے، اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہیں، لہٰذا استخارہ کے لیے بندے کو خود اپنا تعلق (Connection) اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ تو ہر وقت اپنے بندے کی بات سنتا ہے، اُسے آن لائن ہونے کی بھی ضرورت نہیں، وہ تو ہر وقت سنتا، دیکھتا، سمجھتا اور تصرف کرتا ہے، بس ضرورت ہے بندے کی جانب سے حضورِ قلبی کی، جب بندہ دِل و دِماغ سے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی جانب توجّہ کرے گا تو ہمیشہ اُس کو اپنے سامنے پائے گا، پھر استخارہ تو بہت آسان ہے، دو رکعات پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں، پھر استخارہ کی بڑی دُعا نہیں آتی تو دیکھ کر اس کا ترجمہ ہی پڑھ لیں، ترجمہ اپنی زبان میں بھی پڑھ سکتے ہیں، یا چھوٹی دُعا پڑھ لیں، بہر حال جہاں تک ہو سکے اپنے معاملے کا استخارہ خود ہی کریں، دوسرے کے پاس کروانا جائز تو ہے، لیکن بہتر اور مسنون نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی جانب متوجّہ ہونے کی توفیق سے نوازیں، ہمارے تمام جائز مقاصد پورے فرمائیں، خیر اور بھلائی سے متعلّق ہماری تمام دُعائیں قبول فرمائیں، جو باتیں کہی اور سنی گئیں اُن تمام پر ہمیں عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانا أنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالمِينَ.

شراب اور نشے والی ہر چیز حرام ہے

PART-1

BAYAN QR CODE

PART-2

BAYAN QR CODE

PART-3

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَه، أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدة : ٩٠ - ٩١)

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ، وَلَعَلَّ اللهَ سَيُنْزِلُ فِيهَا أَمْرًا، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلْيَبِعْهُ وَلْيَنْتَفِعْ بِهِ." قَالَ: "فَمَا لَبِثْنَا إِلَّا يَسِيرًا حَتّٰى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : "إِنَّ اللهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ، فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هَذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ." قَالَ: "فَاسْتَقْبَلَ النَّاسُ بِمَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمَدِينَةِ، فَسَفَكُوهَا."(١)

تمہید:

محترم سامعین! آج کی مجلس کا موضوع ایک نہایت اہم عنوان ہے جس کی طرف اُمت مسلمہ خصوصاً نوجوانوں، نوعمروں (Teenagers) اور نسل نو (New Generation) کا ایک بہت بڑا طبقہ بڑی تیزی سے دوڑ رہا ہے، اور وہ ہے الکحل (Alcohol) شراب کی لت (Addiction) اور اس جیسی بہت سی چیزوں کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً افیون،

(١) صحيح مسلم / كتاب المساقاة / باب تحريم بيع الخمر. الرقم : ١٥٧٨.

چرس، گانجا، مختلف قسم کے ڈرگس، M.D چوکلیٹ، M.D ٹیبلیٹ وغیرہ، اسی طرح اب برف (Ice) کی شکل میں بھی شراب اور الکحل پایا جا رہا ہے، یہاں تک کہ بعض بچّے اسموکنگ (Smoking) میں ڈرگس ملا کر نشہ کرتے ہیں، بہر حال ایسی تمام نشہ آور چیزوں کا استعمال بہت عام ہوتا جا رہا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں شراب اور اُس کے متعلّق تفصیلات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔

شراب عقلاً بھی بُری چیز ہے:

اللہ عزّ وجل نے ہمیں عقل عطا فرمائی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات میں جتنی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں اُن تمام میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ ''ہم نے انسان کی بہت نوازش کی ہے۔'' انسان کو اللہ تعالیٰ نے دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت وفوقیت دی ہے، انسان کی اس فضیلت وتکریم کی ایک وجہ اُس کو دی گئی ''عقل'' ہے کہ دیگر حیوانات میں وہ عقل نہیں ہے جو حق تعالیٰ نے انسانوں کو عنایت فرمائی ہے۔ اور دین اسلام میں انسان کے جسمانی، دِماغی، دُنیوی اور اُخروی ہر طرح کے فوائد ونقصانات کو پیش نظر رکھا گیا ہے، لہٰذا وہ چیزیں جن سے دِماغ کا، جسم کا، دین کا یا دُنیا کا نقصان ہو رہا ہو شریعت مطہرہ اُن پر روک لگاتی ہے اور اُن چیزوں کو ممنوع قرار دیتی ہے کہ یہ آپ کے لیے نقصان دہ ہیں۔

شراب کو عربی زبان میں "خَمْر" کہتے ہیں، لفظ "خَمْر" چھپانے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، خاء، میم اور راء کا مادّہ جس لفظ میں پایا جاتا ہے اُس میں چھپانے کے معنیٰ ہوتے ہیں، جیسے عربی زبان میں اوڑھنی کو "خِمَار" کہا جاتا ہے کہ وہ سر کو چھپانے اور ڈھانپنے والی ہوتی ہے، اسی طرح شراب کو "خَمْر" اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی

ہے، عقل کا دیوالیہ نکال دیتی ہے، نشے میں مست شخص کے نزدیک صحیح اور غلط کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا، وہ ماں، بہن اور بیٹی میں فرق نہیں کر پاتا، انسان اور جانور سب اُس کے لیے برابر ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں بتدریج شراب کی حرمت:

دین اسلام میں شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی، ایک دَم سے اُسے حرام نہیں قرار دیا گیا، بلکہ تدریجی طور پر (Step By Step) اُسے حرام کیا گیا، اُسی ممانعت کو ہم تین مرحلوں میں سمجھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری کے وقت دورِ جاہلیت کی بہت سی باتیں لوگوں میں عام تھیں، طرح طرح کی خرابیاں اور عاداتِ بد اُن میں رائج تھیں، جن میں شراب سب سے زیادہ عام تھی، شراب نوشی اُن کے معاشرے کا لازمی حصّہ بن چکی تھی، پھر شراب نوشی ہی کے نتیجے میں دوسرے کئی گناہ جنم لیتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا، فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ."(۱)

”ہرگز شراب نہ پینا، اس لیے کہ وہ تمام گناہوں (بے حیائیوں) کی جڑ ہے۔“

شراب نوشی کی قباحت:

جب بندہ شراب پی لیتا ہے تو پھر دیگر گناہوں میں بآسانی مبتلا ہو جاتا ہے، وہ زنا میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، ناحق قتل کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے اور بت پرستی تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

---

(۱) مسند أحمد / حديث معاذ بن جبل رضي الله عنه، الرقم : ۲۲۰۷۵.

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المعجم الاوسط'' میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بہت نیک تھا، جس کو کسی ظالم بادشاہ نے گرفتار کرلیا اور اُس کے سامنے یہ چار اختیار رکھے کہ یا تو تجھے شراب پینی پڑے گی، یا زنا کرنا ہوگا، یا قتل کرنا ہوگا، یا خنزیر (Pig) کھانا ہوگا، اِن چاروں میں سے کسی ایک آپشن (Option) کو وہ چن سکتا ہے، ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

یہ نیک آدمی فکر مند ہوئے کہ کیا کیا جائے؟ بہت سوچنے کے بعد اُنھوں نے یہ طے کیا کہ شراب پی لی جائے، جو اُنھیں نسبۃً دوسرے تینوں گناہوں سے آسان معلوم ہوا، لیکن جب شراب پی تو دوسرے تین گناہوں کے بھی مرتکب ہوگئے، اور یہی اُس بادشاہ کا ارادہ تھا۔[۱]

اسی وجہ سے شراب کو شریعت میں ''اُم الخبائث'' یعنی تمام گناہوں اور بے حیائیوں کی جڑ اور اصل قرار دیا گیا ہے۔[۲]

افسوس کی بات ہے کہ شراب جو کہ عقل کو ختم کردینے والی چیز ہے، لوگ اُسے قیمت دے کر خریدتے ہیں، گویا پیسے دے کر بے عقلی خریدتے ہیں، اگر عقل کہیں بکتی ہوتی تو لوگ اُسے خرید لیتے، لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ عقل کو ختم کرنے کے لیے لوگ پیسے خرچ کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں غور کرنے سے چار الگ الگ مقامات پر شراب کے متعلّق ہدایات ملتی ہیں۔

شراب کی حُرمت کا پہلا مرحلہ:

(۱) سورۂ نحل میں اللہ عزّ وجل ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) المعجم الأوسط للطبراني: ۱۱٦/۱.

(۲) سنن النسائي / كتاب الأشربة / ذكر الآثام. الرقم: ٥٦٦٦.

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝﴾ (النحل : ٦٧)

''اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شراب اور (دیگر) عمدہ غذائیں بناتے ہو، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانی ہے۔''

غور کیجیے آیت کریمہ میں کہ یہاں شراب کو الگ ذکر کیا گیا اور عمدہ غذا کو علیحدہ ذکر کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ شراب یہ اچھی غذا نہیں ہے، کھجور اور انگور کا استعمال نیچرل طریقے پر کیا جائے تو یہ بہترین رزق ہیں، لیکن اگر اُن سے شراب بنائی جائے تو وہ بہتر رزق نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کے ذیل میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ''یہ سورت مکی ہے، جب یہ نازل ہوئی اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی آیت میں شراب کو پاکیزہ رزق کے مقابلے میں ذکر فرما کر ایک لطیف اشارہ اس طرف کر دیا گیا تھا کہ شراب پاکیزہ رزق نہیں ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۲/ ۸۳۴)

یہ شراب کی حرمت کا پہلا مرحلہ چل رہا ہے، اس لیے اوّلاً ذہن سازی Brain Washing کی جا رہی ہے، اُس کی قباحت ذہن نشین کرائی جا رہی ہے، حکمت یہی تھی کہ شراب اُن کی زندگی کا لازمی حصّہ تھی، ایک دَم سے اُس کا چھوڑ دینا بہت دُشوار تھا، لہٰذا دھیرے دھیرے اُسے حرام کیا گیا۔

(۲) سورۂ بقرہ کی آیت نمبر (۲۱۹) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾

''آپ سے شراب اور جوے کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرما دیں کہ اُن دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں، مگر اُن دونوں کا گناہ اُن کے نفع سے بڑھ کر ہے۔''

بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت معاذ بن جبل اور بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اَقدس میں آئے اور اُنھوں نے شراب اور جوے کے متعلّق سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ اُن سے فرما دیجیے کہ شراب اور جوے میں بہت بڑا گناہ ہے، اگرچہ کچھ دُنیوی فائدے ہیں، لیکن پھر آگے بات واضح فرمادی کہ اُن کے گناہوں کا نقصان نفع کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور نفع کم ہے۔(۱)

اس آیت کریمہ میں پھر ایک بار ذہن بنایا جارہا ہے، یہ شراب کی حرمت کا پہلا مرحلہ ہے۔

قرآن حقائق کو بیان کرتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں اس حقیقت کو بتایا گیا کہ شراب اور جوے میں کچھ ظاہری فوائد ہیں، مثلاً محقق اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس سے وہ نشاط اور سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لیے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں، اِس کے علاوہ اُس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی حاصل تھا، وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشے کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے، جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا، اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا، اور یہی حال جوے کا

(۱) معالم التنزيل في تفسير القرآن للبغوي : ۱ / ۲۴۹.

بھی تھا......توشراب اور جوے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف آیتِ کریمہ میں اشارہ کیا گیا۔'' (معارف الحدیث:۶/۲۳۱)

شراب کی حُرمت کا دوسرا مرحلہ:

(۳) اب آیئے! شراب کی حرمت کے دوسرے مرحلے کو سمجھتے ہیں، شراب کے بارے میں اب بھی حرمت کا قطعی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے بعض لوگ اس کے فائدے کے پہلو کو رُخصت سمجھ کر مفاسد سے بچتے ہوئے پیتے تھے، حتیٰ کہ اس حالت میں نماز بھی ادا کرتے تھے، اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک انصاری صحابی نے کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مدعو کیا، حسبِ معمول شراب کا بھی انتظام کیا گیا، لوگ کھا پی کر فارغ ہوئے تو مغرب کا وقت ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِمامت فرمائی، تو آپ سے سورۂ کافرون کی تلاوت میں ایسی غلطی ہو گئی جس سے معنیٰ بالکل ہی بدل گئے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَعَاهُ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ، فَسَقَاهُمَا، قَبْلَ أَنْ تُحَرَّمَ الْخَمْرُ، فَأَمَّهُمْ عَلِيٌّ فِي الْمَغْرِبِ، فَقَرَأَ ﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ﴾ فَخَلَطَ فِيهَا، فَنَزَلَتْ : ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُولُونَ﴾(۱)

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں نماز کے وقت شراب کی ممانعت آ گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء : ۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے

---

(۱) سنن أبي داود / باب في تحريم الخمر، الرقم : ۳۶۷۱.

قریب بھی مت جاؤ جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب سے مکمل توبہ کر لی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز سے زیادہ محبّت تھی، نماز اُن کی طبیعتوں میں رَچی بسی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت کے صدقے میں اُن حضرات کو نماز سے لگاؤ پیدا ہو چکا تھا، وہ حضرات شراب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف کیسے چھوڑ سکتے تھے! چنانچہ اِس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب نوشی خود ہی ترک فرمادی۔

شراب کی حُرمت کا تیسرا مرحلہ:

(۴) اب ہم شراب کی حُرمت کے تیسرے اور آخری مرحلے کو سمجھتے ہیں، مسند احمد میں روایت ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: آئیں! ہم آپ کو کھانا کھلاتے ہیں اور ہم آپ کو شراب پلاتے ہیں۔ اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کی بات ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پاس ایک باغ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس اونٹ کے سر کا گوشت بھنا ہوا پڑا ہے اور شراب کی ایک مشک بھی رکھی ہوئی ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ گوشت بھی کھایا اور شراب بھی پی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ان کے ہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر ہوا تو میں نے کہا: مہاجر لوگ انصار سے بہتر ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی نے سری کا ایک ٹکڑا لیا اور اس سے مجھے مارا تو میری ناک زخمی ہوگئی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سارے واقعے کی خبر دی، تو اللہ عزّوجل نے میری وجہ سے شراب کے بارے میں یہ

آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (المائدة : ۹۰)

''شراب، جُوا، بت اور تیر یہ سب گندے اور شیطان کے کام ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ شراب، جوا، بت پرستی اور تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی یہ سب "رِجْس" ہیں، گندگی اور پلیدی ہیں، شیطانی حرکتیں ہیں، اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اُس سے دور ہو جاؤ، اس سے باز آجاؤ، کنارہ کش ہو جاؤ۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن نے شراب کو "حَرَامٌ" کہنے کے بجائے "رِجْسٌ" کہا ہے، "رِجْس" نجس اور خبیث چیز کو کہتے ہیں، جب جسم میں نجس، خبیث اور گندی چیز جاتی ہے تو جیسی غذا ہوتی ہے ویسا اثر ہوتا ہے، انسانی روح اور دِل بھی اس سے گندہ ہو جاتا ہے، اس سے جذبات وخیالات گندے ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات باطن کا اثر ظاہر پر بھی ہوتا ہے، یہ اسی کا اثر ہے کہ بعض اوقات شراب کے عادی نہایت ذلّت و رُسوائی کے عالم میں گلی کوچوں بلکہ گندے نالوں کے کنارے کیڑوں، مکوڑوں اور جانوروں کی طرح پڑے ہوتے ہیں، انھیں نہ پاکی کا لحاظ ہوتا ہے، نہ صفائی کا خیال، تو یہ سب شراب کی خباثت اور نحوست ہوتی ہے۔

پھر شراب کو شیطانی عمل قرار دیا، لہٰذا شراب کا عادی انسان بھی شیطان ہی کی طرح فسادی ہوا کرتا ہے، شراب اور منشیات کا فساد اُن افراد تک ہی محدود نہیں رہتا، بلکہ کبھی کبھی اس سے خاندان کے خاندان تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں، بڑی بڑی جائدادیں اس کی وجہ سے کوڑی کی قیمت بک جاتی ہیں، اسی طرح طلاق اور ایکسیڈینٹ (Accident) کے

واقعات کے علاوہ خطرناک حادثات اکثر شراب نوشی کی وجہ سے پیش آتے ہیں، جن کا خمیازہ خود پینے والے کو بھی بھگتنا پڑتا ہے اور دوسروں کو بھی، اس لیے کسی نے بالکل سچ کہا:

گلاسوں میں جو ڈوبے، پھر نہ اُبھرے زندگانی میں
ہزاروں بہہ گئے اِن بوتلوں کے بند پانی میں

پھر اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اِن چیزوں کے نقصان کا ذکر فرمایا کہ شراب اور جوے کا نقصان یہ بھی ہے کہ شیطان تمھارے درمیان اس کے ذریعے نفرتیں اور عداوتیں پیدا کرنا چاہتا ہے، کہ لوگ شراب پی کر آپس میں لڑتے ہیں، عقل ماؤف ہوجانے کی وجہ سے اُنھیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کررہے ہیں، اسی طرح جوے میں جب ہار جاتے ہیں اور مال لٹ جاتا ہے تو ہر قسم کے جھگڑے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، پھر فرمایا کہ شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، کیا پھر بھی تم باز نہیں آؤ گے؟

قربان جاؤں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ اِطاعت پر، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تاکیدی طور پر فرمایا کہ کیا تم باز آؤ گے؟ تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً کہا: "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا!" ہم باز آ گئے۔ (۱)

اب جب کہ شراب قطعی طور پر حرام ہوگئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فکر لاحق ہوئی کہ شراب تو اب حرام ہوئی ہے، یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں، تو وہ حضرات جو پہلے پیتے تھے اور اُن میں سے بہت سے اُسی حالت میں وفات پا گئے ہیں، اُن کا کیا ہوگا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں فرمایا کہ چوں کہ اُنھوں نے ایمان قبول کیا تھا اور نیک اعمال کیے تھے اور شراب اُس وقت حرام نہیں تھی، لہٰذا اُن پر کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔

---

(۱) مسند أحمد / مسند أبي هريرة، الرقم : ۸۶۲۰.

بعض لوگوں کی کج فہمی:

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ وہ آیات ہیں جن سے شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا، بعض لوگ ضرورت سے زیادہ چالاک (Over Smart) بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میں شراب کو حرام کہاں کہا گیا ہے؟ اُن سے یہی کہا جائے گا کہ اِتنی سخت تنبیہات کے بعد بھی آپ لفظ ''حرام'' کو تلاش کرتے ہیں؟ تو یہ عقل کے دیوالیے کے سوا کچھ نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل میں اُس دور میں شراب گندے مٹکوں میں بنتی تھی، جب کہ آج تو صاف شفاف اور نہایت عمدہ بوتل میں پیک ہوتی ہے، یہ تو ایسی ہی مضحکہ خیز بات ہے جیسے ہمارے ملک کا ایک گویا (Singer) کسی عرب ملک میں پہنچا، وہاں کسی عربی گانے والے کو اُس نے سنا، جو نہایت بھدّی اور بے سُری آواز میں گا رہا تھا، تو یہ کہنے لگا کہ مجھے آج پتا چلا کہ اسلام میں گانا (Music) حرام کیوں ہے؟ یہ لوگ اِتنی بے سُری آواز میں گاتے ہیں اسی لیے حرام قرار دیا گیا، ورنہ ہماری آواز میں گانا سنتے تو ہرگز حرام نہ ہوتا! ظاہر سی بات ہے کہ یہ اس کہنے والے کی محض بے وقوفی ہے، میوزک خواہ اچھّی ہو یا بُری، سُریلی ہو یا بے سُری، بہر حال حرام ہے، اسی طرح شراب مٹکے میں بنے یا صاف شفاف مشینوں کے ذریعے عمدہ بوتلوں میں پیک ہو، بہر حال حرام ہے۔

آیت کریمہ کی روشنی میں دَس باتیں:

جس آیت کریمہ میں شراب کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا اُس کی روشنی میں ہمیں دس باتیں سمجھنی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "أنصَاب" یعنی بتوں کی عبادت کو بھی "رِجْسٌ"

فرمایا ہے، شراب نوشی کو بت پرستی کے ساتھ جوڑ کر ذکر فرمایا، جس سے شراب نوشی کی مزید قباحت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ ابن ماجہ شریف کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب پینے والے کو بت پرستی کرنے والے کے مانند قرار دیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :"مُدْمِنُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ."(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شراب نوشی کی عادت والا بت پرست کے مانند ہے۔''

(۲) اللہ تعالیٰ نے اِسے "رِجْسٌ" یعنی گندگی اور پلیدی قرار دیا ہے۔

(۳) پھر فرمایا: "مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" کہ یہ شیطانی حرکتیں ہیں۔

(۴) "فَاجْتَنِبُوْهُ" یہ امر کا صیغہ ہے، یعنی اس سے بچنا اور باز رہنا ضروری ہے۔

(۵) پھر فرمایا: "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" اگر کامیاب ہونا ہے تو اسے چھوڑ دو۔

(۶) نقصان بھی بتایا کہ "أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالبَغْضَآءَ" یہ شراب ایسی چیز ہے جو تمھارے درمیان نفرتوں اور عداوتوں کا سبب بن جائے گی۔

(۷) پھر فرمایا کہ یہ تمھیں اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی اور نماز سے دور کر دینے والی چیز ہے۔

(۸) پھر انتہائی بلیغ انداز میں فرمایا: "فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ" کیا تم رُک جاؤ گے! سوالیہ انداز میں فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ شراب اور جوے کے اِن نقصانات اور خرابیوں کو سننے کے بعد ان چیزوں سے باز رہو گے یا سنی اَن سنی کر دو گے؟ یہ استفہام امر کی بلیغ صورت ہے۔ (تفسیر مظہری مترجم: ۳/ ۱۸۵)

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الأشربة / باب مدمن الخمر. الرقم : ۳۳۷۵.

(۹) پھر اگلی آیت میں بطورِ تاکید فرمایا: "أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ" اِطاعت ضروری ہے، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرو۔

(۱۰) پھر اخیر میں فرمایا: "فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ...الخ" اگر تم اِس سے باز نہیں آئے اور اسی میں لگے رہے تو جان لو کہ "إِنَّمَا عَلىٰ رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ" ہمارے رسول کی ذمّے داری صرف پیغام رسانی کی ہے، لہٰذا تم تک حکم پہنچا دیا گیا، اب عمل کرکے دارین کی کامیابی حاصل کرنا یا نافرمانی کرکے عذاب کا مستحق بننا تمھارے اختیار میں ہے۔

یہ دس باتیں ان آیات کا حاصل ہیں۔

شراب کی تدریجی حُرمت میں حکمت:

شراب کی حرمت تدریجی طور پر نازل ہوئی، اس میں حکمت یہ ہے کہ عرب قوم زمانۂ جاہلیت سے اُس کی عادی تھی، شراب اُن کی زندگیوں کا جزوِ لاینفک تھی، وہ صرف شراب نوشی کے عادی ہی نہیں تھے، بلکہ اُن کی تجارت وغیرہ کا ایک بڑا حصّہ شراب کے ساتھ جڑا ہوا تھا، اِن تمام اُمور کے مدّنظر شراب کی حُرمت میں تدریجی انداز اختیار کیا گیا، عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے: "فِطَامُ العَادَةِ أَشَدُّ مِنْ فِطَامِ الرَّضَاعَةِ" یعنی عادت کو چھوڑنا زیادہ مشکل ہوتا ہے بچّے کے دودھ چھوڑنے کے مقابلے میں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ''جبل گردد جبلّت نہ گردد'' یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے منتقل کیا جاسکتا ہے لیکن عادت کو چھوڑنا اس سے بھی مشکل ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اِطاعت:

جب شراب کلّی طور پر حرام ہوگئی تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جو اپنی عملی اِطاعت کا نمونہ (Sample) پیش کیا قیامت تک انسانیت ایسی اطاعت کی نظیر نہیں پیش کرسکتی،

جب شراب حرام کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منادِی (اعلان کرنے والا) بھیج دیا جو لوگوں کو بتا دے کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، جب یہ اعلان ہو رہا تھا اُس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں شراب کی مجلس چل رہی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ ساقیٔ جام بنے ہوئے تھے، لوگوں کو شراب پلا رہے تھے، اس مجلس میں حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، اِدھر شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو شراب کے مٹکے توڑ دیے گئے، مدینہ منوّرہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ (۱)

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور تعمیل حکم کا بے مثال جذبۂ صادقہ دیکھیے کہ کوئی تاویل اور قیل و قال نہیں کی، فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا، برسوں کی لگی عادت لمحوں میں چھوڑ دی، جن کے منھ کو شراب آ لگی تھی ان کے حلق تک نہیں پہنچی، سب نے اُسی وقت شراب کے بھرے ہوئے مٹکے اور برتن توڑ دیے، مشکیزوں سے شراب نکال کر راستوں پر بہا دی، روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اس روز شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کی رَو کا پانی، اور مدینہ کی گلیوں میں عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تو شراب کی بو (Smell) اور رنگ مٹی میں ظاہر ہو جاتا تھا۔

اس دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایسی برائیوں سے اپنی نسلوں کو محفوظ رکھیں اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی اطاعت کا نمونہ پیش کریں۔

ایک واقعہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی جو شراب کی حُرمت نازل ہونے سے پہلے شراب کی تجارت کرتے تھے اور خیبر سے شراب لا کر مدینہ میں فروخت کرتے تھے،

(۱) صحيح البخاري / كتاب أخبار الآحاد / باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق. ۷۲۵۳.

اتفاقاً نزولِ حُرمت کے وقت وہ خیبر شراب لینے گئے تھے، اور کافی مقدار میں مشکیزوں میں شراب لے کر واپس ہوئے، مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک صحابی نے اُنھیں حُرمتِ شراب کی خبر دی، تو یہ وہیں کھڑے ہو گئے، یہ گوارا نہ ہوا کہ حرمتِ شراب کی خبر سن کر ایک قدم بھی آگے بڑھائیں، اس لیے قریب کے ایک ٹیلے پر یہ شراب کے مشکیزے رکھ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! مجھے خبر ملی ہے کہ شراب حرام ہو گئی، تو کیا یہ صحیح ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی تو کہنے لگے کہ جس سے شراب خریدی ہے اُسے واپس کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، کہا: کسی غیر مسلم محسن کو ہدیہ کر دوں؟ فرمایا: نہیں، پھر عرض کیا: اس میں چند یتیموں کا بھی مال ہے، فرمایا: اس نقصان کی تلافی ہم بیت المال سے کر دیں گے، اس کے بعد فوراً یہ صحابی واپس ہوئے اور ٹیلے پر جا کر مشکیزوں کے دہانے کھول دیے۔ (نصب الرایۃ رکتاب الاشربہ)

اللہ عزّ وجل ہم سب کی بھی اسی طرح حرام سے حفاظت فرمائیں، ہمیں بہت زیادہ بیداری کی ضرورت ہے، اپنے بچّوں پر نگرانی (Watch) کی ضرورت ہے، اس دور میں جگہ جگہ ایسے اڈّے قائم ہو رہے ہیں جہاں شراب نوشی اور بے حیائی کو حکومتی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے اور اُنھیں باضابطہ طور پر فروغ دینے کی کوششیں کی جاتی ہیں، پھر بھولی بھالی عوام کو اس بات کا یقین دِلا کر مطمئن کیا جاتا ہے کہ اِس سے ملک کی معیشت میں ترقّی ہوگی۔

ہمیں اس بات سے خوش فہمی میں رہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے علاقوں میں بہ کثرت مساجد، مدارس اور مکاتب وغیرہ ہیں جہاں دین کے لیے محنتیں ہو رہی ہیں، بے شک یہ تمام دینی اِدارے اپنی مقدور بھر کوششیں صرف کر رہے ہیں، لیکن وہیں اس بات پر بھی غور کیا جانا چاہیے کہ ہمارے علاقوں میں خفیہ طور پر ایک منظّم سازش کے تحت منشیات بیچی

جا رہی ہیں اور اس بات کی بڑے پیمانے پر کوشش کی جا رہی ہے کہ ہماری نوجوان نسل منشیات کی عادی (Drugs Addict) بن جائے، اُنھیں الکحل، چرس اور گانجے وغیرہ کی لت لگ جائے، آئے دِن اس طرح کے کئی واقعات سننے میں آتے ہیں، لہٰذا خوب متنبہ اور بیدار مغز رہنے کی ضرورت ہے۔

منشیات سے بچنے کی تدابیر:

تمام منشیات سے بچنے اور معاشرے کو بچانے کے لیے اوّلاً لوگوں کو اس کے تمام نقصانات سے آگاہ اور باخبر کیا جائے، دوسرے اپنی بساط کی حد تک ان اسباب پر روک لگائی جائے جو شراب اور منشیات کے پھیلنے میں معاون ہیں، علاوہ ازیں ان دعوتوں اور پارٹیوں میں شرکت نہ کی جائے جہاں شراب پی جاتی ہو، ان دُکانوں اور ہوٹلوں میں نہ جائیں جہاں شراب بیچی اور خریدی جاتی ہو، حتیٰ کہ ان لوگوں سے بھی کوئی تعلق نہ رکھیں جو کسی بھی درجے میں شراب پینے میں یا اُس کے کاروبار میں مبتلا ہوں، کیوں کہ حدیث میں حضور ﷺ نے شراب کے سلسلے میں کئی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بیان فرمائی ہے:

" قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : "لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالمحمُوْلَةَ إِلَيْهِ."(١)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں (۱) شراب پر۔ (۲) اس کے پینے والے پر۔ (۳) اس کے پلانے والے پر۔ (۴) اس کے بیچنے والے پر۔ (۵) اس کے خریدنے والے پر۔ (۶) اس کے بنانے والے پر۔ (۷) اس کے بنوانے والے پر۔ (۸) اس کے مہیّا کرنے والے پر۔ (۹) جس کے لیے مہیّا کی گئی اس پر۔

(١) سنن أبي داود / كتاب الأشربة / باب العنب يُعصَر للخمر. الرقم : ٣٦٧٤.

بچّوں کی دینی تربیت کی جائے:

اب سمجھیے کہ شراب، گٹکا، اسموکنگ اور تمبا کو وغیرہ منشیات کی لت کیسے لگ جاتی ہے؟ وہ کیا چیزیں ہیں جن کی وجہ سے لت لگ جاتی ہے؟ تا کہ ان پر ہماری نظر رہے اور ہمارے بچّے اور آنے والی نسل (Generation) ان کے نقصانات سے محفوظ رہ سکیں، وہ مکمّل محتاط (Carefull) رہیں، ان چیزوں کا دھیان رکھ سکیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے بچّوں کی ایمانی و روحانی تربیت بھی کرنی ہے، اُن کا عقیدۂ آخرت مضبوط کرنا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے، شراب حرام ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں، اِسموکنگ مضرِ صحت ہے، یہ سب باتیں اُن کے دِماغ میں اچھی طرح ذہن نشین کرانی ہیں۔

بچّہ ماں باپ سے سیکھتا ہے:

اسی کے ساتھ ایک اہم بات یہ یاد رکھیں کہ درحقیقت والدین ہی بچّے کے اوّلین رول ماڈل (Role Model) ہوتے ہیں، بچّے اُن کو جس طرح کی زندگی گزارتے ہوئے دیکھیں گے اسی طرح وہ اپنی زندگی گزاریں گے، آج حالت یہ ہے کہ والدین چاہتے تو ہیں کہ ہمارے بچّے وقت کے حسن بصری اور رابعہ بصریہ بن جائیں، لیکن خود اُن کی عملی زندگی لائق صد افسوس ہوتی ہے، خود نماز نہ پڑھیں، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ بچّے نمازی بن جائیں، والدین چاہتے ہیں کہ بچّے موبائل فون زیادہ استعمال (Use) نہ کریں، خود اگرچہ گھنٹوں بھر موبائل فون لے کر بیٹھے رہیں، تو ایسے ماحول میں بچّے کبھی دین دار نہیں بن سکتے، بچّوں میں دین داری پیدا کرنی ہے تو اوّلاً والدین کو خود دین دار بننا ہوگا، گھر کا ماحول دینی بنانا ہوگا، اس لیے کہ بچّے کتابوں سے کم ماحول سے زیادہ سیکھتے ہیں۔

لٰہذا اوّلاً یہ اصول یاد رکھنا ہے کہ ہم اپنے بچّوں کو جو بنانا چاہتے ہیں وہ پہلے ہم خود بن جائیں، جو تربیت ہم بچّوں کو دینا چاہتے ہیں اُس پر ہم خود پہلے عمل پیرا ہوں، باپ جب بچّے کے سامنے سگریٹ اور تمبا کونوشی کر رہا ہو تو کیا بچّہ نہیں کرے گا؟ بچّہ اُس سے زیادہ ہی کرے گا، یہ نہ بھولیں کہ ''ترقّی'' کا دور ہے!

بچّہ اپنے والدین سے اور گھر کے ماحول سے کتنا سیکھتا ہے اُس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بعض بچّوں میں سگریٹ نوشی اور تمبا کونوشی کی عادت باپ ہی سے سیکھ کر شروع ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ باپ گھر میں بچّے کے سامنے اسموکنگ کر رہا ہے، بچّہ اُسے دیکھتا رہتا ہے، بچّے کی ہمت تو نہیں ہوتی کہ وہ باپ سے مانگے کہ ابّا! ذرا مجھے بھی چکھاؤ (Test) کرنے دو، تو ابّا نے آدھی پونی سگریٹ پی اور ختم ہونے کے قریب تھی تو اُسے پھینک دیا اور کسی کام سے دوسرے روم میں چلا گیا، بچّے نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے، ابھی جل رہی ہے اور کچھ باقی بھی ہے، چلو! تھوڑا سا ذائقہ (Test) لیتے ہیں، آخر ابّا اِتنے دِنوں سے پیتے ہیں تو میں بھی تو چکھ کر دیکھوں کیسی لگتی ہے، بچّہ اُٹھا کر ایک دو کش کھینچ کر پھینک دیتا ہے، پھر وہ تلاش میں اور انتظار میں رہتا ہے کہ ابّا بچی ہوئی سگریٹ پھینکیں گے تو میں اُٹھا کر پوری کر لوں گا، اس طرح بچّے کو لت لگتی ہے، جس کا سبب خود اُس کا والد بنا ہوا ہوتا ہے، حالانکہ اُسے بالکل پتا نہیں ہوتا کہ اُس کا بچّہ خود اُسی سے سیکھ کر پینے کا عادی بن گیا ہے۔

جیسی سنگت ویسی رَنگت:

اسی کے ساتھ گھر کے اطراف کا ماحول اور پورے معاشرے کا ماحول بہتر سے بہتر ہو اُس کی کوشش کی جائے، آج تو تقریباً ہر علاقے (Area) میں منشیات عام ہیں، تاہم حتی الامکان کوشش کی جائے کہ بچّوں کو بہتر ماحول دیا جائے، اُن کی صحبت اچھے دین دار گھرانوں

کے بچّوں کے ساتھ ہو، اُن کے دوست واحباب دینی ماحول کے ہوں اس بات کی خوب فکر کرنی چاہیے۔

نیز بچّوں کو بری صحبتوں سے بچانا بھی اسی قدر ضروری ہے، مَثَل مشہور ہے کہ ''جیسا سنگ ویسا رنگ'' بہت سی عادتوں میں صحبت بڑا رول ادا کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی ابوداود شریف میں مروی ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِه، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ."(۱)

''انسان اپنے دوست کے مذہب اور طریقے پر ہوتا ہے، لہٰذا دیکھ لیا کرو کہ تم کس سے دوستی کر رہے ہو۔''

بچّوں کے دوست واحباب (Friends Circle) کیسا ہے اس کا خیال رکھنا یہ والدین کی ذمّے داری ہے۔

بچّوں کے ساتھ مذاکرے کا سلسلہ قائم رکھا جائے:

آج کی تیز رفتار زندگی (Fast Life) میں اوّلاً تو بچّوں کے ساتھ والدین اپنا وقت ہی نہیں گزارتے، یا پھر اُن کو وقت دیتے ہیں تو اُن کے ساتھ مواصلاتی تعلقات برقرار نہیں رکھتے، اُن کے ساتھ دِن بھر کے کام اور احوال وغیرہ کا مذاکرہ وغیرہ نہیں کرتے، اِس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچّے اور والدین (Parents) کے درمیان مواصلاتی فاصلہ بڑھ جاتا ہے، ایک (Communication Gap) بن جاتا ہے، پھر بچّے ایسی بہت سی باتیں جو والدین کے سامنے رکھنی چاہیے نہیں رکھ پاتے۔

(۱) سنن أبي داود / أول كتاب الأدب / باب من يؤمر أن يُجَالسَ. الرقم : ٤٨٣٣.

بچّوں میں منشیات کی عادت میں گھر کے ماحول کے اثر کے علاوہ صحبت کتنی مؤثر ہوتی ہے اُس کو بھی مثال سے سمجھیں، مثلاً ایک بچّے نے اسکول سے گھر آکر اپنے والد سے کہا کہ ابّا! آج میرا ایک دوست سگریٹ پی رہا تھا، تو ابّا نے پوچھا کہ بیٹا! پھر تم نے کیا کیا؟ بچّے نے بھولے پن سے جواب دیا کہ میں نے اُس سے کہا کہ مجھے بھی ایک دو کش چکھ لینے دو، تو میں نے بھی دو کش لگا دیے۔ ...... اب ابّا کیا کرتے ہیں؟ جلال میں آکر بچّے کو ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگلی بار ایسا کیا تو تیری ٹانگیں توڑ دوں گا، اور اگر ابّا جان زیادہ جلالی ہوں تو ایسے موقع پر دو تھپّڑ بھی رسید کر دیں گے۔

ماہرینِ نفسیات (Psychologists) کہتے ہیں کہ ایسے مواقع میں بچّوں کی نفسیات (Psychology) سمجھنا نہایت ضروری ہے، اس طرح چھوٹے بچّوں کو ڈانٹنے یا پیٹنے سے نقصان یہ ہوگا کہ آئندہ جب بھی بچّہ ایسا کوئی کام کرے گا تو والدین کے سامنے کچھ نہیں کہے گا، اُسے چھپائے گا اور طے کر لے گا کہ ایسی باتیں نہیں بتانی ہیں، یہیں وہ مواصلاتی فاصلہ (Communication Gap) پیدا ہو جاتا ہے، والدین کے ساتھ مذاکرات نہ ہو پانے کی وجہ سے بُری صحبت میں بُری عادتوں کی اُسے لت لگ جائے گی اور وہ نشے کا عادی (Addict) بن جائے گا۔

لہٰذا جب بچّہ پہلی بار اس طرح والدین کے سامنے کوئی بات رکھے تو اُسے بالکل محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ والدین اُس کی اِس حرکت سے ناراض اور غصّے میں ہیں، بلکہ اُسے بہلا کر کسی طرح پوری بات پوچھ لیں، مکمّل تحقیق کر لیں کہ کونسے دوست اُس کے ایسے ہیں، پھر بچّے کو محبّت کے انداز میں سگریٹ نوشی کے نقصانات سمجھائیں، بُری صحبت کا انجام سمجھائیں اور ہو سکے تو اُس کے دوستوں کے والدین تک بھی بات پہنچائیں۔

بہتر یہی ہے کہ بچّوں کو یہ عادت ڈال دیں کہ گھر میں جب بھی وہ والدین سے ملتے ہیں تو دِن بھر اسکول مدرسے میں کیا کیا ہوا، کیا پڑھا؟ کیا کھیل کھیلے؟ وغیرہ تمام باتیں بچّے خود بتائیں، اور والدین جہاں کوئی نامناسب اور غلط بات محسوس کریں تو اُس کے متعلّق بچّے کو محبّت سے سمجھائیں اور جو باتیں اور جو کام اچھے کیے ہوں اُن پر حوصلہ اَفزائی بھی کریں۔

نشہ علاج نہیں، بیماری ہے:

ہمارا نوجوان اور نوخیز (Teenagers) طبقہ عامۃً ذہنی کشیدگی (Stress) کی وجہ سے ڈپریشن (Depression) کا شکار ہو کر منشیات کا عادی (Addict) بن جاتا ہے، پھر ذہنی اُلجھن اور کشیدگیکے کئی اسباب ہوتے ہیں، مثلاً کھوکھلی محبّت میں ناکام ہوگئے، یا تعلیمی بوجھ زیادہ ہے، یا امتحان (Exam) میں فیل ہوگئے وغیرہ، میری اُن سے عاجزانہ درخواست ہے کہ براہِ کرم یہ بات خوب سمجھ لیں کہ اسموکنگ یہ آپ کی ذہنی پریشانی اور اُلجھن کا علاج ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ خود ایک مستقل مصیبت ہے جو محتاجِ علاج ہے، تو یہ بات یاد رکھیں کہ منشیات ذہنی سکون کا سبب ہرگز نہیں ہیں، بلکہ صحت کو خراب کرنے کا ذریعہ اور جسم کے لیے زہر ہیں۔

نشہ بڑائی نہیں، بُرائی ہے:

ہمارے کچھ نوجوان بھائی خام خیالی اپنے ذہن میں پال کر رکھتے ہیں کہ اسموکنگ میں، دَم لگانے میں ایٹیٹیوڈ (Attitude) بڑائی دِکھتی ہے، ہم لوگوں کے سامنے کچھ الگ دِکھتے ہیں۔ اسی طرح فلاں ہیرو فلاں اداکار (Actor) فلاں برانڈ کی سگریٹ پیتا ہے، یا فلاں سیلی بریٹی (Celebrity) مشہور شخصیت اس طرح کرتا ہے تو میں بھی ایسا کروں تو میرا بھی ایک مقام (Status) بن جائے گا۔

میرے بھائیو! ذرا سوچو کہ دَم لگانے میں کوئی بڑائی نہیں، بلکہ برائی ہے، اور جو اداکار سگریٹ پیتا ہوا دِکھایا جاتا ہے وہ حقیقت میں اداکاری کر رہا ہوتا ہے، جس پر اُسے کروڑوں روپے دیے جاتے ہیں، وہ اپنی نجی زندگی میں اس سگریٹ کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتا، اُسے اپنی صحت کا تم سے زیادہ خیال رہتا ہے۔ یہاں والدین کی بھی ذمّے داری بنتی ہے کہ اپنی نوجوان اولاد کے سامنے یہ حقائق کھول کر رکھیں کہ یہ اداکار ہمارے رول موڈلس نہیں ہیں، درحقیقت وہ ایک اچھے معاشرے کے دُشمن ہیں، ہمارے آئیڈیل (Ideal) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کے تربیت یافتہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، ہمارے رول موڈلس ہمارے دور کے علمائے کرام اور صلحائے عظام ہیں۔

شراب کے عادی بن جانے اور لت لگ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بے دین حکومت کی جانب سے اُس پر کوئی سزا نہیں دی جاتی، کچھ صوبوں میں قانوناً پابندی ہونے کے باوجود پس پردہ پولس ہی کی نگرانی میں شراب کا کاروبار چلتا ہے، اگر اسلامی حکومت ہو تو شرابی کے لیے جب کہ اُس کا نشہ کرنا شرعی ثبوت اور گواہوں سے ثابت ہو جائے تو اَسّی کوڑے کی سزا دی جاتی ہے۔ اب جب کہ کوئی روک ٹوک ہے ہی نہیں تو شراب کا عام ہونا کوئی قابل تعجب بات نہیں۔

دِل کا سکون منشیات میں نہیں، یادِ الٰہی میں ہے:

اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہماری زندگی میں اگر فرائض و واجبات کا اہتمام نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں ہے تو دِل پریشان ہی رہے گا، ذہنی اُلجھنیں کم نہیں ہوں گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دِل کا سکون وابستہ ہے۔

نہ دُنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے
تسلّی دِل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

خود قلوب کو پیدا کرنے والا، قلب کے تمام حقائق ودقائق کو جاننے والا قرآن پاک میں فرماتا ہے:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد : ۲۸)

''جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

کسی نے ذکر اللہ کے سکون کو یوں بیان کیا ہے:

کتنی تسکین وابستہ ہے تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

جب دِل بے قرار ہوتا ہے اور دِماغ اُلجھنوں کا شکار ہوتا ہے تو فطری طور پر انسان سکون کی تلاش میں بھاگنے لگتا ہے، پھر وہ شراب، گٹکا، تمباکو جیسی منشیات کے جال میں پھنس جاتا ہے، لہٰذا بچپن ہی سے بچّوں کا تعلق دین سے قائم کرنا، عبادتوں سے جوڑے رکھنا اور اُنھیں اللہ کے ذکر سے وابستہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

خلاصہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بچّوں کی اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً محبّت کے ساتھ فہمائش کی جائے، منشیات کی برائی اُن کے سامنے واضح کی جائے، جو لوگ اِس برائی میں پھنس کر تباہ و برباد ہو گئے اُن کے حالات سے باخبر کیا جائے، نیز والدین گھر کا ماحول دین دار بنائیں، منشیات سے خود بھی دور رہیں، بچّوں کے ساتھ یومیہ مذاکرات بڑھائیں، اُن سے اگر پہلی مرتبہ اس طرح کی حرکت صادر ہو جائے تو اُن پر بیجا سختی کرنے کے بجائے اُن سے اُس کی وجہ معلوم کریں، گھر کا ماحول ایسا بے تکلّف اور محبّت والا بنائیں کہ بچّے خود اپنی دِن بھر کی رُوداد والدین کے سامنے رکھیں، اُن کو اپنا قیمتی وقت دیں، خواہ والدین کتنے ہی مشغول

(Busy) کیوں نہ ہوں، اولاد کا حق سمجھ کر اُن کی ذہنی و روحانی تربیت کے لیے وقت فارغ کریں۔

یہ چند معروضات ہیں جن پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ ہمارے بچّے منشیات کے عادی بننے سے بچیں گے اور اُن کا مستقبل روشن ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری اور ہماری نسلوں کی شراب، گٹکا، تمباکو وغیرہ تمام منشیات سے مکمّل حفاظت فرمائیں اور اپنی یاد اور عبادتوں کا اہتمام ہمیں نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

نشہ اور تمباکو کے نقصانات

PART-1
BAYAN QR CODE

PART-2
BAYAN QR CODE

PART-3
BAYAN QR CODE

PART-4
BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنَا مِنَ الطَّيِّبَاتِ بِفَضْلِه، وَحَرَّمَ عَلَيْنَا الْخَبَائِثَ مِنْ حِكَمِه، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلىٰ رَسُوْلِه الَّذِيْ بَلَّغَنَا جَمِيْعَ أَحْكَامِه. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة : ١٩٥)

وَقَالَ تَعَالىٰ :

﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (المؤمنون : ٥١)

وَقَالَ تَعَالىٰ :

﴿لَا تَقْتُلُوْآ أَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء : ٢٩)

وَقَالَ تَعَالىٰ :

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الأعراف : ١٥٧)

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ :

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (الإسراء : ٢٧)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "لَا ضَرَرَ، وَلَا ضِرَارَ."(١)

وَنَهَىٰ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ إِضَاعَةِ المَالِ.(٢)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

تمہید:

محترم برادرانِ اسلام، عزیزو اور بزرگو! آج کی اِس مجلس میں ہم تمباکو، سگریٹ

(١) ابن ماجه / كتاب الأحكام / باب من بنى في حقه ما يضرّ جاره. الرقم : ٢٣٤١.

(٢) رواه البخاري تعليقا في كتاب الزكوٰة / باب لا صدقة إلا عن ظهر غنىً.

وغیرہ کے تعلق سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے ہیں، اور قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں ان چیزوں کے نقصانات بیان کرنا چاہتے ہیں۔

میرے بھائیو! تمباکو ایک خطرناک چیز ہے، اُس کی وجہ سے انسان کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، لیکن اب اُس کا فساد اِتنا بڑھ رہا ہے کہ شاید ہی پوری دُنیا میں کوئی خطہ، کوئی علاقہ ایسا باقی رہا ہو جہاں یہ مصیبت نہ پہنچی ہو، اِس نحوست نے دُنیا بھر کے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، کیا جوان، کیا بچے، کیا مرد، کیا عورتیں، سب ہی اِس میں ملوث ہیں۔

اِس سلسلے میں بیداری اور اَویرنیس (Awareness) بہت ضروری ہے، خصوصاً اُمت مسلمہ کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنے جان و مال کو ان چیزوں کے پیچھے برباد کر رہا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی ہمیں عطا کی ہے، ہمیں قیمتی جسم اور جسم کے اَعضا (Parts Of Body) دیے ہیں، یہ تمام اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اگر ہم اپنے جسم کو نقصان پہنچائیں، اس کو ڈیمیج (Damage) کر دیں، خودکشی (Suicide) کر لیں تو یہ اَمانت میں خیانت ہے، اسلام میں خودکشی کیوں حرام ہے؟ اسی وجہ سے کہ یہ جان میری اپنی نہیں ہے کہ جو چاہوں کروں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہے۔

تو تمباکو اور سگریٹ نوشی کرنے والے اس زہر (Slow Poison) کے ذریعے اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کی خودکشی ہے۔

آیات واحادیث کا مختصر خلاصہ:

تو آیئے! قرآن مجید کی جو آیات شروع میں تلاوت کی گئیں مختصراً اُن کو سمجھ لیتے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اِس عنوان (Topic) سے اُن آیات کا کیا تعلق (Connection) ہے؟

پہلی آیت کریمہ یہ پڑھی گئی:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة : ١٩٥)

''اور تم اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

حرمین شریفین (زَادَهُمَا اللهُ شَرَفًا وعظمةً وكَرَامَةً) میں جگہ جگہ بورڈ لکھے ہوئے رہتے ہیں: "ممنوع التدخين" یعنی اسموکنگ منع ہے، جس کے بعد یہی آیت مذکورہ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اسموکنگ وغیرہ زہر (Slow Poison) ہیں، جن کو استعمال کر کے انسان اپنی جان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

دوسری آیت کریمہ یہ تلاوت کی گئی:

﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (المؤمنون : ٥١)

''تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو۔''

اب بتائیے کہ گٹکا جو ہاتھوں میں مَل مَل کے میل اور طرح طرح کی گندگیاں ملا کر کھایا جاتا ہے وہ کسی بھی زاویے سے پاکیزہ کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر ذرا یہ سوچو کہ یہ چیزیں تیار کیسے ہوتی ہیں؟ اُن میں کون کونسے نقصان دہ مادّے (Chemicals) ملائے جاتے ہیں، ہم نے کبھی اس بارے میں کوئی تحقیق (Research) کی؟

بہر حال اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم فرمایا، ہم خود ہی اپنی ذات سے سوال کر لیں کہ یہ گٹکا اور سگریٹ وغیرہ کا شمار طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں میں ہوسکتا ہے؟ پھر خود ہی فیصلہ کر لیں۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء : ٢٩)

''تم اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو۔''

اسموکنگ وغیرہ خاموش قاتل (Silent Killers) ہیں، اُن سے انسان آہستہ آہستہ اس طرح مرتا ہے کہ اُسے خود پتا تک نہیں ہوتا۔

چوتھی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الأعراف : ۱۵۷)

''اور نبی اُن کے لیے (بہ حکم خداوندی) پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور اُن پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔''

اگرچہ تمباکو وغیرہ کے استعمال کی حُرمت مختلف فیہ ہے، تاہم اُس کے مضرِ صحت ہونے میں، اُس کے خاموش زہر ہونے میں اور مال کی بربادی کا سبب ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اخیری آیت تلاوت کی گئی، جس میں فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط﴾ (الإسراء : ۲۷)

''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

ظاہر سی بات ہے کہ تمباکو اور سگریٹ نوشی میں ہونے والا خرچ جب بیجا ہے تو اُس کے فضول خرچ ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

یہ آیات کا مختصر خلاصہ ہے، اب دونوں احادیث مبارکہ کا بھی مختصراً خلاصہ سمجھ لیں:

پہلی حدیث پاک "لَا ضَرَرَ، وَلَا ضِرَارَ" میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خود بھی تکلیف میں مت آؤ اور اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

تمباکو اور سگریٹ نوشی دونوں چیزیں ایسی ہیں جو ہر طرح سے نقصان کے دائرے میں شمار ہوتی ہیں، اُن میں خود کو تکلیف پہنچانا بھی پایا جاتا ہے اور اسموکنگ کے ذریعے

دوسروں کو جو اس میں مبتلا نہ ہوں اُن کو بھی تکلیف دینا ہے۔

دوسری حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، ظاہری بات ہے کہ تمباکو اور سگریٹ نوشی کرنے والے خود ہی کے مال کو ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ آیات و احادیث کی روشنی میں اسموکنگ، تمباکو، گٹکا، سگریٹ وغیرہ کے نقصانات، اُن کی خرابیوں اور برائیوں کا ذکر ہوا۔

شرابی کے متعلّق خصوصی وعیدیں:

اب کچھ احادیث سمجھیے جن میں خاص طور پر شراب کے سلسلے میں نہایت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مسندِ احمد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے لوگ جنّت میں داخل نہیں ہوں گے، پہلا: شراب کا عادی، دوسرا: رِشتے داروں سے قطع تعلق کرنے والا، تیسرا: جادو کی تصدیق کرنے والا۔

پھر اسی حدیث میں آگے شرابی کے لیے آخرت کی سزا بیان فرمائی کہ جو شخص شراب کی عادت کے ساتھ مر جائے گا اللہ تعالیٰ اُسے ''نہرِ غوطہ'' سے پلائیں گے، دریافت کیا گیا کہ ''نہرِ غوطہ'' کیا ہے؟ فرمایا: یہ ایک ایسی نہر ہے جو زانیہ عورتوں کی شرمگاہوں سے بہہ رہی ہوگی، جن کی شرمگاہوں کی بدبو اہلِ جہنّم کو اَذیت پہنچائے گی۔

"ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ : مُدْمِنُ خَمْرٍ، وَقَاطِعُ رَحِمٍ، وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ، وَمَنْ مَاتَ مُدْمِنًا لِلْخَمْرِ سَقَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ نَهْرِ الْغُوطَةِ، قِيلَ: "وَمَا نَهْرُ الْغُوطَةِ؟" قَالَ: "نَهْرٌ يَجْرِي مِنْ فُرُوجِ الْمُومِسَاتِ، يُؤْذِي أَهْلَ النَّارِ

رِیحُ فُرُوجِهِمْ."(۱)

(۲) بخاری شریف میں روایت ہے: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ شراب پیتا ہے تو وہ کامل مؤمن باقی نہیں رہتا، یعنی اُس کا نورِ ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

"وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ."(۲)

(۳) ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں شراب پیے، پھر اُس سے توبہ نہ کرے تو وہ آخرت میں جنّت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا۔

" مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِيْ الدُّنْيَا، ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا، حُرِمَهَا فِيْ الآخِرَةِ."(۳)

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ہمیں سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے، تمباکو کا استعمال اِس وقت ہمارے معاشرے کی بہت بڑی کمزوری بنتا جا رہا ہے۔

تمباکو کے استعمال کے مختلف طریقے:

تمباکو کا استعمال مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، جن میں سے پانچ طریقے زیادہ رائج ہیں، پھر اُن میں بھی دو طریقے سب سے زیادہ چلتے ہیں۔

(۱) ایک شکل تو یہ ہے کہ تمباکو چبا کر استعمال کیا جائے، جیسے ویمل، گٹکا جنھیں ہاتھ میں مَلا جاتا ہے، پھر چبا کر کھایا جاتا ہے، ماہرین کہتے ہیں کہ یہ طریقہ سب سے زیادہ خطرناک ہے، اس میں زہر (Slow Poison) کو چبا کر چوسا بھی جاتا ہے، اسی طرح پان میں ڈال کر کھایا جاتا ہے، جسے ''ماوا'' کہتے ہیں، اس کی وجہ سے منھ کا کینسر اور لقوہ (Paralysis) جیسی بیماریاں ہوتی ہیں۔

(۱) مسند أحمد / أوّل مسند الكوفيين / حديث أبي موسىٰ الأشعريّ. الرقم : ١٩٥٦٩.
(٢) صحيح البخاري / كتاب الحدود / باب لا يُشرب الخمر. الرقم : ٦٧٧٢.
(٣) صحيح البخاري / كتاب الأشربة وقول الله تعالىٰ: إنما الخمر والميسر...الخ. الرقم : ٥٥٧٥.

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تمباکو کا استعمال سونگھ کر کیا جاتا ہے، جیسے نسوار وغیرہ، یہ طریقہ بھی بڑا خطرناک ہے۔

(۳) تیسری شکل یہ ہوتی ہے کہ پائپ اور حقے کے ذریعے تمباکو کے دُھویں کو حلق میں اُتارا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی شکل یہ ہوتی ہے کہ گُل اور مَنجن وغیرہ کے ذریعے تمباکو دانتوں پر گھسی جاتی ہے۔

(۵) پانچویں شکل جو سب سے زیادہ عام ہے وہ یہ کہ سگریٹ اور بیڑی کے ذریعے تمباکو کو پھونک کر حلق سے نیچے اُتارا جاتا ہے۔

یہ کل پانچ شکلیں ہیں، جن سے اپنی جان کو لوگ ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائیں اور اِن خطرناک چیزوں سے ہمیں نجات عطا فرمائیں۔

تمباکو کے نقصانات:

اب سگریٹ اور تمباکو کے نقصانات کو سمجھتے ہیں، ماہرین کی تحقیق کے مطابق اس میں ڈھائی سو (۲۵۰) زہریلے مادّے ہوتے ہیں، جن میں سب سے زیادہ خطرناک نیکوٹین (Nicotine) ہے، جس کا استعمال تمباکو نوشی کرنے والے (Smokers) وقتی طور پر ذہن کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے، کھوکھلا سرور حاصل کرنے کے لیے اور ذمّے داریوں کے بوجھ سے جان چھڑانے کے لیے کرتے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ''تندرستی ہزار نعمت'' اسموکنگ وغیرہ کا سب سے زیادہ اثر انسان کی صحت پر پڑتا ہے، مختلف بیماریاں ایسی چیزوں کے استعمال سے جنم لیتی ہیں، چنانچہ ماہرین

کہتے ہیں کے پھیپھڑے کا کینسر ہوتا ہے، جبڑے کا کینسر ہوتا ہے، حلق کا کینسر ہوتا ہے، آنکھوں اور گردے کا کینسر ہوتا ہے، اسی طرح امراضِ قلبیہ (دل کی بیماریوں) میں اس کا بڑا دخل ہے، دِل کی دھڑکن کا کم زیادہ ہونا، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ بیماریاں اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ماہرین لکھتے ہیں کہ روزانہ دو ہزار افراد اسموکنگ اور تمباکو نوشی کی وجہ سے مر رہے ہیں، اور ایک سال میں ایک انداز کے مطابق آٹھ لاکھ افراد تمباکو اور اسموکنگ کی وجہ سے موت کے منھ میں جا رہے ہیں، یہ (W.H.O.) عالمی ادارۂ صحت کی تحقیق ہے، اور ساری دُنیا کا اندازہ لگائیں تو ایک تحقیق کے مطابق پینتالیس (۴۵) لاکھ لوگ تمباکو کی وجہ سے موت کا شکار بن رہے ہیں۔

پھر تمباکو بیچنے والی کمپنیوں کو خود اپنی مصنوعات پر لکھنا پڑتا ہے کہ تمباکو نوشی جان لیوا ہے، صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ "Smoking Is Killer." اسی طرح گٹکا وغیرہ پر بھی صاف طور پر لکھنا پڑتا ہے: "Chewing Tobacco Is Dangerous" یعنی تمباکو چبانا صحت کے لیے خطرناک ہے، علاوہ ازیں ان کمپنیوں کو اپنی مصنوعات پر بڑی بڑی تصویریں بھی لگانی پڑتی ہیں جن سے استعمال کرنے والے ڈر جائیں، پھر بھی اُس کو لوگ خرید خرید کر کھاتے ہیں، تمباکو نوشی کرنے والے یہ بھی بتاتے ہیں کہ جس پر یہ ڈراؤنی اور بھیانک تصویر بنی ہوتی ہے وہ زیادہ مزے دار (Tasty) ہوتا ہے۔

اب ہم ذرا اندازہ لگائیں کہ پیسوں کی ہوس کے اِس دور میں جہاں لوگ اپنی چیزوں کی کمی وکوتاہی (Minus Points) چھپا کر بیچنے کی کوشش میں رہتے ہیں وہاں ان کمپنیوں کو اپنی مصنوعات کا ضرر بالکل واضح انداز میں کھول کر بتانا پڑتا ہے، حتیٰ کہ تصویر بھی لگانی پڑتی ہے، تاکہ اگر کوئی اَن پڑھ تنبیہ (Warning) پڑھ نہ سکے تو کم از کم ایسی

ڈراؤنی تصویر دیکھ کر ہی ڈر جائے، پھر بھی لوگ بے تکلّف اندھے بن کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

پھر مرد تو مرد اب تو عورتیں بھی تمبا کو نوشی میں مبتلا ہو رہی ہیں، بعض علاقوں میں میاں بیوی دونوں مل کر کھاتے ہیں، تا کہ کوئی ایک دوسرے کو منع نہ کرے، اس کی وجہ سے عورتوں کے لیے حیض کا مسئلہ بھی کھڑا ہوتا ہے، اگر عورت حاملہ (Pregnant) ہے تو بچّے پر بھی اس کا اثر ہوگا، بلکہ یہ اثر بعد کی نسلوں تک بھی منتقل ہوسکتا ہے۔

ایک شامی ڈاکٹر جن کا نام ڈاکٹر ابراہیم ہے، اُنھوں نے اسموکنگ کے متعلّق عربی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے: "التَّدْخِيْنُ عِزْرَائِيْلُ العَصْرِ الْحَدِيْثِ" یعنی تمبا کو نوشی (Smoking) اِس دور کا عزرائیل ہے۔ ''عزرائیل'' اُس فرشتے کا نام ہے جو من جانب اللہ روح قبض کرنے پر مامور ہیں، جن کو ملک الموت کہا جاتا ہے۔

جن لوگوں کو کینسر ہوتا ہے اُن میں نوے (۹۰) فی صد لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے کینسر کی وجہ تمبا کو کا استعمال ہوتی ہے، ہسپتالوں میں جا کر سبق حاصل کرنا چاہیے۔

بعض ممالک میں اس پر بڑی پابندیاں ہیں، پھر بھی ان چیزوں کا استعمال دِن بہ دِن بڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ ڈاکٹر جو شفا کا ظاہری ذریعہ بنتے ہیں وہ خود بھی تمبا کو نوشی (Smoking) میں مبتلا ہوتے ہیں، اب لوگوں کو کیا پیغام پہنچے گا؟ لہٰذا اس تعلق سے بیداری پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

سنگاپور میں اگر کوئی شخص عوامی جگہ (Public Place) میں تمبا کو نوشی (Smoking) کر رہا ہو تو اُس سے پانچ سو (۵۰۰) ڈالر کا جُرمانہ لیا جاتا ہے، ایسی قانونی سختی ہو تب ہی ان چیزوں پر کچھ حد تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے، پچھلے کچھ سالوں سے ہمارے ملک میں بھی اس

سلسلے میں عوامی بیداری کے لیے کوششیں جاری ہیں، لیکن عملی طور پر جو کنٹرول ہونا چاہیے وہ ابھی تک ندارد ہے، بلکہ نظام مزید بگڑتا جارہا ہے، اب تو نوجوان بچّے سگریٹ وغیرہ میں ڈرگس ملا کر پینے کے عادی ہوگئے ہیں، جب سگریٹ میں نشہ ملایا جائے تو اس کی حُرمت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ حاصل کلام یہ کہ تمباکو صحت کے لیے مضر ہے۔

تمباکو نوشی میں ایذائے مسلم بھی ہے:

دوسری بات یہ سمجھنی ہے کہ تمباکو نوشی (Smoking) میں ایذائے مسلم کا پہلو بھی ہے، اس کی وجہ سے پینے والے کے علاوہ دیگر انسانوں کو اور مسلمانوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، کئی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہونے میں دو تین منٹ باقی ہیں اور وہ مسجد کے دروازے پر کھڑے بیڑی یا سگریٹ پھونک رہے ہیں، جب مؤذّن صاحب اِقامت شروع کریں گے تب ہی وہ بیڑی پھینکیں گے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے پیاز اور لہسن جیسی بدبودار چیزیں استعمال نہ کی جائیں، اس کی بدبو کی وجہ سے دیگر مصلیان اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔[1] تو کیا یہ بیڑی و سگریٹ کی بدبو تکلیف کا سبب نہیں بنے گی؟

تمباکو نوشی (Smoking) کرنے والا فضا کو خراب کرتا ہے، اس کی وجہ سے دوسروں کو سانس لینے میں دُشواری ہوتی ہے، اسی وجہ سے اب تمباکو نوشی (Smoking) کی تنبیہ (Warning) بھی بدل چکی ہے:

"Your Smoking Is Injurious to My Health too."

یعنی ”آپ کی تمباکو نوشی (Smoking) میرے لیے بھی نقصان دہ ہے۔“

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأذان / باب ما جاء في الثوم النيء والبصل، الرقم : ٨٥٥.

تمباکونوشی (Smoking) کرنے والے غیر ارادی طور پر بھی اپنے قرب و جوار اور گھر کے لوگوں کی صحت کی خرابی کے ذمّے دار بن جاتے ہیں۔

اِس وقت کورونا کے وبائی مرض کے دوران (Social Distance) معاشرتی فاصلہ رکھنے کی تاکیدی ہدایت دی جارہی ہے، اس سے بھی یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ تمباکونوشی (Smoking) کرنے والے سے بھی فاصلہ بنائے رکھنے کی ضرورت ہے، کورونا کے وبائی مرض میں جہاں لوگوں کی بڑی تعداد لقمۂ اجل ہوئی اُن میں ایسے بھی کئی لوگ تھے جن کے جسم کی دِفاعی قوت (Immunity) تمباکونوشی (Smoking) کی وجہ سے بُری طرح متاثر ہوچکی تھی اور اس وجہ سے یہ وبائی مرض اُن پر زیادہ حاوی ہوگیا۔

بے شک موت کا وقت من جانب اللہ متعین ہے، لیکن دُنیا جب دار الاسباب ہے تو بندہ بھی ایسے اسباب و وسائل سے باز رہنے کا مکلّف ہے جو اس کی ہلاکت کا ذریعہ بنیں۔

تمباکونوشی میں مال کا ضیاع:

تمباکونوشی کی تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ اُس سے مال ضائع ہوتا ہے، ہمارے بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ کسی کو بھکاری بننا ہو تو وہ بیڑی پینا شروع کردے، ہم نے ایسے نشے اور تمباکونوشی کرنے والوں کو دیکھا ہے جنھوں نے بھیک مانگ کر بھی نشے کی لت کو پورا کیا، یہاں تک کہ اپنے اعضا (Organs) بھی بیچ دیے، اپنے بیوی بچّوں تک کو بیچ دیا۔

ابھی تالابندی (Lockdown) کے عرصے میں جہاں کچھ لوگ اَناج غلے کے لیے ترس رہے تھے وہیں کچھ لوگ تمباکو، سگریٹ اور گٹکا وغیرہ بڑے مہنگے دام میں خرید کر ذخیرہ (Stock) کررہے تھے، یہ انتہائی درجے کی فضول خرچی ہے، اور فضول خرچی کرنے والے بحکمِ خداوندی شیطان کے بھائی ہیں۔

باپ کی تمباکو نوشی اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے:

تمباکو نوشی (Smoking) کا ایک اور نقصان یہ بھی ہے کہ اُس سے اولاد کی تربیت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے، کچھ والدین ایسے ہوتے ہیں جو بچّوں کے سامنے ہی تمباکو نوشی کرتے ہیں، بچّے جب والدین کو تمباکو نوشی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو اُن سے بچپن ہی میں سیکھنا شروع کر دیں گے، بعض والدین بچّوں سے چھپ کر تمباکو نوشی کرتے ہیں، لیکن یہ کہاں تک چھپائیں گے؟ ظاہری بات ہے کہ جب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں تو کبھی نہ کبھی تو راز کھل ہی جائے گا، اِس سے بچّوں کے ذہن پر دوگنا منفی (Negative) اثرات پڑیں گے، اوّل تمباکو نوشی تو ہے ہی، پھر اپنے غلط کام کو چھپا کر چوری سے کرنا، اس سے بچّے یہ غلط بات بھی سیکھیں گے کہ جب کوئی غلط یا نامناسب کام کرنا ہو تو خفیہ طور پر کرنا چاہیے۔

تمباکو نوشی کا ایک بڑا نقصان:

تمباکو نوشی (Smoking) کا مزید ایک نقصان یہ ہے کہ کبھی کسی وجہ سے تمباکو، سگریٹ یا بیڑی وغیرہ نہ مل پائے تو طبیعت میں سستی اور بے چینی رہتی ہے، بہت سے لوگوں کی تو طبیعت بھی خراب ہوجاتی ہے، وہ لوگ پریشان ہوجاتے ہیں، خاص کر رمضان جیسے عبادت کے مبارک مہینے میں ایسے لوگوں کے لیے روزہ رکھنا دردِ سر ہوتا ہے، اگر رکھ بھی لیتے ہیں تو شروع کے دِنوں میں اُن کی حالت قابلِ رحم ہوجاتی ہے، اب یہ کتنا بڑا نقصان ہے کہ رمضان جیسے مبارک مہینے میں اِس بُری عادت کی وجہ سے طبیعت اِتنی بے چین اور پریشان ہے کہ عبادتوں میں خشوع وخضوع کا کوئی تصوّر ہی نہیں۔

تمباکو گندگی پھیلنے کا سبب:

علاوہ ازیں پان، گٹکا وغیرہ ایسی چیزیں جن کو چبا کر استعمال کیا جاتا ہے اُن سے

طرح طرح کی گندگیاں پھیلتی ہیں، پان اور گٹکا چبانے والے کہیں پر بھی تھوک دیتے ہیں، گاڑی پر سوار ہونے کی حالت میں بھی تھوکتے ہیں تو پیچھے آنے والوں تک ہوا میں اُن کے غلیظ چھینٹے پہنچتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ایسے لوگ مساجد و مدارس جیسی متبرک جگہوں کو بھی نہیں بخشتے، مساجد و مدارس کی عمارتیں اور اُن کی دیواریں بھی اُن کے غلیظ کارناموں سے شاکی اور گلہ کناں نظر آتی ہیں، جگہ جگہ اُن کے تھوکنے کی وجہ سے غلیظ دَھبے دِکھائی دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے ساتھ بات کرنا بھی کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا، بات کرتے وقت اُن کے منھ سے پان، گٹکا اور تمباکو کی ایسی بدبو آتی ہے کہ اُن کے سامنے کھڑا رہنا مشکل ہو جاتا ہے، اِسی پر بس نہیں، بسا اوقات بات چیت کے دوران پان، گٹکا اور تمباکو کے ذرّات اُن کے منھ سے اُڑ کر سامنے والے کو جا لگتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ پلیدگی کی انتہا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ان چیزوں کے نقصانات بے شمار ہیں، اللہ عزّ وجل ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائیں، اور جو بھی اِس بدی میں ملوث ہیں اور بُری عادتوں میں مبتلا ہیں اُن کو اس دَلدل سے نجات عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہماری اور ہماری آنے والی تمام نسلوں کی حفاظت فرمائیں، صحیح شعور (Sense) سے نوازیں اور اِس زہریلے شوق سے ہم سب کی مکمّل حفاظت فرمائیں۔ اخیر میں دو واقعے سنا کر اپنی بات مکمّل کروں گا۔

بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ:

بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ: ۲۲۷ھ) ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ: ۲۴۱ھ) کے ہم زمانہ تھے، اپنے ابتدائی دور میں وہ شراب کے عادی تھے، اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اُنھوں نے راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا پایا، جس میں ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ لکھا ہوا تھا، اُنھوں نے نہایت اَدب واحترام کے ساتھ

اُسے اُٹھایا، صاف کیا اور اپنی جیب میں رکھ دیا، اس موقع پر اُن کے پاس صرف دو درہم تھے، آپ عطر فروش کے پاس گئے اور دو درہم کا عطر خرید کر اُس سے معطّر کیا اور احترام کے ساتھ کسی اونچی جگہ رکھ دیا، اللہ کے نام کے اس اَدب واحترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں توبہ کی توفیق بخشی اور اُن کو اولیاء اللہ کے مقام تک پہنچا دیا۔

چنانچہ اس رات آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''اے بشر بن حارث! تم نے راستے سے ہمارے نام کو اُٹھایا اور اُسے خوشبو سے معطّر کیا، لہٰذا ہم بھی تمھارے نام کو دُنیا وآخرت میں مہکا دیں گے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں توبہ کی توفیق نصیب فرمائی، پھر اُنھوں نے شراب و کباب اور تمام بُرائیوں سے سچّی توبہ کرلی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے اُنھیں نورِ ولایت عطا فرمایا، اُنھوں نے بعد میں لوگوں کی بڑی تعداد کو راہِ راست پر لانے کا کارنامہ انجام دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ''الحافی'' مشہور تھا، جس کی مختلف وجوہ مؤرّخین نے بیان کی ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ''حافی'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''برہنہ پا'' آپ کو ''الحافی'' اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ آپ ننگے پاؤں چلتے تھے، پاؤں میں جوتی نہیں پہنتے تھے، کسی نے آپ سے اِس کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ ''ہم نے زمین کو بچھونا بنایا ہے۔'' میرے رب نے جس زمین کو بچھونا بنایا ہو اُسے میں جوتیوں سے کیسے روند سکتا ہوں؟ یہ تو اَدب کے خلاف ہے۔ بہر حال اللہ والوں کی باتیں بہت انوکھی ہوتی ہیں، ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب التوابین'' میں لکھا ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ جوتی کیوں نہیں پہنتے؟ تو آپ نے فرمایا: "لِأَنِّيْ مَا صَالَحَنِيْ مَوْلَايَ إِلَّا وَأَنَا حَافٍ...الخ" جب میں میرے مولیٰ سے میری صلح ہوئی تو میں برہنہ پا تھا، لہٰذا مرتے

دَم تک اسی حالت پر رہوں گا۔ (کتاب التوابین:۲۲۹)

اس واقعے سے ہمیں سبق یہ ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو (خواہ وہ کتنا ہی گنہگار، شرابی کبابی کیوں نہ ہو) ہدایت دینا چاہتے ہیں تو کسی معمولی عمل پر بھی توبہ کی توفیق سے نواز دیتے ہیں اور ہدایت سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔

جگر مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی شراب سے توبہ:

اس عاجز نے اپنے شیخ و مرشد حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ سے براہِ راست اپنے اِن کانوں سے ایک بہت ہی اہم واقعہ سنا ہے، یہ واقعہ مشہور شاعر جگر مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو بعد میں بہت بڑے اللہ والے بنے، ابتدائی زندگی اُن کی بھی شراب و کباب میں گزری، شراب کے عادی اور نشے میں مست رہنے والے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اجمیر میں نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا، مشاعرے کے منتظمین حضرات (Management Committee) اس بات کے مشورے کے لیے جمع ہوئے کہ اس نعتیہ مشاعرے میں جگر مراد آبادی صاحب کو دعوت دی جائے یا نہیں؟ ایک جماعت کا کہنا تھا کہ وہ شرابی ہے اور اس طرح کے شخص کو نعتیہ مشاعرے میں بالکل دعوت نہ دی جائے، جب کہ ایک جماعت کا کہنا یہ تھا کہ وہ اُستاذ الشعرا ہیں، وہ مشاعرہ ہی کیا جس میں اُنھیں دعوت نہ دی جائے؟ اب جانبین کا مطالبہ متضاد ہونے کی وجہ سے معاملہ بہت مشکل (Difficult) ہو گیا، بالآخر فیصلہ یہ لیا گیا کہ جگر صاحب کو دعوت دی جائے گی اور وہ مشاعرے میں لائے جائیں گے، بستی کے لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ جگر صاحب کو بھی بلایا گیا ہے تو اُن کے خلاف بڑے بڑے اشتہار آویزاں کیے گئے اور شدّت سے مطالبہ کیا گیا کہ اُنھیں نہ بلایا جائے، ہم اُنھیں سننا نہیں چاہتے، منتظمین نے مخالفت کا یہ ماحول دیکھا تو

احتیاطاً یہ طے کیا کہ جگر صاحب کو دو تین دِن پہلے ہی بلا کر کہیں خفیہ طور پر رکھیں گے، اس لیے کہ آخری دِن آنے میں ممکن تھا کہ لوگ اسٹیشن پہنچ کر اُن کے خلاف نعرے بازی کرنے لگیں اور کچھ مسائل (Problems) کھڑے ہو جائیں۔

بہر حال جب جگر صاحب کے پاس دعوت دینے کے لیے پہنچے تو اُنھوں نے معذرت کر دی کہ کہاں میں ایک شرابی اور کہاں نعتیہ مشاعرہ! بہت اِصرار پر بالآخر وہ آمادہ ہو گئے اور مشاعرے سے دو چار دِن قبل ہی آ گئے۔

جب مشاعرہ شروع ہوا تو مختلف شعرا آتے رہے اور اپنا کلام پیش کرتے رہے، پھر وہ وقت آیا کہ اناؤنسر (Announcer) نے ڈائس سے یہ اعلان کیا کہ اب اُستاذ الشعرا، شہنشاہِ تغزّل جگر مراد آبادی تشریف لا کر اپنا نعتیہ کلام پیش کریں گے، اعلان سنتے ہی خوب شور و ہنگامہ برپا ہو گیا کہ ایسے شرابی کو اس مجلس میں کیوں بلایا گیا؟ بہر حال جگر صاحب مائک (Mic) تک تشریف لائے اور لوگوں کے شور، ہنگامے اور احتجاج کو دیکھ کر پہلی بات یہ فرمائی کہ آپ حضرات مجھے ایک بات بتائیے کہ آپ کی نفرت مجھ شرابی سے ہے یا نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام سے؟ اگر مجھ سے نفرت ہے تو بالکل بجا ہے، لیکن رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام سے نفرت نہیں ہے تو کم از کم میری بات سن لی جائے، اس طرح اُنھوں نے مجمع کو سننے پر آمادہ (Convince) کر لیا، پھر جگر صاحب نے نعت شریف پیش کی اور اپنا دردِ دِل کھول کے رَکھ دیا، اِتنے سوز اور اندرونی درد کے ساتھ اس مشاعرے میں اپنا کلام سنایا کہ خود بھی رو پڑے اور مجمع کو بھی رُلا دیا، وہ نعت کیا تھی؟ ایک گنہگار کے دِل سے نکلی ہوئی آہ تھی، آنسوؤں کی سبیل تھی، جب اِس نعت پاک کو سنا گیا تو دِل موم ہو گئے، اختلافات ختم ہو گئے، اور یہ

کیوں نہ ہوتا؟ آخر قصیدہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تھا، جو ویران دِلوں میں حب نبوی کی لہلہاتی فصل اُگانے کا ضامن تھا، اُس نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اِک رِند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہاں، کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کونین کا غم، یادِ خدا اور شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِس اُمّت عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا!
نازُک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کچھ ہم کو نہیں کام جگرؔ اور کسی سے
کافی ہے بس اِک نسبتِ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ درد بھرا نعتیہ کلام پیش کیا تو مجمع پر سناٹا چھا گیا، اللہ عزّوجل کے دربار میں آپ کی صدا قبول کر لی گئی، دِل کی دُنیا بدل چکی تھی۔

اس واقعے کے بعد جگر صاحب اپنے دوست خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (یہ بھی بڑے اللہ والے تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے) سے ملے تو دیکھا کہ خواجہ صاحب کے چہرے پر ڈاڑھی ہے، لباس بھی نیک لوگوں کا ہے، جگر صاحب نے دوستانہ دِل لگی کرتے ہوئے پوچھا کہ ''مسٹر! آپ کی ''ٹر'' کہاں چلی گئی؟'' یہ شکل وشباہت، دین داری اور نیک لوگوں کی وضع قطع کہاں سے آئی؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ایک اللہ والے کی صحبت

مجھے میسّر ہوئی ہے، یہ اُسی صحبت کی برکت ہے کہ کچھ ظاہر و باطن سنوارنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے، جگر صاحب فرمانے لگے: کیا میں بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوسکتا ہوں؟ لیکن میری شرط رہے گی کہ میں وہاں بھی شراب نہیں چھوڑ پاؤں گا، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم اِجازت لے کر آپ کو مطلع کریں گے، خواجہ صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بات رکھی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو "حکیم الامۃ" تھے، آپ نے بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ایک کافر مہمان بن سکتا ہے تو ہمارے یہاں ایک مسلمان شرابی کیوں نہیں آسکتا؟ بس بات اِتنی ہے کہ خانقاہ چوں کہ عمومی جگہ ہے، وہاں پینا مناسب نہیں، لہٰذا ہم جگر صاحب کو اپنے گھر کا مہمان بنائیں گے، آپ اُن کو لے آیئے!

اس طرح جگر صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو دِل کی دُنیا ہی بدل گئی، شراب تو دور کی بات، درخواست کرنے لگے کہ میرے لیے چار دُعائیں فرما دیجیے! (۱) مجھ سے شراب کی لت چھوٹ جائے۔ (۲) میرے چہرے پر سنّت آجائے۔ (۳) مجھے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوجائے۔ (۴) مجھے حسن خاتمہ نصیب ہو اور میری مغفرت ہوجائے۔

تین دُعاؤں کی قبولیت تو دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھی، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرما کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی چوتھی دُعا کو بھی شرفِ قبول بخشیں گے۔

جگر مرادآبادی توبہ سے پہلے چوں کہ ایک رِندانہ مزاج کے شاعر کے طور پر پہچانے جاتے تھے، اور اب پابند شرع بن چکے تھے، تو لوگ اُنھیں تعجب سے دور دور سے دیکھنے کے لیے آتے تھے، جب لوگ آتے تو جگر صاحب اپنی حالت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے:

چلو! دیکھ آئیں تماشا جگرؔ کا
سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا ہے

جب لوگ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ آپ کو پہلے سے زیادہ عزّت کیسے مل گئی؟ لوگ آپ کے شیدائی ہیں، آپ پر فدا ہیں، آپ پر اپنی جان نچھاور کرتے ہیں، تو جگر صاحب نے پھر ایک شعر کہا:

میرا کمال عشق میں اِتنا ہے بس اے جگر!
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا

جب کسی بندے کی ہدایت کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ معمولی بات کو بھی سببِ ہدایت بنا دیتے ہیں اور بندے کے دِل کی دُنیا بدل جاتی ہے، اس واقعے میں ہمارے لیے کئی عبرتیں ہیں۔

جب بندہ سچّی اور پکّی توبہ کی نیت کر لیتا ہے تو اللہ عزّوجل اس کے اسباب بھی مہیّا فرما دیتے ہیں، پھر اللہ والوں کی صحبت کتنی قیمتی اور مؤثّر ہوتی ہے اُس کا بھی اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے، اللہ والوں کی نصیحت تو اثر انداز ہوتی ہی ہے، لیکن اُن کی نظر اور توجہ بھی وہ کام کرتی ہے کہ

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہے تقدیریں

حدیث پاک میں نظر بد کے بارے میں فرمایا گیا کہ "العَيْنُ حَقٌّ"(۱) (نظر بد لگنا حق ہے) جب بُری نظر لگ سکتی ہے تو اللہ والوں کی نیک نظر کیوں مؤثّر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں بھی اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کی سعادت نصیب ہو، ہمیں بھی اُن کی نیک نظر و توجّہ نصیب ہو جائے اور ہماری بھی اصلاحِ باطن ہو جائے، اُن کو شراب کی لت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے چھڑوا دی، ہمارے اندر عجب اور خود پسندی پیدا نہ ہو کہ

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الطب / باب: العين حق، الرقم : ۵۷۴۰.

ہمیں تو شراب کی عادت نہیں، اس لیے کہ ہم سب کو بھی بہت سے گناہوں کی لت ہے، کسی کو بدنظری کی، کسی کو حرص وطمع کی تو کسی کو مال جمع کرنے کی لت ہے، کسی پر تمباکو کا تو کسی پر جوانی کا نشہ چھایا ہوا ہے، غرض ہم سب پر کوئی نہ کوئی نشہ چڑھا ہوا ہے، ہم سب کو توبہ کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور ہم اقراری مجرم بن کر سچّی اور پکّی توبہ کرتے ہیں کہ ہمیں بہت سے گناہوں کی عادت ہوگئی ہے، اے اللہ! ہمیں گناہوں کے نشے سے نجات عطا فرمایئے، گناہوں کی نفرت ہمارے دِلوں میں ڈال دیجیے، ہماری توبہ قبول فرمالیجیے، سچّے اچھے اور نیک بندے بنا دیجیے، اے اللہ! ہمیں ایسے بندے بنا دیجیے کہ آپ کو پسند آجائیں، ہمیں اہل اللہ کی صحبت اور دین کے تمام شعبوں سے وابستگی نصیب فرمادیجیے۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

نشہ، تمباکو، سگریٹ وغیرہ چھوڑنے میں معاون کچھ ہدایات

PART-1 BAYAN QR CODE

PART-2 BAYAN QR CODE

PART-3 BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾﴾ (المائدة : ١٠٠)

وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى :

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾﴾ (العنكبوت : ٦٩)

تمہید:

ہمارے بہت سے دوست واَحباب اسموکنگ، گٹکا، تمباکو یا شراب وغیرہ کی عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہمارے بھائی اِن عادتوں سے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اور کس طریقے پر عمل کیا جائے؟ کس طرح ارادوں اور حوصلوں (Will Power) کو مضبوط کیا جائے؟ اس تعلق سے آپ کی خدمت میں دَس (۱۰) ہدایات (Tips) اور گائڈس (Guides) پیش کریں گے۔

اکثر حضرات جو اس طرح کی بُری عادتوں میں مبتلا ہیں وہ سب جانتے ہیں کہ یہ بُری چیزیں ہیں، غلط عادت ہے، لیکن انھیں چھوڑنے کی ہمت نہیں کر پاتے، تو اِن مہلک چیزوں کو کیسے چھوڑا جائے؟ اس کے لیے کیا موَثّر طریقہ اور ترتیب ہو؟ اس سلسلے میں ماہرین کی ہدایات کی روشنی میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

تمباکو نوشی اور نشے کی عادت بہت ہی عام ہوتی جارہی ہے، اسموکنگ اور تمباکو کی وبا تیزی سے پھیلتی جارہی ہے، میڈیکل سائنس تو یہ بتاتی ہے کہ تمباکو کے استعمال میں سب سے زیادہ خطرناک اسموکنگ ہے، پھر اُس میں سب سے زیادہ خطرناک سگریٹ نوشی ہے۔

ہمارے بہت سے بھائی پچیس تیس سال کے عرصۂ دراز سے پیتے چلے آرہے ہیں، اس لیے اُس کو چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن...... ؎

جواں ہو عزم تو تارے بھی ٹوٹ سکتے ہیں
کٹھن نہیں کوئی کام آدمی کے لیے

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

قدم چوم لیتی ہے خود بڑھ کر منزل
مسافر اگر ہمت نہ ہارے

عزائم بلند ہوں، حوصلے مضبوط ہوں، جذبات نیک ہوں اور قوتِ ارادہ Will Power پائے دار ہو تو مشکل ترین کام بھی آسان ہو جاتے ہیں، لہٰذا کچھ ہدایات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں جو اِس عادتِ بد سے جان چھڑانے میں معین و مددگار ثابت ہوں گی، ان شاء اللہ۔

مضبوط قوتِ ارادہ (Will Power):

(۱) سب سے پہلی بات کہ ہمیں اپنی قوتِ ارادہ کو خوب مضبوط کرنا ہے، ہمیں عزمِ مصمّم کرنا ہوگا کہ اب اس خاموش مہلک (Silent Killer) سے اپنی جان چھڑانی ہے، کسی بھی طرح اُس سے باز آجانا ہے، پختہ عزم کرنا ہے، پھر آگے عادت کو چھوڑنے کے بارے میں ماہرین کی دو رائے ہیں، بعض کا کہنا ہے کہ جیسے ہی پختہ ارادہ ہوجائے فوری طور

پر چھوڑ دے کہ بس اب آئندہ کبھی بھی اُسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

اس کے برعکس بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کے لیے منصوبہ بندی اور پلاننگ (Planning) ہونی چاہیے، جس کے لیے ایک خاص دِن طے (Fix) کرلیں کہ اب دو ہفتے کے بعد عید آنے والی ہے، یا رمضان کا مہینہ شروع ہونے والا ہے، یا کوئی بھی اور خاص موقع جو قریب ہی ہو، (یہ نہیں کہ چھ مہینے بعد وہ دِن آرہا ہو) اُسے طے کرلے کہ اُس دِن کے بعد کبھی بھی ان منشیات کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہوجاؤں گا۔

بہر حال ایک یادگار دِن طے کرلیں کہ اُس دِن مجھے اس عادتِ بد سے اپنی جان چھڑانی ہے، اس کے لیے مضبوط قوتِ ارادہ (Will Power) خوب درکار ہے۔

اگر ہم شراب نوشی یا تمباکو نوشی میں مبتلا ہیں تو ایک بات دھیان میں رکھیں کہ در حقیقت ہم اُن چیزوں کو نہیں پی رہے ہیں بلکہ وہ منشیات ہمیں پی رہی ہیں، وہ ہمیں ضائع اور برباد کررہی ہیں، نقصان ہمارا ہورہا ہے، لہٰذا ایک بات ٹھان لیں کہ اب بہت ہوگیا، اب بالکل ختم۔

اور بعض حضرات جو اس سلسلے میں تدریجی طریقہ (Gardual Method) اختیار کرتے ہیں کہ دھیرے دھیرے چھوڑیں گے، پہلے روزانہ بیس پیتے تھے تو اب دَس پر بس کر دیں گے، یہ دھیرے دھیرے چھوڑنے والا طریقۂ کار (Concept) ختم کرنا ہوگا، کیوں کہ اُس سے پریشانی بڑھ جاتی ہے، لہٰذا ایک دَم ہی عادت کو چھوڑ دینے کا پختہ عزم کرنا ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی ہے کہ عادتِ بد کو چھوڑنے کے لیے یہ عزم کریں کہ مجھے خود اپنے ساتھ لڑنا ہے، اپنے نفس کے ساتھ مقابلہ (Struggle) کرنا ہے اور اپنے اندرونی جذبات پر فتح پانی ہے، میں ''جہاد مع النفس'' کروں گا اور ان شاء اللہ اُس میں مجھے

اللہ تعالیٰ فتح یاب فرمائیں گے۔

ہر موقع پر جیتنا کمال نہیں:

ہمارے بعض نوجوان بھائی سگریٹ وغیرہ کو اپنی ایٹیٹیوڈ (Attitude) شان سمجھتے ہیں، اُسے اپنے لیے عظمت شان خیال کرتے ہیں، اُن سے میں کہوں گا: ؎

مزہ تو تب ہے کہ ہار کے بھی ہنستے رہو
ہمیشہ جیت ہی کمال تھوڑی ہے

پھر جب اس عادتِ بد کو چھوڑ کر کچھ دِن گزر جائیں اور دوست واحباب وغیرہ کہیں کہ ''یار! تو تو ہار گیا، کمزور پڑ گیا، تو نے سگریٹ چھوڑ دی؟ تو اُنھیں فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہیں کہ ''ہر موقع پر جیتنا کمال نہیں ہے، اِس موقع پر ہار جانا ہی میرے لیے اصل جیت اور کامیابی ہے۔''

سحبانِ شیراز حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

یعنی ہر جگہ شہہ سواری نہیں کی جاسکتی، کئی جگہیں ایسی ہوتی ہیں کہ جہاں ہتھیار ڈال دینا ہی فتح وکامرانی کا سبب ہوتا ہے۔

ہمارے بہت سے بھائی اس عادتِ بد کو چھوڑنے کی نیت تو کرتے ہیں، لیکن پھر کل سے چھوڑ دوں گا، پرسوں سے ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اس طرح عسیٰ ولعل میں عرصہ گزار دیتے ہیں اور اَنجام یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر پاتے، اس لیے مضبوط ارادہ کر کے ایک خاص دِن طے کرلیں اور تختیٔ دِل پر یہ بات نقش کرلیں:

ہمیں نے ترکِ تعلق میں پہل کی کہ فرازؔ
وہ چاہتا تھا، مگر حوصلہ نہ تھا اُس کا

یعنی ابتدا ہمیں کرنی ہے، سگریٹ اور شراب ہم کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیں اُن کو چھوڑنا ہے، حوصلہ ہمیں جُٹانا ہے، عزمِ مصمّم ہمیں کرنا ہے کہ بس اب کلیتہً اجتناب کروں گا اور نظر اُٹھا کر دیکھوں گا تک نہیں۔

اپنی قوتِ ارادہ مضبوط بنانے کے لیے ایک بات بہ طورِ سبق یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ جب ایک چھوٹا سا دو سال کا معصوم بچّہ ماں کا دودھ چھوڑ سکتا ہے، جو کہ اَب تک اُس کی اصل غذا تھی، تو ہم اِتنے بڑے ہو کر اِس عادتِ بد کو کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کہ وہ ہماری غذا بھی نہیں ہے اور نہ ہی ہم اُس کے بغیر مر جائیں گے۔

متعلّقین سے تعاون حاصل کریں:

(۲) جب ہم اِس عادتِ بد کو چھوڑنے کے لیے پختہ ارادہ کر کے کوئی خاص دِن طے کر لیں، مثلاً عید کا دِن، یا رمضان المبارک کا پہلا دِن وغیرہ، تو اپنے اچھے اور خیر خواہ دوست واحباب وغیرہ کو بھی اپنے اس نیک ارادے کی خبر کر دیں کہ اب میں نے اِس دِن سے یہ طے کر لیا ہے کہ اِس عادتِ بد کے قریب بھی نہیں جاؤں گا، خیر خواہ دوستوں اور گھر والوں کو بتانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُن کی طرف سے بھی ہمیں تعاوُن (Support) ملے گا، مدد ملے گی اور وہ ہمارا اس سلسلے میں خیال رکھیں گے، مبادا کچھ وقت کے بعد ہمارے پایۂ استقلال میں کمزوری محسوس کریں تو خیر خواہ دوست و احباب اور گھر کے لوگ ہمیں ہمت دِلائیں گے اور ہمیں اپنی پختہ خیالی یاد دِلائیں گے کہ اِتنا وقت بغیر تمباکو اور بغیر نشے کے گزار لیا ہے تو اب کیا مشکل ہے؟ تو ہمیں یہ کام اَکیلے اور تنہا نہیں کرنا ہے، حوصلہ، تعاون اور (Support) کے

لیے گھر والوں اور خیر خواہ دوست واحباب کو اپنے ساتھ ملانا ہے۔

اس موقع پر ایک اہم بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اِس عادتِ بد کو ہم اپنے ارادے سے اپنی خیر خواہی کے لیے چھوڑ رہے ہیں، کسی کے کہنے کی وجہ سے یا کسی کے دباؤ (Pressure) میں آکر نہیں، اس وجہ سے نہیں کہ بیوی بہت کہہ رہی ہے، والدین بار بار ٹوکتے ہیں، یا دوست واحباب طعن (Criticize) کر رہے ہیں، اگر دوسروں کے کہنے کی وجہ سے چھوڑیں گے تو یہ چند دِنوں کا تماشا بن کر رہ جائے گا، اور جب وہ لوگ خاموش ہو جائیں گے تو عادتِ بد پھر سے انگڑائیاں لینا شروع کردے گی۔

حاصل یہ کہ ہم خیر خواہ دوست واحباب اور اہل خانہ کا سہارا (Support) ضرور لیں اور اس وجہ سے اُنھیں باخبر بھی کریں، لیکن یہ نہ ہو کہ اُن کو بنیاد بنا کر اُن کی وجہ سے چھوڑ رہے ہوں، ورنہ رُکاوٹ ہٹتے ہی پھر عادتِ بد شروع ہوجائے گی، لہٰذا دونوں باتوں کے درمیان کے فرقِ لطیف کو خوب دھیان میں رکھیں۔

عادتِ بد کے نقصانات مدّنظر رکھیں:

(۳) شراب ہو یا اسموکنگ، تمباکو ہو یا گٹکا، اُن کے نقصانات کو پیش نظر رکھنا ہے، ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ اُن کے کیا کیا نقصانات ہیں، جس چیز کے ڈِبّے اور پیکیٹ پر لکھا ہے کہ یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہے، "Smoking Is Killer." لکھا ہے، پھر بھی ہم اُسے خرید کر پینے لگیں تو یہ کس قدر بے وقوفی اور کم عقلی کی بات ہے۔

حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دُھلیوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''تمباکو'' کے سارے حروف اس کے نہ کھانے کی خبر دیتے ہیں، اس لیے کہ ''تمباکو'' ''تم مت بنو اس کے کھانے والے'' کا مختصر ہے۔ (ملفوظاتِ خطیب الامت: ۱۵۴)

اِس عادتِ بد سے ہونے والے نقصانات کی ایک فہرست (List) بنا کر کسی بڑے کاغذ (Paper) پر لکھ لیں، پھر اُس کاغذ کو گھر اور اپنی آرام گاہ (Bedroom) کی دیوار پر آویزاں کر دیں، تاکہ بار بار اُس پر نظر پڑے اور اِس عادتِ بد سے ہونے والے نقصانات کی یاد دِہانی ہوتی رہے، جتنی بار اُس کو دیکھتے رہیں گے حوصلے میں اضافہ ہوگا اور مضبوطی ملے گی۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سننے میں اگرچہ معمولی لگ رہی ہوں، لیکن جب ایک مشکل کام انجام دینا ہو تو اُس کے لیے یہ ساری منصوبہ بندی (Planning) کرنی پڑتی ہے، جب بندہ اپنے نیک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلسل سعی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے راہ ہموار فرما دیں گے اور اُس کے لیے مشکلات آسان فرمائیں گے۔ ؎

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد را باید کہ ہراساں نہ شود

کبھی ہسپتال کے کینسر وارڈ کی زیارت:

(۴) پھر وقتاً فوقتاً نزدیک کے کسی ہسپتال میں جا کر اُن بیماروں (Patients) کی عیادت کریں، اُن کا معاینہ کریں جو اسموکنگ وغیرہ سے کینسر جیسی مہلک بیماری کی زد میں آ گئے ہیں، اِس سے عبرت حاصل ہوگی کہ میں بھی اسی حرکت میں مبتلا ہوں جس نے اِس کو بسترِ مرگ تک پہنچا دیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس عادتِ بد سے حفاظت فرمائیں۔

عادتِ بد کے اَنجامِ بد کو سوچیں:

(۵) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ (النساء : ۲۹)

''تم اپنی جانوں کو قتل مت کرو۔''

خودکشی (Suicide) اسلام میں حرام ہے، ہر بندے کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جسم اور اعضا دیے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، بندہ اُن کا مالک حقیقی نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم اور اعضا کے متعلّق جیسا چاہے تصرف کرے، نہیں، جس طرح دیگر تمام امانتوں میں خیانت حرام ہے اسی طرح بندے کو اپنی ذات، اپنے جسم اور اعضا کے متعلّق ایسے تصرف کی بھی اجازت نہیں ہے جو اُس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔

آج کے آزادی پسند دور میں بہت سے لوگ ایک غلط سوچ کے شکار ہوتے ہیں کہ ''میرا جسم میری مرضی''، میں جس طرح چاہوں خوشی حاصل (Enjoyment) کروں، یاد رہے کہ یہ سوچ (Thinking) اسلامی نقطۂ نظر (Point Of View) سے بالکل موافق نہیں ہے، بلکہ پوری طرح غلط ہے۔

موت ایک اَٹل حقیقت ہے، ہر جاندار کو موت یقیناً آتی ہے، جس کے متعلّق خود اعلانِ خداوندی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ (آل عمران : ۱۸۵)

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔''

پھر موت کا وقت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے متعین ہے، اس میں بالکل آگے پیچھے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝۴۹﴾ (یونس:۴۹)

''جب اُن کی (مقرّرہ) میعاد آپہنچتی ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ''اجل''یعنی موت کا وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے ہے، بندے کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ خودکشی کر کے اپنی موت کا فیصلہ کر لے، ورنہ وہ اِس خیانت کے ارتکاب سے گناہِ کبیرہ کرنے والا شمار ہوگا۔

منشیات کا استعمال کرنے والے کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ خدانخواستہ اگر ان چیزوں کی وجہ سے (Slow Poison) کا شکار ہوگیا اور (Hospitalised) ہوگیا، پھر اگر موت واقع ہوگئی تو میرے بچے یتیم ہوجائیں گے، میری بیوی بیوہ ہوجائے گی، کچھ دِنوں تک تو لوگ اُن کی مدد (Help) کردیں گے، پھر وہ بیچارے بے یارومددگار ہوجائیں گے، اس طرح ان چیزوں کی قباحت اور ان کی وجہ سے ہونے والے اَنجامِ بد کو سوچے اور اپنی قوتِ ارادہ کو مضبوط کرے۔

منشیات سے آخری درجے کی نفرت کا اِظہار:

(٦) اب شراب، سگریٹ اور تمبا کو وغیرہ سے ایسی نفرت اور دشمنی کا اِظہار کرنا ہے جیسے کوئی عاشق نامراد اپنی ہرجائی معشوقہ سے کرتا ہے، یعنی پوری طرح اِظہارِ نفرت اور برأت کردیں، اس کے ساتھ ایک کام یہ بھی کرنا ہے کہ اگر اسموکنگ کرتے تھے، تو سگریٹ کے جتنے بکس باقی بچے ہیں، لائٹر اور ماچس وغیرہ سب پر اپنے غصّے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُنھیں نذرِ آتش کردینا ہے۔

کسی کہنے والے نے اس تعلق سے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ ''میں اب سگریٹ تو نہیں پیتا، مگر ہر آنے والے سے پوچھ لیتا ہوں کہ ماچس ہے؟ اس وجہ سے نہیں کہ مجھے پینی ہے، بلکہ بہت کچھ ایسا ہے جو میں پھونک دینا چاہتا ہوں، جلا دینا چاہتا ہوں۔''

اِس عادتِ بد سے متعلّق تمام چیزوں کو جلا دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اب ذہنی طور پر

بندہ بالکل تیار ہو جائے گا، (Mind Set) ہو جائے گا کہ جب ہم نے خود ہی آگ کے حوالے کر دیا ہے تو اب اس کی طرف پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی کیوں؟

بُری صحبت سے اجتناب:

(۷) علاوہ ازیں ہمارا وہ حلقۂ یاراں (Friend Circle) جس کی وجہ سے ہم اس بُری عادت میں مبتلا ہوئے ہوں اُن کی سنگت کو چھوڑنا ہوگا، مثل مشہور ہے: ''جیسی سنگت ویسی رنگت''۔ اگر ایسے دوست واَحباب سے قوی تعلق ہے اور زیادہ محبّت ہے تو اُن کی بھی ذہن سازی کریں کہ ہماری دوستی باقی رکھنے کی شرط یہ ہوگی کہ آپ سبھی اس عادتِ بد سے دور ہو جائیں، ہم ایک دوسرے کے مددگار (Helpers) ہوں گے، اگر وہ سب آمادہ ہو جائیں تو بہت بہتر، ورنہ ظاہر ہے کہ ایسی دوستی چھوڑ دینے ہی میں دین ودُنیا کی بھلائی ہے۔

کسی نعم البدل کا استعمال:

(۸) آٹھویں بات یہ عرض کرنی ہے کہ جو ہمارے بھائی عرصۂ دراز سے اس عادتِ بد میں مبتلا ہوں تو چھوڑ دینے کے بعد ابتدا میں ہوسکتا ہے اُن کا ہاتھ غیر شعوری طور پر منھ تک پہنچ جائے، اسی طرح دِن کے جن اوقات میں سگریٹ نوشی کرتے تھے اُن اوقات میں اندرونی طور پر طلب پیدا ہو تو اُس کے لیے کوئی بہتر چیز مثلاً خشک میوہ (Dry Fruit) وغیرہ جیب میں رکھ لیں، یا اَجوائن اور اِلائچی وغیرہ ساتھ رکھیں، ماؤتھ فریشنر Mouth Freshener کا بھی استعمال کر سکتے ہیں، اس طرح کی کئی چیزیں اب دستیاب ہیں، اُن کو استعمال کریں، تاکہ وہ نعم البدل (Best Replacement) بن سکیں۔

ماہرین نفسیات کی مدد لیں:

(۹) بہت سے ہمارے بھائی جب اِس عادتِ بد کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیتے

ہیں تو ابتدائی دِنوں میں وہ کچھ ذہنی طور پر پریشان رہتے ہیں، اُن کے لیے یہ مشورہ ہے کہ اگر ہو سکے تو کسی ماہر نفسیات (Psychologist) کی مدد لیں، اُن سے (Consalting) کرائیں، بُری عادتوں سے رِہائی (Dediction) اُن کا خاص شعبہ ہوتا ہے، اُن کے سامنے اپنی مشکلات (Problems) پیش کریں کہ میں نے اپنی بُری عادت چھوڑ دی ہے اور اب مجھے فلاں پریشانی ہے۔

اب تو باضابطہ طور پر کچھ ایسے اِدارے اور تنظیمیں بھی قائم ہیں جو منشیات کی عادت چھڑانے کے لیے مشق (Practice) کرواتے ہیں، وہاں بھی اس سلسلے کے ماہرین سے مشورہ اور مذاکرہ کیا جاسکتا ہے۔

نیز اب تو مارکیٹ میں اس طرح کی کئی دوائیاں بھی دستیاب ہیں جو شراب اور سگریٹ وغیرہ چھوڑنے میں معین ہوتی ہیں، ڈاکٹروں کے مشورے سے اُن اَدویہ کا استعمال بھی کرسکتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلیں:

(۱۰) دسویں بات ہم یہ عرض کریں گے کہ جب ہم مسلمان ہیں تو ہمیں اِن چیزوں کی عادت چھوڑنے کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی، اُن کے جذبۂ اِطاعت اور اتباعِ سنّت کو یاد کرنا ہوگا کہ جس دِن شراب حرام ہوگئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اِطاعت کی ایسی مثال پیش کی کہ دُنیا بھر میں اُن کا کوئی نمونہ نہیں، جن لوگوں کے منھ تک جام آ چکا تھا حُرمت کے اعلان کے بعد اُن کے حلق سے اگلا گھونٹ بھی نہیں اُترا، مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب ایسے بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہو، جب ان حضرات نے اپنی برسوں پرانی عادت پَل بھر میں چھوڑ دی تو ہم کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟ دُنیا کی یہ ایک واحد مقدّس ترین

جماعت ہمارا رول ماڈل ہونی چاہیے۔

رمضان المبارک سے شروع کریں:

آخری ہدایت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی جب رمضان کا روزہ رکھتے ہیں تو بغیر کھائے پیے بارہ تیرہ گھنٹے یا اُس سے بھی زیادہ وقت تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں، اُن میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو بیڑی، سگریٹ اور تمباکو وغیرہ کی عادی ہوتی ہے، وہ لوگ بھی روزے کے دوران شروع دِنوں میں اگرچہ کچھ پریشان ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی کسی طرح صبر کر لیتے ہیں، تو اب اُن کے لیے اس عادت کو چھوڑ دینا مزید آسان ہو جائے گا کہ جب دِن کا اکثر حصّہ ہم نے منشیات کے بغیر گزار دیا تو اب بقیہ دِن بھی بآسانی اُن چیزوں کے بغیر گزر سکتا ہے۔ لہٰذا میرے بھائیوں سے درخواست ہے کہ اِس مبارک مہینے سے عادتِ بد کو چھوڑنے کی ابتدا کریں، اللہ تعالیٰ صبر و استقامت عطا فرمائیں گے۔

حاصل کلام یہ کل دَس (۱۰) اہم ہدایات ہیں جو منشیات کے چھوڑنے میں معین و مددگار ثابت ہوں گی، ان شاء اللہ۔ جب پختہ عزم کے ساتھ ان باتوں پر عمل ہوگا تو منشیات سے ضرور نجات پاسکیں گے۔

استقامت کے لیے پانچ تدابیر:

اِن چیزوں سے نجات پانا اور ان کو چھوڑ دینا نسبتًہ آسان ہے، لیکن چھوڑے رکھنا یہ زیادہ مشکل ہے، لہٰذا اب ہم پانچ ڈیز (5D's) کے بارے میں بات کریں گے، یعنی ایسی پانچ تدبیریں جن میں سے ہر ایک کا پہلا حرف ’’ڈی‘‘ (D) ہے، یاد رکھنے میں آسانی کی خاطر ہم اُنھیں ’’فائیو ڈیز‘‘ (5D's) کہیں گے، اِن تدابیر کو اختیار کر کے ہم خود پر کنٹرول رکھ سکتے ہیں، ان چیزوں کو فوری طور پر چھوڑ دینا تو آسان ہے، لیکن عادت کو چھوڑ کر اُس پر

استقامت کے ساتھ جمے رہنا مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ ان چیزوں کی بار بار اندرونی طلب اُٹھتی ہے، کوشش کے باوجود توجّہ اُن سے ہٹتی نہیں ہے تو اس کے لیے پانچ پوئنٹ یاد رکھیں:

(۱) پہلا ڈی (D) ہے ڈِیلے (Delay) یعنی مؤخر کرنا، ماہرین بتاتے ہیں کہ منشیات کی طلب جب ہوتی ہے تو پہلے تین منٹ تک طلب میں شدّت ہوتی ہے، اُس وقت بے چینی زیادہ ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ بعد کے دو منٹ میں طلب کی شدّت کم ہوجاتی ہے، پھر پانچ منٹ کے بعد طلب ختم ہوجاتی ہے، لٰہذا اِن پانچ منٹ کے دوران ہمیں برداشت کی قوت کو بڑھانا ہے اور منشیات کی طرف دیکھنا بھی نہیں ہے، بتدریج اس کی عادت ہوجائے گی، پھر طلب پر کنٹرول حاصل ہوجائے گا۔

(۲) دوسرا ڈی (D) ہے ڈِسٹریکٹ (Distract) یعنی جس وقت شدّت سے طلب ہو اُس وقت ہم اپنا دھیان اور توجّہ دوسری طرف موڑ دیں، (Mind Divert) کر دیں، مثلاً بچّوں کی طرف دھیان لے جائیں، کاروبار کے بارے میں سوچنے لگیں کہ میرا فلاں پیمینٹ باقی ہے، وہاں سے مال لانا ہے، وغیرہ، غرض کسی طرح ذہنی توجّہ دوسری طرف ہٹانی ہے، تا کہ عادت یاد نہ آئے، یہ تدبیر بھی عادتِ بد کو چھوڑنے میں مؤثّر ہے۔

(۳) تیسرا ڈی (D) ہے ڈِیپ بریدھنگ (Deepbreathing) یعنی گہری سانس لینا، جس وقت عادت کا تقاضا شدّت سے ہو تو گہری سانس لینا شروع کر دیں، گہری سانس لینے سے دِماغ کو آکسیجن (Oxygen) کی سپلائی (Supply) زیادہ مقدار میں ملتی ہے، جس سے خیالات تبدیل ہونے میں مدد ملے گی، جب نئے خیالات ذہن میں آئیں گے تو عادت والا خیال دور ہوگا۔

(۴) چوتھا ڈی (D) ہے ڈِرنکس (Drinks) یعنی کسی مشروب کو پی لینا، مثلاً

پانی، جیوس، شربت یا اس طرح کی کوئی چیز جو صحت کے لیے مفید ہو اور ہر جگہ بآسانی دستیاب بھی ہو، شدّت سے تقاضا ہو اُس وقت ایسی چیزیں پی لینے سے بھی طلب پر لگام لگتی ہے، اُن میں پانی سب سے بہتر ہے کہ وہ ہر جگہ دستیاب (Available) ہوتا ہے۔

(۵) پانچواں ڈی (D) ہے ڈِسکَشن (Discussion) یعنی تبادلۂ خیالات، جب دوستوں کی سنگت سے ہمیں یہ عادت لگی تھی تو اب دوستوں ہی کی مدد سے اُسے ختم کرنا ہے، اپنے گھر والوں میں بیوی، بچّوں اور والدین وغیرہ کے ساتھ مسلسل رابطے (Contact) میں رہنا ہے، نیز وہ دوست واحباب جو خیر خواہ ہوں اور اس قسم کی عادت میں مبتلا نہ ہوں اُن کے ساتھ رابطے میں رہیں اور اُن سے کہیں کہ میں نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے، الحمدللہ اِتنے دِن ہو گئے ہاتھ تک نہیں لگایا، پھر اُنھیں روزانہ کی اپنی رُوداد سناتے رہیں کہ فلاں وقت شدّت سے طلب تھی، لیکن میں نے اِس طرح کنٹرول کرلیا، وغیرہ، بہرحال اُن کے ساتھ مضبوط رابطے میں رہنے سے فائدہ یہ ہوگا کہ اُن کی طرف سے ہماری نگرانی بھی ہوتی رہے گی اور حوصلہ اَفزائی بھی ہوگی۔

یہ کل پانچ تدابیر ہیں، جن کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں کہ جب عادت چھوڑ دینے کے بعد اُس پر استقامت مشکل معلوم ہو اور شدّت سے طلب ہو تو حسب موقع اِن میں سے کسی بھی ایک کو اختیار کرنے سے مدد ملے گی۔

مزید احتیاطی تدابیر:

اِن کے علاوہ کچھ اَہم باتیں ہم نے نوٹ کی ہیں، وہ بھی یاد رکھیں:

(۶) جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو اسی عادت میں مبتلا ہو اور وہ پی رہا ہو تو اُس سے فوری طور پر دوری بنالیں، اور حتی الامکان ایسے لوگوں کی

مجالس اور پارٹیز (Parties) وغیرہ میں شرکت سے احتراز کریں، کیوں کہ اُن کو پیتا ہوا دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی پرانی عادت انگڑائی لے گی۔

(۷) ایک بہت ہی اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ عموماً ایسے لوگ جو ایک مرتبہ اِس عادتِ بد کو چھوڑ چکے ہوں جب وہ ذہنی تناؤ (Stress) کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں اور اِس کی وجہ سے وہ مایوسی (Depression) کا شکار ہو جاتے ہیں، تو ایسے وقت میں زیادہ جذباتی (Emotional) ہو کر پھر سے پینا شروع کر دیتے ہیں، ایسے وقت میں نفس مطالبہ کرتا ہے کہ دِماغ پر بہت زیادہ بوجھ ہے، آج تو پینی ہی پڑے گی، خاص کر اِسی طرح کے نازُک اوقات میں جہاد مع النفس کی ضرورت ہوتی ہے، خود ہی اپنے اندرون سے جنگ کر کے (Struggle) کر کے کنٹرول کو برقرار رکھنا ہے۔

ایسے وقت میں یہ بھی سوچیں کہ یہ کوئی غم، ذہنی پریشانی اور ٹینشن کا علاج نہیں ہے، بہت سے پینے پلانے والوں کی یہ بکواس عام طور پر سنی جاتی ہے کہ ہم تو غم بھلانے کے لیے پیتے ہیں، تو یہ محض بکواس کے سوا کچھ نہیں، منشیات کسی بھی بیماری کی دوا نہیں، بلکہ بجائے خود ایک مستقل نفسیاتی بیماری ہے، جس کے علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۸) منشیات میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ نِٹھلا پن (زیادہ فرصت میں ہونا) ہے، فطری طور پر انسانی دِماغ زیادہ دیر تک خالی اور بے کار نہیں رہ سکتا، بے شغل انسان شیطنت پر اُتر آتا ہے، جب انسان زیادہ فرصت میں ہو، کوئی کام نہ ہو تو طرح طرح کے خیالات آئیں گے کہ چلو! یہ کام کرتے ہیں، وہ کام کرتے ہیں، پی لیتے ہیں وغیرہ، بالفاظِ دیگر فرصت والے کو ہری ہری سوجھتی ہے! گجراتی زبان میں مثل مشہور ہے کہ "નવરો નખ્ખોદ વાળે!" جب کہ مشغول انسان اِس طرح کی کئی خرابیوں اور فضولیات سے بچ جاتا ہے، لہٰذا جس قدر ہو سکے اپنے آپ کو کسی بھی کام میں مشغول (Busy) رکھیں۔

صحت اور فرصت دونوں ایسی نعمتیں ہیں جن کی اہمیت سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : "نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ."(١)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگوں کو دھوکہ لگا رہتا ہے (یعنی لوگ اِن دو نعمتوں کی صحیح طور پر قدردانی نہیں کرتے) ایک صحت اور دوسری فراغت یعنی فرصت۔''

(٩) جب بھی شدّت سے طلب لگے تو ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ غسل کر لے، غسل کرنے سے بدن میں تازگی (Fresheness) کا احساس ہوگا، یہ بھی طلب کے بھلانے میں معاون ہے۔

(١٠) اپنے نفس کو بچّے کی طرح بہلائیں، جس طرح بچّہ بضد ہو کر کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرے جو اُس کے لیے نقصان دہ ہو تو ہم اُسے بہلاتے ہیں، اسی طرح جب شدّت سے طلب ہو تو اپنے نفس کو بہلانا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص ایک مہینے میں تین ہزار روپے کی سگریٹ پیتا ہے تو وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کہ اِس مہینے کے ختم پر میں تجھے تین ہزار روپے کی کوئی اچھّی چیز ہدیہ (Gift) کروں گا، یا تین چار مہینے کے بعد ایک اچھّا سا موبائل فون دِلاؤں گا، خود اپنی ذات کو ہدیہ دینے کا وعدہ کر لے۔ یہ بھی عادتِ بد کے چھوڑنے میں نہایت کارگر ثابت ہوگا۔

نفس کی تربیت کے بارے میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شعر مشہور ہے:

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلىٰ   حُبِّ الرَّضَاعِ، وَإِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمْ

---

(١) سنن الترمذي / أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ. الرقم : ٢٣٠٤.

یعنی انسان کا نفس چھوٹے بچّے کی طرح ہوتا ہے، جسے آپ یوں ہی چھوڑ دو گے تو وہ بڑی عمر تک بھی ماں کا دودھ پینا پسند کرے گا، اور اگر آپ چھڑا دو گے تو چھوڑ دے گا۔

حاصل یہ کہ نفس کے چونچلوں کا بہترین علاج جہاد مع النفس ہی ہے، جس سے انسان کی پاکیزہ اخلاق کے ساتھ تربیت ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام قسم کی بُری عادتوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، ہمارے جو بھائی بہن اس طرح کی پریشانیوں میں گھِر چکے ہیں اللہ تعالیٰ اُنھیں مضبوط ارادے عطا فرمائیں اور اِن چیزوں کی بلاؤں اور وباؤں سے اُنھیں رِہائی عطا فرمائیں، استقامت نصیب فرماکر اُن کے لیے اِن چیزوں کے جال سے نکلنا آسان فرمائیں۔

منشیات کو چھوڑنے میں معاون کچھ وظائف:

سگریٹ، گٹکا، تمباکو اور تمام نشہ آور چیزوں کو چھوڑنے اور چھوڑے رکھنے کے لیے مذکورہ ہدایات (Tips) پر عمل کرنے کے ساتھ اس سلسلے میں جو وظائف بتائے گئے ہیں اُن کا بھی اہتمام کریں، ذیل میں کچھ وظیفے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) سورۂ مائدہ کی آیت نمبر: (۱۰۰) پارہ نمبر: (۷)

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾

اِس آیت کریمہ کو اِکتالیس (۴۱) دِنوں تک روزانہ سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھنا ہے، آگے پیچھے درود شریف بھی پڑھنا ہے، پھر چائے یا پانی وغیرہ پر دَم کر کے اِکتالیس (۴۱) دِنوں تک پیتے رہنا ہے۔

اسی آیت کریمہ سے متعلّق ایک وظیفہ یہ بھی ہے کہ طشتری (Saucer) میں

مندرجۂ بالا آیت کریمہ زعفران وغیرہ سے لکھ دیں، پھر اُسے دھوکر اُس کے پانی کو اِکتالیس (۴۱) دِنوں تک پیتے رہیں، اس کے ساتھ نمازوں اور دُعاؤں کا بھی اہتمام کرنا ہے اور ارادے مضبوط رکھنے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ نے تقریباً اٹھارہ سال تک مسجد نبوی میں روضۂ مبارکہ کے اطراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالیہ یعنی احادیث مبارکہ کا درس دیا، آپ کی طرف یہ وظیفہ منسوب ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر جب کوئی عرض کرتا کہ میرا بچّہ شراب، نشہ، چرس، گانجا، بیڑی، سگریٹ، حقہ اور پان وغیرہ کی عادتِ بد میں مبتلا ہے، کوئی وظیفہ بتادیجیے، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن کو فرماتے کہ نمک لے آؤ، پھر یہ وظیفہ بتاتے: (۱) سات مرتبہ سورۂ فاتحہ (۲) سات مرتبہ آیۃ الکرسی (۳) سات مرتبہ چاروں قل (چاروں قل کے پڑھنے کی دو ترتیب ہیں: یہ کہ سورۂ کافرون، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس ایک ایک مرتبہ پڑھی جائیں، پھر اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی مرتبہ پڑھی جائیں، اور یہ بھی درست ہے کہ اولاً سورۂ کافرون کو سات مرتبہ پڑھ لیں، پھر سورۂ اخلاص کو، پھر سورۂ فلق کو، پھر سورۂ ناس کو سات سات مرتبہ پڑھ لیں) (۴) پھر تین مرتبہ "أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" پڑھ کر درود شریف پڑھیں، پھر نمک پر دَم کرلیں۔

یہ دَم کیا ہوا نمک مریض نشہ کے کھانے میں ملا دیں، پانی میں ڈال دیں۔ اِس وظیفے کے لیے کوئی وقت مقرّر نہیں ہے، لہٰذا عادتِ بد کے چھوٹنے تک جاری رکھیں۔

دُعا کے ساتھ ساتھ دَوا بھی ضروری ہے، لہٰذا اِن وظائف کے ساتھ ساتھ عادتِ بد کو چھوڑنے کی مکمّل کوشش کرنی ہے اور اُس کے لیے ہر ممکن تدبیر اپنانی ہے۔

ایک عبرت آموز لطیفہ:

کسی بزرگ کے پاس ایک مرتبہ کسی شخص نے آ کر عرض کیا کہ حضرت! مجھے شراب کی لت لگی ہے، جو چھوٹ ہی نہیں رہی، کوئی وظیفہ بتا دیجیے! حضرت نے فرمایا کہ ایک بہت مؤثّر وظیفہ ہے کہ تم کوّے کا خون (Blood) شراب میں ملا کر پینا شروع کر دو، تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا، درحقیقت حضرت اُسے ایک پیغامِ بلیغ دینا چاہتے تھے، جو تیر بہ ہدف ثابت ہوا، سائل مسلمان تھا، فوراً بول پڑا کہ حضرت! خون تو حرام ہے، وہ کیسے پیا جا سکتا ہے؟ وہ بھی کوّے کا! اس پر حضرت نے فوراً فرمایا کہ اسی طرح شراب بھی حرام ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شراب تو حرام ہے، اُسے تو بہر حال چھوڑنا ہی ہے، پھر یہ دیگر چیزیں سگریٹ، گٹکا، تمباکو وغیرہ اس لیے چھوڑنی ہوں گی کہ یہ تمام چیزیں صحت کے لیے نقصان دہ (Harmful) ہیں۔

اللہ تعالیٰ اِن تمام جان لیوا چیزوں سے ہم سب کی مکمّل حفاظت فرمائیں، اور جو حضرات اس لت میں پھنس چکے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ اس دَلدَل سے نکال کر نجات عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

تعزیت کے آداب

PART-1

BAYAN QR CODE

PART-2

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾﴾ (البقرة: ١٥٥ - ١٥٦)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ :"مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّيْ أَخَاهُ بِمُصِيْبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَه مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ."(١)

تمہید:

محترم ومکرم حضرات سامعین! اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات کا نام ہے، اس کے قوانین (Totally Rules) آداب پوری زندگی کو گھیرے ہوئے ہیں، زندگی کا کوئی بھی موڑ ہو، کوئی بھی موقع ہو، ہر موقع کے لیے اسلامی ہدایات موجود ہیں کہ کس موقع پر کیا عمل کرنا ہے اور کس چیز سے باز رہنا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی میں جہاں خوشی ہے وہاں غمی بھی ہے، سردی کے ساتھ گرمی بھی ہے، یہاں راحت ہے تو تکلیف بھی ہے، نعمتیں ہیں تو زحمتیں بھی ہیں، الغرض دُنیا خوشی اور غمی کا سنگم ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ نے جہاں خوشی کے مواقع پر تہنیت اور مبارک بادی کے آداب بتائے ہیں غم کے مواقع کے لیے بھی ہدایات دی ہیں، بیماری، موت، مصیبت وآفت وغیرہ مواقع کے احکام بھی بتائے ہیں، عمومی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت زیادہ خوشی یا بہت زیادہ غم کے مواقع میں انسان شریعت کی

(١) سنن ابن ماجه / كتاب الجنائز / باب ما جاء في ثواب من عزّى مصابا / الرقم : ١٦٠١.

حدود (Boundary) پار (Cross) کر جاتا ہے، جوکہ گناہ ہے، اس لیے خوشی اور غم کے مواقع سے متعلّق شرعی ہدایات کا جاننا، سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا ہمارے لیے بہت زیادہ ضروری ہے۔ تو آج کی اس مبارک مجلس میں ہم تعزیت کے متعلّق بات کریں گے۔

تعزیت کی حقیقت:

محترم سامعین! سب سے پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ تعزیت کسے کہتے ہیں؟ جس کے گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے اس کے پس ماندگان کو پُرسا دینا، تسلّی کے کلمات کہنا اور صبر کی تلقین کرنا، اسے تعزیت کہتے ہیں، شریعت مطہرہ میں تعزیت بھی عبادت ہے اور عیادت یعنی بیمار پرسی بھی عبادت ہے، بعض لوگ دونوں کو خلط ملط (Mixup) کر دیتے ہیں، جب کہ دونوں کے درمیان فرق ہے، ''عیادت'' کہا جاتا ہے کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنا، اس کا حال دریافت کرنا کہ اس کی طبیعت کیسی ہے؟ اس کی بھی بڑی فضیلت ہے، لیکن اس وقت ہمارا موضوع (Topic) تعزیت ہے، جس کی فضیلت، اہمیت، آداب اور اس کے متعلّق شرعی ہدایات، نیز اس میں ہونے والی بہت سی کوتاہیوں کے متعلّق ہم بات کریں گے۔

جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ پچھلے دِنوں وبائی مرض میں بہت سے لوگ اس دنیا کو چھوڑ گئے، ایسے مواقع میں میت کے پس ماندگان کو تسلّی و تعزیت پیش کرنے کے آداب اور اس سلسلے میں جو کوتاہیاں دیکھی گئیں تو شدت سے احساس ہوا کہ اس موضوع سے متعلّق شرعی ہدایات لوگوں میں عام کی جائیں۔

دُنیا دارالفنا ہے:

میرے بھائیو! اس دُنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، دُنیا میں کوئی بھی ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا، اس دارِ فانی کی ہر شیٔ کے لیے فنا مقدّر ہے، اگر دنیا میں

ہمیشہ رہنا شرافت اور فضل وکمال کی بات ہوتی تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور امام الانبیا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی اس دنیا سے پردہ نہ فرماتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۝۳۰﴾ (الزمر : ۳۰)

''(اے حبیب!) بے شک آپ کو (تو) موت (صرف ذائقہ چکھنے کے لیے) آنی ہے اور وہ یقیناً (دائمی ہلاکت کے لیے) مردہ ہوجائیں گے۔''

نیز یہی ضابطہ ہر ایک کے لیے بیان فرمایا گیا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران : ۱۸۵)

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔''

حاصل یہ کہ دُنیا میں آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے، رات دِن بے شمار مخلوقات اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں اور اسی طرح بے شمار مخلوقات فنا ہوجاتی ہیں، تو جب کسی بندے کا انتقال ہوجائے تو سب سے پہلے اس کے اعزہ واُقربا اور متعلّقین کو تعزیت پیش کرنے کے متعلّق دو فضیلتیں پیش کریں گے۔

عمل سے پہلے نیت کی دُرستی:

اولاً یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اِخلاصِ نیت ہر عمل کے لیے ایک اہم شرعی ہدایت ہے، اگر ہم کسی کی تعزیت کے لیے جا رہے ہیں تو ہماری نیت خالص ہونی چاہیے کہ ایمانی اخوت کی بنیاد پر ہمدردی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جا رہا ہوں، اس موقع پر ہمارے ذہن میں وہ فضیلت مستحضر ہو جو تعزیت کرنے والے کے لیے حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم تعزیت کے لیے اس وجہ سے جائیں کہ اگر نہیں جائیں گے تو

فلاں کو برا لگے گا، تعزیت کو مجبوراً صرف ایک معاشرتی رسم سمجھ کر نہ جائیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ مجھے اس تعزیت پر آخرت میں کتنا ثواب ملے گا، شرعی اعتبار سے اس میں میرے کتنے فائدے ہیں، کیا فضیلتیں ہیں، یہ چیزیں اصل ہیں، تو پہلی بات جو اہم ہے وہ یہ کہ تعزیت میں ہم اولاً اپنی نیت کو خالص کرلیں کہ تعزیت کیوں کرنی ہے؟ اس پر ہمیں کیا ملے گا؟ یہ نیت بھی نہ ہو کہ اگر ہم تعزیت کے لیے جائیں گے تو وہ آئیں گے۔

تعزیت کی فضیلت:

اب ہم تعزیت کی دو فضیلتوں کے متعلّق بات کریں گے جو حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ عالی سے ثابت ہیں۔ (۱) اُن میں سے پہلی فضیلت یہ ہے:

"مَنْ عَزَّىٰ مُصَابًا فَلَه مِثْلُ أَجْرِه."(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمانِ عالی ترمذی شریف میں موجود ہے، جس میں تعزیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، یعنی اس کو تسلّی دے، تو جس بندے پر مصیبت آئی ہے اُسی کے برابر تسلّی دینے والے کو بھی اَجر ملے گا۔

اس حدیث پاک میں ہم غور کریں کہ "مُصَابًا" کا لفظ ہے، جس میں تمام قسم کے مصیبت زدہ لوگ داخل ہیں، خواہ مصیبت کوئی بھی ہو، مثلاً کسی کے گھر میں انتقال ہوگیا ہو، یا گھر میں کوئی مصیبت آگئی ہو، کاروبار کا نقصان ہوگیا ہو، دُکان جل گئی یا ٹوٹ گئی ہو، یا کوئی اور حادثہ ہوگیا ہو، ہر طرح کی مصیبت اس میں داخل ہے، آج کی مصروف زندگی میں ہر ایک اپنی دُنیا میں مست ہے، کسی کو کسی کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہے۔

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب الجنائز / باب ما جاء في أجر من عزّى مصابا، الرقم : ۱۰۷۳.

کوئی بیمار ہوتو اس کی بیمار پرسی کرنا، جسے عیادت کہا جاتا ہے، وہ بھی اسلامی اخلاق میں سے ہے، ایسے مواقع پر تسلّی کے کچھ کلمات اور دو میٹھے بول غم زدہ کے بوجھ کو ہلکا کر دیتے ہیں۔

ہماری اسلامی شریعت مطہرہ میں انسانی نفسیات (Psychology) کی بھی بھرپور رعایت کی گئی ہے، اس لیے کہ اسلام ایک فطری (Naturally) مذہب ہے، اب فطری اعتبار سے سوچیں کہ کسی مصیبت زدہ شخص کے سامنے ہم مسکرا کر دو میٹھے بول بول دیں تو اُس کا دِل کِھل جاتا ہے، کِھل جاتا ہے، اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے، غم کا بھولنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے، اسلام جو کہ دین فطرت ہے، اس میں تعزیت کی یہی حکمت ہے۔

(۲) دوسری فضیلت جو حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ جو شخص کسی کے انتقال پر اس کے رشتے داروں، قریبی لوگوں اور پس ماندگان کی تعزیت کرے گا، ان کو تسلّی دے گا تو کل قیامت کے دِن اللہ عزّ وجل اُس کو عزّت وشرافت کا لباس پہنائیں گے، شرافت کا جوڑا پہنائیں گے۔

"مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّيْ أَخَاهُ بِمُصِيْبَةٍ، إِلَّا كَسَاهُ اللهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ."(۱)

آخرت پر ہمارا پختہ ایمان ویقین ہے، تو ذرا تصوّر کریں کہ قیامت کے دِن جب کہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا، ہر ایک اپنی فکر میں ہوگا، ایک ایک عمل صالح کے ثواب کے لیے لوگ تڑپ رہے ہوں گے، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ اِس تعزیت کے ایک عمل پر عزّت وشرافت اور اعزاز کا لباس پہنائیں گے، یہ کوئی معمولی فضیلت نہیں ہے۔

تعزیتی کلمات کے چند نمونے:

اب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جب ہم کسی کی تعزیت کے لیے جائیں تو وہاں کیا کہنا

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الجنائز / باب ما جاء في ثواب من عزّى مصابا، الرقم : ۱۶۰۱.

ہے؟ تعزیت کن کلمات سے کرنی ہے؟ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ثابت ہے؟ اس سلسلے میں ہم سب سے اوّل قرآنِ پاک میں غور کریں گے کہ مصیبت کے موقع پر قرآن مجید نے کیا ہدایت دی ہے؟ قرآنِ پاک میں مصیبت پر صبر کرنے والے بندوں کے وصف خاص کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁﴾ (البقرۃ:۱۵۶)

''صابرین پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔''

(۱) اس آیت کریمہ میں مذکور ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ بھی تعزیت کا ایک کلمہ ہے، مختصراً اس کا مطلب یہ سمجھ لیجیے کہ جب کسی عزیز کا انتقال ہو جاتا ہے، تو بسا اوقات ہمارے کچھ بھائی بے ساختہ اپنی زبان پر ایک بات لاتے ہیں (نعوذ باللہ) کہ اللہ تعالیٰ کو میرے ہی والد ملے؟ اور کوئی نہیں ملا جو میرے ہی والد کو اُٹھالیا؟ یا میرے ہی دادا ملے جوان کو بلالیا؟ میرے بھائیو! درحقیقت یہ قضائے الٰہی پر اشکال اور اعتراض ہے، جو کسی بھی بندۂ مؤمن کے لیے ہرگز سزاوار نہیں، مؤمن بندے کی صفت تو یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر سراپا تسلیم و رضا بن جائے۔

ایسے موقع کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرما رہے ہیں کہ اس دُنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت (Personal Property) ہے، اس کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ظاہری بات ہے کہ ایک مالک اپنی مملوک چیز لے لے تو اِس پر کوئی اعتراض (Objection) کی بات نہیں ہے، مالک کو اپنی شئ مملوک میں ہر قسم کے تصرف کا حق ہوتا ہے، یہ ایسا ہی جیسے کسی نے اپنا گھر کرایے (Rent) پر یا عاریۃً دیا اور وقت پورا ہونے پر

مالک نے واپس لے لیا، تو کرایہ دار کو اس میں اشکال یا اعتراض کا حق نہیں ہوتا۔

اسی بات کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ ہمارے پاس اپنا ایک قلم ہے، اگر ہم چاہیں تو اُسے اپنی جیب میں رکھیں، اگر چاہیں تو ہاتھ میں رکھیں یا میز پر رکھیں، ہمیں اختیار ہوگا، اس پر کسی کو کوئی سوال کا حق نہیں ہوگا، یا مثلاً ہمارے پاس اپنی کتاب ہے، اُسے ہم چاہیں تو ہاتھ میں رکھیں، اگر چاہیں تو الماری میں رکھیں، اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، اسی طرح یہ روح بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل فرمادیا، دنیا سے ہٹا کر اُسے قبر میں رکھ دیا، آخرت کے لیے رکھ دیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک حقیقی ہے، میرا تمھارا یہاں کچھ نہیں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے، تو جب اللہ تعالیٰ چاہے جس کو چاہے لے لے، اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات کا جواب دیا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اُس نے اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرمایا، لیکن قریبی رشتے دار کی موت پر غم طاری ہونا چوں کہ ایک طبعی اور فطری تقاضا ہے، مثلاً میاں بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو چوں کہ برسوں سے دونوں ایک ساتھ تھے، یا والدین تھے، سالہا سال تک اُن کی محبتیں وابستہ رہیں، لمبی مدّت تک ساتھ میں رہنے کے بعد فراق وجدائی کا غم تو ہر ایک کو ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تسلّی کا سامان عطا فرمایا: ﴿وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾ کہ یہ دنیا کی زندگی تو بہت مختصر ہے، تم سب کو لوٹ کر اُسی کے پاس جانا ہے، جہاں ایک دائمی لامحدود زندگی ہے، وہاں سبھی کو پہنچنا ہے، اگر اچھے اعمال کے ساتھ وہاں پہنچیں گے تو پھر اپنے رِشتے داروں کے ساتھ جمع ہوسکیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مؤمنین کو جنّت نصیب فرمائیں گے، جہاں سب مل کر رہیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے کتنی اچھّی تعزیت فرمائی اور کتنی اچھّی تسلّی دی، اگر ہم اس کی حقیقت کو اچھّی طرح سمجھ لیں تو ہمارے لیے صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔ حاصل یہ کہ تعزیت کے کلمات میں سے ایک تو ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھنا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی صاحب زادی کی تعزیت کرنا:

(۲) تعزیت کے موقع پر دوسرے کلمات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بچّے کا انتقال ہو رہا ہے، آخری وقت چل رہا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلّی کے کلمات بھجوا رہے ہیں، جو یہ ہیں:

"إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَه مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَه بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ، وَلْتَحْتَسِبْ."(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، جو لیا وہ بھی اُسی کا ہے اور جو دیا وہ بھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کی چیز واپس لی ہے، اور ہر شئ کا ایک وقت مقرر (Fix Time) اللہ تعالیٰ کے پاس تقدیر میں طے ہے، لہٰذا آپ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس صبر پر ثواب کی اُمید رکھیں۔

اس میں ایک پیغام یہ بھی ہے کہ جب کوئی بندہ لمبے وقت تک بیمار رہتا ہے، سالوں تک بسترِ مرض میں رہ کر پریشان ہو جاتا ہے، تو ایسے مواقع میں تعزیت بہت اچھّی ٹانک کا کام کرے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی اچھّی جگہ بلا لیا، راحت دے دی، بیچارہ طویل بیماری سے پریشان ہو چکا تھا، پورے دِن کراہتا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہتر زندگی عطا فرما دی،

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأيمان والنذور، الرقم: ٦٦٥٥.

اس لیے کہ نیک صالح مؤمن بندے کے لیے قبر جنّت کا باغ بن جاتی ہے، عالم برزخ ہی سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کے لیے جنّتی نعمتوں کی نوازش شروع فرما دیتے ہیں۔

تو یہ بھی بہت اچھی تعزیت ہے، جس میں تقدیر خداوندی پر تسلیم و رضا کی تلقین بھی ہے کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرّر ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ صبر کریں، اور اس صبر کے ثواب کی اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس واقعے میں آگے یہ بات منقول ہے کہ اُنھوں نے دو بارہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ تشریف لے گئے، جب آپ وہاں پہنچے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس چھوٹے سے بچّے کو اپنے ہاتھ میں لیا، آخری سانسیں چل رہی تھیں، جاں کنی کا وقت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمِ مبارک اَشک بار ہو گئیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ بھی رو رہے ہیں اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ رحمت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں عنایت فرماتے ہیں۔

"فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ، فَقَامَ وَقُمْنَا مَعَه، فَلَمَّا قَعَدَ رُفِعَ إِلَيْهِ، فَأَقْعَدَه فِيْ حَجْرِهِ، وَنَفْسُ الصَّبِيِّ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ سَعْدٌ: "مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ!" قَالَ: "هٰذِه رَحْمَةٌ يَضَعُهَا اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِه، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ."(۱)

خلاصہ یہ کہ غم ایک فطری (Naturally) چیز ہے، اور اسلام کا اصول یہ ہے کہ وہ فطرت (Nature) کے تقاضے پر پابندی (Break) نہیں لگاتا، بلکہ اس کو بہتر انداز میں

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأيمان والنذور، الرقم : ٦٦٥٥.

پیش کرتا ہے، لہٰذا اس موقع پر بھی اسلامی ہدایت یہی ہے کہ جب غم فطری (Naturally) چیز ہے اور اس کی وجہ سے آنکھیں خود بخود بہہ پڑتی ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، یہ طبعی تقاضا ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں، لیکن اُس میں حد تجاوزی کر کے مصنوعی اور بناوٹی (Artificial) طریقہ اختیار کرنے پر پابندی لگائی ہے کہ کرایے کے ٹٹوؤں اور ایسی رونے والیوں کو بلا کر جمع نہ کیا جائے جن کا اس غم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، پھر بھی وہ صرف پیسے لے کر رو رہی ہوں، سینہ پیٹ کر مصنوعی ماتم کا اظہار کر رہی ہوں، کپڑے پھاڑ کر خرافات مچا رہی ہوں، ان سب بے حقیقت چیزوں کی اسلام میں کوئی گنجائش اور اجازت نہیں۔

حاصل یہ کہ تعزیت میں یہ کلمات بھی کہے جاسکتے ہیں: "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَه مَا أَعْطىٰ، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَه بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ، وَلْتَحْتَسِبْ."

(۳) بعض کتابوں میں یہ کلمات بھی ملتے ہیں:

"عَظَّمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ، وَأَحْسَنَ عَزَاءَكَ، وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ."(۱)

جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا اَجر وثواب بڑھائیں، آپ کے غم کو ہلکا کر دیں اور مرنے والے کی مغفرت فرمادیں۔

اسی طرح یہ کلمات بھی کہہ سکتے ہیں:

(۴) "أَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْهُ، وَأَصْلَحَك."(۲)

جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نعم البدل عطا فرمائیں اور آپ کے حالات درست فرمائیں۔

تعزیت کا مقصود تسلّی دینا ہے، خواہ اس کے کلمات کوئی بھی ہوں، جو بھی کلمات اللہ

---

(۱) فتاوى الشامي / باب صلوٰة الجنائز : ۲۴۱/۲.

(۲) الفتاوى الهندية / كتاب الكراهية / الباب الرابع عشر : ۴۲۷/۵.

تعالیٰ بروقت زبان پر جاری فرمادیں جن سے مصیبت زدہ کو تسلّی ہو وہ کہہ سکتے ہیں، اگر عربی زبان میں یہ کلمات نہ پڑھ پاتے ہوں تو اپنی مادری زبان میں بھی ہم تعزیت کے کلمات کہہ سکتے ہیں۔

(۵) مثلاً کوئی شخص طویل بیماری کے بعد وفات پا جائے تو تسلّی کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''بیچارے لمبے وقت سے بیمار تھے، لیکن پھر بھی ماشاء اللہ اخیر تک نماز کا اہتمام کرتے رہے، بہت نیک آدمی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے رہائی دے کر راحت عطا فرمادی کہ وہ قبر میں چلے گئے، قبر اچھے لوگوں کے لیے جنّت کا باغ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جنّت کے باغ میں پہنچادیا، اُن کو دنیا کے مصائب سے نجات عنایت فرمائی۔'' تو یہ بھی تعزیت کا بہتر انداز ہے۔

(۶) اسی طرح اگر کسی کے والد صاحب کی وفات ہو جائے اور والدہ حیات ہوں، تو والدہ کے وجود کو جو کہ نعمت ہے بطورِ خاص (Highlight) کر کے اس طرح تسلّی دے سکتے ہیں کہ دیکھو میرے بھائی! والد صاحب کی وفات ہوئی، ابھی آپ کے پاس والدہ کی بہت بڑی نعمت ہے، جن کے قدموں تلے جنّت ہے، یہ ہماری دُعاؤں کا دروازہ ہیں، اگر ہم سے والد صاحب کی خدمت میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو تو اُس کی تلافی والدہ محترمہ کی خدمت کے ذریعے کر سکتے ہیں اور اُن کی دُعائیں لے سکتے ہیں۔ تو جو نعمت اس وقت موجود ہے اس کی یاددہانی کر کے تسلّی دی جاسکتی ہے، یہ بھی تعزیت کا ایک اچھّا انداز ہے۔

"فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ"... حدیث پاک کے اِن کلمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صبر کی تلقین کرتے ہوئے تسلّی دینا یہ تعزیت کا پورا خلاصہ ہے۔

تعزیت کے موقع پر عمومی کوتاہیاں:

تعزیت کے موقع پر ایک اہم اور بنیادی بات یہ دھیان میں رکھنی چاہیے کہ تعزیت

کا مقصود مصیبت زدہ سے اظہارِ ہمدردی ہے، اُس کے زخم پر مرہم رکھنا ہے، بہت سے لوگ اس موقع پر ہمدردی کے بجائے ایسی باتوں میں لگ جاتے ہیں جن سے مغموم کے غم میں اِضافہ ہوتا ہے، اُس کے زخم پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکتے ہیں، جس کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ وفات پانے والے کی بیماری یا حادثے سے لے کر اُس کی موت تک کی پوری داستان اپنے تمام جزئیات سمیت فرداً فرداً ہر ایک کو سنانا ضروری سمجھا جاتا ہے، مثلاً کسی عورت کا شوہر وفات پا گیا، تو اب اُس بیچاری بیوہ کے سامنے جس کا زخم ابھی تازہ ہے ایسی باتیں دُہرائی جاتی ہیں جن سے اُس کا غم بار بار تازہ ہوتا ہے کہ بیچارے چلے گئے، ابھی کل تک تو ہم فلاں جگہ ساتھ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، بیماری یا حادثے کی وجہ سے وفات ہوتی ہے تو وہاں پوری تفصیلی روداد (Commentary) سنانے بیٹھ جائیں گے کہ تین دِن پہلے فجر میں اُٹھے، پیٹ میں درد ہوا، سر میں درد ہوا، پاؤں پھسل گیا، پھر فلاں ہسپتال (Hospital) لے کر گئے، وہاں سے کہا گیا کہ بڑے ہسپتال (Hospital) لے کر جاؤ، پھر وہاں لے جانے میں فلاں فلاں بات ہوئی، ہمیں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہیے کہ ایسی باتوں سے مصیبت زدہ کا غم ہلکا ہونے کے بجائے اور تازہ ہوگا، یہ تعزیت نہیں ہے، عموماً ہماری مائیں، بہنیں ناواقفیت میں اس طرح کی باتوں میں لگ جاتی ہیں، پھر اس کو تسلّی کا نام دیا جاتا ہے۔

ہماری بہت سی ماؤں، بہنوں کو ایسے مواقع پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کے گھر کی طرف آرام سے آ رہی ہیں، پورے راستے میں اُن پر غم کے آثار تو درکنار، ہنسی مذاق چل رہا ہوتا ہے، پھر جیسے ہی میّت کا گھر قریب آتا ہے تو مصنوعی رونا دھونا اور طرح طرح کی خرافات شروع کر دیتی ہیں، تاکہ یہ جتایا جا سکے کہ ہم سے زیادہ مغموم کوئی نہیں ہے، حالانکہ حقیقت

میں اُنھیں کوئی غم نہیں ہوتا۔ تعزیت کے نام پر یہ کوتاہیاں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔

ابھی کورونا (Corona) کے زمانے میں ایک سچّا واقعہ ہوا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر (Husband) سے یہ فرمائش کی کہ مجھے ایک نیا جوڑا سلوا دیا جائے، شوہر نے پوچھا کہ کیوں بیگم! کیا بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ میری ایک سہیلی وبائی مرض (Covid) میں مبتلا ہے، ڈاکٹر (Doctor) نے جواب دے دیا ہے، پتا نہیں کب رُخصت ہو جائے اور مجھے اچانک تعزیت کے لیے جانا پڑے، اندازہ ہے کہ دو تین دِن لگیں گے، تو میں پیشگی طور پر (Advance میں) کپڑے تیار رکھوں!

کتنے افسوس کی بات ہے کہ تعزیت جو کہ ایک فطری (Naturally) اظہارِ غم کا نام ہے اس میں بھی بناؤ سنگار اور میک اَپ (Makeup) وغیرہ کو ضروری سمجھا جاتا ہے، گویا تعزیت نہیں، شادی بیاہ میں جا رہے ہوں، پھر وہاں میّت کے گھر میّت کے پس ماندگان کو صبر کی تلقین، میّت کے لیے دُعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کے بجائے دُنیا بھر کی باتیں ہوتی ہیں، وہاں رِشتے بھی طے ہو رہے ہیں، ایک عورت دوسری کو پوچھتی ہے کہ بہن! یہ کپڑا بہت اچھا ہے، کہاں سے خریدا؟ کتنی قیمت ہے؟ وغیرہ، اُن کو دیکھ کر دور دور تک اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی کے غم میں شریک ہیں، پھر جب میّت کے گھر سے واپسی کا وقت ہوتا ہے تو مصنوعی رونا شروع ہو جاتا ہے، اس طرح شروع اور اخیر میں مصنوعی رونے کے درمیان کی خرافات کو ہم تعزیت سمجھتے ہیں، یہ بالکل درست نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ اور شعور عطا فرمائیں۔ آمین۔

تعزیت کتنے دِنوں تک ہونی چاہیے؟

تعزیت تین دِن تک ہونی چاہیے،(۱) اس سے زیادہ نہیں، اس لیے کہ شوہر کے

(۱) فتاوى الشامي / باب صلوٰة الجنائز : ۲/۲٤۱.

علاوہ کسی کے انتقال پر شریعت مطہرہ نے تین دِن تک غم کی اجازت دی ہے، البتہ شوہر کا انتقال ہوجائے تو بیوہ کے لیے چار مہینے اور دس دِن تک غم کی مدّت ہے۔(۱)

ہاں، اگر کوئی شخص دور سے آیا ہے، مثلاً بیرونِ ملک تھا اور آنے میں زیادہ دِن لگ گئے، یا ناگزیر حالات کی وجہ سے وقت پر نہیں آسکا اور بعد میں آیا ہے، تو اس کے لیے جب وہ پہلی مرتبہ ملے تب تعزیت کی گنجائش ہے، ان شاء اللہ اُس کو بھی تعزیت کا ثواب مل جائے گا۔

تعزیت کب شروع کی جائے؟

کسی کے انتقال کے بعد تعزیت شروع کرنے کے سلسلے میں کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ جب میّت کی تدفین ہوجائے، اس کے بعد پس ماندگان کی تعزیت شروع کی جائے،(۲) اس میں زیادہ سہولت اور آسانی ہے، انتقال کے بعد جب میّت کو غسل، تکفین، صلوٰۃِ جنازہ اور تدفین وغیرہ ضروری اور اہم امور کے انتظامات میں پس ماندگان مشغول ہوں اس دوران تعزیت میں ان کو مزید پریشانی ہوتی ہے، مثلاً کسی کے والد کی وفات ہوگئی، بیٹا غسل اور تکفین وتدفین وغیرہ کے انتظام میں مشغول ہے اور اسی دوران اُسے فون پر فون کر کے تعزیت کا سلسلہ شروع ہوجائے تو ظاہر ہے کہ وہ زیادہ پریشان ہوجائے گا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ میّت کے پس ماندگان کی راحت رسانی کا خیال رکھتے ہوئے تدفین کے بعد تعزیت شروع کی جائے، البتہ اگر ہم میّت کے گھر جلدی پہنچ جائیں، بہت قریبی رِشتے دار ہے، رِشتے دار وغیرہ رو رہے ہوں اور اُن کے لیے صبر مشکل ہو رہا ہو تو فوری طور پر بھی تعزیت میں کوئی حرج نہیں، بہر حال اس میں موقع ومحل کی رعایت ضروری ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الجنائز / باب حد المرأة على زوجها. الرقم : ۱۲۸۰.
(۲) فتاوى الشامي / باب صلوٰة الجنائز: ۲۴۱/۲.

زیادہ سہولت پسندی کی وجہ سے جو حضرات بذریعۂ فون (Shortcut) تعزیت کرتے ہیں وہ اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھتے کہ جس کو تسلّی دی جارہی ہے وہ اس وقت بہت مشغول ہوگا، میری تعزیت سے اُسے تسلّی ہوگی یا مزید پریشانی ہوگی، یہ سوچنا چاہیے کہ میرا اس وقت فون کرنا ضروری امور میں رُکاوٹ کا باعث تو نہیں بن جائے گا؟

تعزیت کہاں پیش کی جائے؟

بہتر تو یہی ہے کہ میّت کے پس ماندگان کے پاس پہنچ کر اُن کے سامنے رو برو (Face to Face) تعزیت کی جائے، یہ پہلا اور پسندیدہ طریقہ (Option) ہے، یہ طریقہ اظہارِ ہمدردی میں زیادہ مؤثر ہے، جہاں تک ممکن ہو رو برو خود پہنچ کر تعزیت کرنی چاہیے، آج چوں کہ پوری دنیا ڈیجیٹل (Digital) ہو کر ایک عالمی بستی (Golbal Village) بن گئی ہے، اِنٹرنیٹ (Internet) ہر جگہ دست یاب (Available) ہے تو کچھ لوگوں نے تمام رِشتے داریوں (Relations) کا بھی ڈیجیٹلائزیشن (Digitalisation) کر رکھا ہے! ایسے لوگ اپنے تمام تعلقات بھی سوشیل میڈیا (Social Media) پر ہی نبھاتے ہیں، ان کی رشتے داریاں بھی واٹس ایپ (WhatsApp) فیس بک (Facebook) اور ٹویٹر (Twitter) تک محدود ہوگئی ہیں، یہ حضرات میّت کے پس ماندگان تک بآسانی پہنچ سکتے ہوں پھر بھی تعزیت سوشیل میڈیا پر ہی نمٹا دیتے ہیں، حالانکہ رو برو تسلّی دینے میں ہمدردی کا اصل اظہار ہوتا ہے، البتہ اگر حالات ایسے ہوں کہ میّت کے پس ماندگان تک پہنچنا دُشوار ہو، حالات اجازت نہ دے رہے ہوں تو ایسی صورت میں سوشیل میڈیا کا سہارا لینے میں کوئی حرج نہیں، ان شاء اللہ تعزیت کا ثواب اس صورت میں بھی مل جائے گا۔

تعزیت کن لوگوں کی جائے؟

انتقال خواہ مرد کا ہو یا عورت کا، ہر ایک کی تعزیت کی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم کا انتقال ہو تو اس کی بھی تعزیت کی اجازت ہے، (۱) جن لوگوں کے ساتھ کاروباری تعلقات (Professional Relations) ہوں اُن کی بھی تعزیت کی جاسکتی ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر میّت غیر مسلم ہو تو اس کے لیے دُعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب جائز نہیں۔

نیز غیر مسلمین کی وہ آخری مذہبی رسوم (Rituals after death) جو اُن کے مرنے کے بعد ہوتی ہیں اُن میں بھی شرکت کی شریعت مطہرہ میں بالکل اجازت نہیں ہے، البتہ تعزیت کے کلمات کہنا (بشرطیکہ وہ کفریہ وشرکیہ کلمات نہ ہوں) جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مسلم کی عیادت ثابت ہے، (۲) لہٰذا غیر مسلم کی تعزیت بھی جائز ہے۔

ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت:

جہاں ہم تعزیت کریں وہیں میّت کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے، علما نے لکھا ہے کہ دُعائے مغفرت کی اہمیت زیادہ ہے، اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر ہمارا کوئی قریبی شخص جیل میں بند ہو، تو اس کے لیے ایک تو ہم کھانا پینا بھجوائیں، یہ ہے ایصالِ ثواب، اور دوسرا یہ کہ اُسے جیل سے رِہا کروانے کی کوشش کریں، اس کی ضمانت کروا کر اُسے رِہا کروائیں، یہ دُعائے مغفرت کی مثال ہے، یہاں دونوں ہی کام اچھے ہیں، مگر کھانا بھجوانے کے مقابلے میں قید سے رِہائی یہ قیدی کے لیے زیادہ خوشی کا

(۱) الفتاوى الهندية / كتاب الكراهية / الباب الرابع عشر: ٤٢٧/٥.
(۲) صحيح البخاري. الرقم : ١٣٥٦.

سبب ہے، اسی طرح میّت کے لیے ایصالِ ثواب ایسا ہے جیسے قیدی کے لیے کھانا بھجوانا، اور میّت کے لیے دُعائے مغفرت ایسی ہے جیسے قیدی کو رِہائی دلانے کا انتظام کرنا، جس میں اس پر زیادہ احسان ہے۔ تو ہمیں میّت کے لیے ایصالِ ثواب کے بعد دُعائے مغفرت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

میّت کے گھر کھانا بھیجنا:

تعزیت کا ایک حصّہ یہ بھی ہے کہ جس گھر میں انتقال ہوا ہو اُس گھر میّت کے پس ماندگان کو کھانا تیار کر کے بھیجا جائے، حسب معمول جو کھانا گھروں میں پکتا ہے وہی بھیجنا کافی ہے، حدیث پاک میں اس کا بھی ثبوت ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : "اصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ."(۱)

اس حدیث پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کے گھر والوں کے لیے کھانا بنادو، اس لیے کہ ان کی وفات نے گھر والوں کو مشغول کر دیا ہے۔

اس موقع پر میّت کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجنے کا اصل مقصد (Reason) یہ ہے کہ اولاً تو وہ لوگ مشغول ہوتے ہیں، اُن کے پاس ایسے موقع پر نہ کھانا بنانے کا وقت ہوتا ہے اور نہ ہی کھانا کھانے کو اُن کا جی چاہتا ہے، اُن کا دِل رِشتے دار کی وفات کی وجہ سے مغموم ہوتا ہے، ایسی حالت میں کون رغبت سے کھا سکتا ہے؟ لہٰذا شریعت مطہرہ میں یہ بھی میّت کے گھر والوں کی تسلّی ہی کے خاطر مشروع ہے۔

آج کے دور میں اس سلسلے میں بھی بڑی بے اعتدالیاں اور خرابیاں پیدا ہو چکی

---

(۱) سنن الترمذي / باب ما جاء في الطعام يصنع لأهل الميت، الرقم : ۹۹۸.

ہیں، خاص اہتمام سے متنوع پکوان وغیرہ کی بڑی بڑی دیگچیاں تیار کی جاتی ہیں کہ پتا ہی نہ چل پائے کہ میّت کا گھر ہے یا شادی کا؟ اس موقع پر بہتر یہ ہے کہ جو حضرات قرب وجوار ہی سے آئے ہیں وہ تدفین کے بعد تعزیت کر کے اپنے مقام پر چلے جائیں، بلا ضرورت کھانے میں شریک نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی شادی کا گھر نہیں جو دستر خوان لگا کر بیٹھ جائیں، یہ کھانا صرف میّت کے گھر والوں کے لیے اور دور دراز سے آئے ہوئے میّت کے رشتے داروں کے لیے ہے، دور سے آئے ہوئے لوگوں کے لیے بسا اوقات فوراً چلا جانا ممکن نہیں ہوتا، تو وہ حضرات کچھ رُک جائیں گے، لہٰذا یہ کھانا اُن لوگوں کے لیے ہوگا، جو حضرات اطراف ہی سے آئے ہوں وہ ہرگز نہ کھائیں، بلکہ اپنے مقام پر جا کر کھائیں۔

میّت کے گھر چولہا جلانا:

اور ایک مسئلہ یہ بھی سمجھتے چلیں کہ میّت کے گھر اگر اس دِن کھانا بنائیں گے تو کیا وہ گنہگار ہوں گے؟ دوسروں کا بنانا ہی ضروری ہے؟ لوگوں میں یہ غلط فہمی رائج ہے کہ تین دِن تک میّت کے گھر میں چولہا نہ جلنا چاہیے، یہ سب واہیات ہیں، غیر شرعی باتیں ہیں، میّت کے گھر والے بھی اگر کھانا بنالیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ہوسکتا ہے جس گھر میں انتقال ہوا ہے وہاں کوئی بیمار شخص ہے، شوگر کا مریض ہے، اس کو چائے، ناشتے کا تقاضا ہے، تو کھانا بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

تیجا، چالیسواں اور برسی:

اور ایک بات اس سلسلے کی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ الگ الگ دِن متعین کرتے ہیں کہ تیسرے دِن کھانا ہوگا، چالیسویں دِن ہوگا اور ایک سال کے بعد ہوگا، یہ تمام غیر شرعی باتیں ہیں، شریعت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں، ایصالِ ثواب کرنا ہے تو ضرور کیجیے، لیکن اس کے لیے کوئی عمل، کوئی وقت اور کوئی جگہ متعین نہیں ہے، اور کھانا کھلا رہے ہیں تو ان غریبوں کو

کھلائیں جن کی آنتیں بھوک کی وجہ سے سوکھ چکی ہیں، جن کو کھانے کی شدید ضرورت ہے، تو ان کے دِل سے دُعائیں نکلیں گی اور مرحوم کو صحیح معنیٰ میں ثواب اور فائدہ پہنچے گا۔

خلاصہ:

مختصراً اتنی بات کو سمجھنا ہے کہ میّت کے گھر ہم تعزیت کے لیے جاتے ہیں تو اس کے تمام شرعی آداب کی رِعایت بھی نہایت ضروری ہے، ہماری تعزیت میّت کے گھر والوں اور اُس کے رِشتے داروں کے لیے تسلّی کا باعث ہو ایسی کوشش کرنی چاہیے، ہم سے کوئی بھی ایسا قول یا فعل سرزد نہ ہو جو ان کی تکلیف کا باعث بن جائے، اس بات کا خوب دھیان رکھنا چاہیے، ہماری تعزیت غم ہلکا کرنے والی ہونی چاہیے، نہ کہ غم کو بڑھانے والی۔ مثلاً کسی بیوہ کی سہیلی جب بیوہ کی تعزیت کے لیے جائے تو وہاں اس بات کا خیال رکھے کہ کسی بھی بات میں حتی الامکان اپنے شوہر کا ذکر اُس بیوہ کے سامنے نہ کرے، کیوں کہ جب بھی وہ لفظ ''شوہر'' سنے گی تو اس کا غم تازہ ہو جائے گا، وہ اپنے شوہر کو یاد (Miss) کرے گی، پوری کوشش اس بات کی ہونی چاہیے کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ (Word) نہ نکلے جو تعزیت کے خلاف ہو اور غم کو بڑھانے کا سبب ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح شعور (Sense) نصیب فرمائیں، ایسے تمام مواقع کے تمام آداب و مستحبات سیکھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، جن کی وفات ہو چکی ہے سب کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں، اُنھیں بلند درجات نصیب فرمائیں، اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائیں، جنّت الفردوس اُن کا ٹھکانا بنا دیں اور جمیع پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی موت کی تیاری اور آخرت کی فکر کرنے کی توفیق بخشیں اور وقت مقرّر پر حسن خاتمہ کے ساتھ کلمہ والی، ایمان والی موت نصیب فرمائیں، مذکورہ تمام باتوں پر ہم سب کو توفیق عمل سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانا أَنِ الحمدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِین.

قرض سے متعلّق شرعی ہدایات

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ. أَمَّا بَعْدُ.

فَقَدْ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ الْكَلَامِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ﴾ (البقرة : ۲۸۲)

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ﴾ (البقرة: ۲۴۵)

تمہید:

محترم سامعین! آج کی اس مجلس میں ہم ان شاء اللہ قرض کے متعلّق کچھ شرعی اسلامی ہدایات پیش کریں گے، نیز ہمارے بھائیوں کی ایک بڑی تعداد جو عام حالات میں اورخصوصاً ان حالات میں مالی پریشانیوں (Financial Troubles) میں مبتلا ہے اورقرض کی ادائیگی کے لیے فکرمند رہتے ہیں اُن کے قرض کی ادائیگی میں آسانی کے لیے ان شاءاللہ دو وظیفے بھی پیش کیے جائیں گے، اولاً ہم قرض کے حوالے سے کچھ شرعی ہدایات کے متعلّق بات کریں گے۔

شریعت اسلامیہ نے ضرورت کے موقع پر قرض لینے کی گنجائش رکھی ہے اوراس کی اجازت دی ہے، اورقرض دینے والا بھی اگرایمانی ہمدردی اوراپنے بھائی کے تعاون کی نیت سے اخلاص کے ساتھ قرض دے تو یہ قرضِ حسن اُس قرض دینے والے کے لیے اجروثواب کا

باعث بھی ہوگا۔

قرض کی ضرورت واِجازت:

اللہ رب العزت نے دنیا کے اس دارالاسباب میں انسان کو مختلف ضروریات کے ساتھ پیدا فرمایا، اس لیے دنیا کا ہر انسان اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے، ان میں قناعت پسند انسان تو اپنی مناسب تدبیر اور جائز کوشش کے بعد جو کچھ اُسے میسّر ہو اُسی پر قناعت اختیار کر کے اپنا گذر بسر کر لیتا ہے، اس کے باوجود بعض اوقات اپنی اور اہل وعیال کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے اُسے بھی قرض لینے کی نوبت آجاتی ہے، اگرچہ قناعت کے ساتھ زندگی گذارنے والوں کو قرض لینے کی نوبت کم ہی آتی ہے، لیکن اس دنیا میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جن کو کبھی بھی قرض لینے کی ضرورت پیش ہی نہ آتی ہو، اور ایسا بھی نہیں کہ قرض کی ضرورت صرف بے سہارا اور غریب ومجبور لوگوں ہی کو پیش آتی ہو، بلکہ کبھی کبھی بڑے بڑے دولتمندوں حتیٰ کہ بڑی بڑی حکومتوں تک کو پیش آجاتی ہے، مثلاً ایک شخص اپنے وطن میں گھر پر لاکھوں روپیوں کا مالک ہوتا ہے، مگر سفر میں کسی وقت وہ چند روپیوں کے لیے مجبور اور محتاج ہوجاتا ہے، یا ایک آدمی ہزاروں روپے مہینے میں کماتا ہے اور اس کے اہل وعیال اچھّی زندگی بسر کرتے ہیں، مگر ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ اچانک اُس کا انتقال ہوجاتا ہے اور بعد میں اس کے بیوی بچّے اپنی بنیادی ضرورتوں کے لیے بھی ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اسی طرح بڑی بڑی حکومتیں جو کئی ممالک کو قرض دیتی ہیں، جنگ کے زمانے میں معمولی آمدنی رکھنے والے افراد تک سے قرض لینے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔

غرض یہ کہ انسانی زندگی میں بعض اوقات قرض کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے، اور

شریعتِ مطہرہ کا ایک اہم ترین مقصد رفع حرج یعنی انسان سے نا قابل برداشت حرج اور تنگی کو دور کرنا بھی ہے۔

اس لیے کسی جائز مقصد اور ضرورت کے لیے شدید مجبوری کے وقت شریعت نے چند اخلاقی و قانونی پابندیوں کے ساتھ قرض لینے کی اجازت بھی ہمیں عطا فرمائی، اور خود صاحب شریعت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ضرورت کے وقت اپنے ساتھیوں بلکہ غیر مسلموں اور یہودیوں سے بھی قرض لیا ہے، پھر ادائیگی کے وقت "هَلْ جَزَاءُ الإِحْسَانِ إِلَّا الإِحْسَانُ" کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر طریقے سے ادا بھی فرمایا ہے، اور یہی سنّت بھی ہے۔ (۱) (بشرطیکہ یہ زیادتی کسی شرط اور معاہدے کی بنا پر نہ ہو)۔

قرض محبّت کی قینچی ہے:

لیکن یہاں یہ بات بھی خوب دھیان میں رکھنی چاہیے کہ قرض بذاتِ خود کوئی اچھی چیز بھی نہیں، اس کی وجہ سے بعض اوقات اچھے خاصے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، کیوں کہ قرض کے اصل معنیٰ کاٹنے کے ہیں، قینچی کو عربی زبان میں مقراض کہتے ہیں کہ وہ کاٹنے کا ذریعہ اور آلہ ہے، اب جو آدمی قرض یا اُدھار کوئی چیز یا رقم لیتا ہے وہ گویا اپنی آمدنی یا جمع شدہ رقم کا ایک حصہ کاٹ کر اس کو دیتا ہے، اور غالباً اس لیے بھی اس کو قرض کہتے ہیں کہ اگر قرض خواہ اور قرض دار شریعت میں قرض کے جو احکام ہیں ان کی رعایت نہ کریں تو پھر دونوں کے تعلقات کو یہ قرض کاٹ دیتا ہے، اسی لیے عربی زبان میں یہ مثل مشہور ہے: "اَلْقَرْضُ مِقْرَاضُ الْمَحَبَّةِ." (قرض محبت کی قینچی ہے) قرض سے بسا اوقات محبت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض کو اتنی مذموم چیز سمجھتے تھے کہ سوتے وقت اور پنج وقتہ

(۱) صحيح المسلم، الرقم: ۱٦۰۰.

نمازوں کے اخیر میں جن چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے ان میں بطورِ خاص قرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور پناہ مانگتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ."(۱)

''اے اللہ! میں معصیت اور قرض کے بوجھ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

عموماً قرض دار آدمی کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو ایک قیدی کی ہوتی ہے، یعنی جس طرح قیدی میں بلندی، عزّت اور آزادی کے بجائے احساسِ کمتری، ذلّت اور غلامی کا تصوّر پیدا ہوجاتا ہے اسی طرح مقروض میں بھی یہ باتیں پیدا ہوجاتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ "صَاحِبُ الدَّيْنِ مَأْسُوْرٌ بِدَيْنِه."(۲) قرض دار آدمی اپنے قرض کا قیدی ہوتا ہے، پھر یہ قرض دِن میں رُسوائی اور رات میں بے چینی کا سبب ہے۔ حضرت حکیم لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''میں نے بہت سے بوجھ اٹھائے؛ لیکن قرض سے زیادہ بھاری کسی چیز کو نہ پایا۔''

حاصل کلام یہ کہ جائز مقاصد اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شریعت مطہرہ نے قرض لینے کی اِجازت دی ہے، اسی کے متعلّق چند ہدامات پیش خدمت ہیں۔

قرض کے متعلّق ضروری ہدایات:

سب سے پہلی بات یہ یاد رکھنی چاہیے کہ ہم اپنی ضروریاتِ زندگی کو محدود رکھیں اور اُن ضروریات تک محدود رہیں، قرض لینے کی ضرورت اکثر اس لیے بھی پیش آجاتی ہے کہ ہم اپنی ضروریات کی صحیح طور پر حد بندی نہیں کر پاتے اور ضروریات سے آگے بڑھ کر خواہشات، نفس کے مختلف قسم کے چونچلوں اور غیر ضروری تقاضوں وغیرہ کو پورا کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، پھر محدود آمدنی میں جب کنٹرول نہیں ہو پاتا تو قرض لینے کی ضرورت

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأذان / باب الدعاء قبل السلام، الرقم : ۸۳۲.
(۲) المعجم الأوسط للطبراني / باب من اسمه أحمد / ص:۲۷٤، الرقم : ۸۹۳. ط: دار الحرمين

پیش آتی ہے، مختصراً (In Short) اگر ہم قناعت والی زندگی گزاریں تو قرض لینے کی نوبت بہت کم پیش آئے گی۔

دوسری بات یہ کہ بغیر شدید مجبوری کے قرض نہ لیا جائے، قرض لینے کی عادت نہ بنا لی جائے، بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ قرض لینے میں ذرا دریغ نہیں کرتے، بلکہ ایسی عادت بنا لیتے ہیں جسے عرف میں ''ٹوپی پہنانا'' کہتے ہیں، یعنی کسی سے قرض لیا، پھر جب اس کی ادائیگی کا وقت ہوا تو دوسرے سے قرض لے کر اُسے ادا کر دیا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، اُنھیں اس بات کی فکر ہی نہیں ہوتی کہ اپنی محنت کی محدود آمدنی میں سے کچھ بچا کر قرض کی ادائیگی کا انتظام کریں، یہ عادت بالکل دُرست نہیں۔

قرض کے سلسلے میں ایک بہت ہی تاکیدی اور اہم بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ قرض لینے یا دینے کے کسی بھی معاملے میں سود والا قرض نہ ہو، سودی قرض سے لازمی طور پر بچنا چاہیے اور اپنے دِل میں یہ پختہ عہد کر لیں کہ میں بھوکا رہ لوں گا، لیکن حرام نہیں کھاؤں گا، سود نہیں کھاؤں گا۔

ادائے قرض کی فکر:

جب کسی شدید ضرورت کے پیش نظر قرض لینے کی نوبت آجائے تو مقرّر وقت پر اُس کی ادائیگی کی فکر کرنا اور اُس کی کوشش میں لگنا بھی ضروری ہے، صرف فکر کافی نہیں، قرض کی ادائیگی کے لیے صرف وظیفہ پڑھ لینا کافی نہیں ہوگا، اُس کے لیے درکار محنت بھی کرنی ہوگی، قرض لے کر ادا نہ کرنا اور ادا کرنے کی فکر و کوشش نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے بھی احتیاط فرماتے تھے جو قرض چھوڑ کر مرا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے باز رہتے تھے

اور کسی سے پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ (۱) اندازہ لگاؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے، پھر بھی آپ اس حرکت کو مرنے والے کے لیے بھی گوارا نہیں فرماتے تھے کہ وہ قرض چھوڑ کر اس دنیا سے رُخصت ہو، لہٰذا یاد رکھنا چاہیے کہ قرض کی ادائیگی کا مقرّر وقت آجائے پھر بھی قرض ادا نہ کرنا اور اس میں ٹال مٹول کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے:

بہت سے لوگوں کی طرف سے ایک پریشانی یہ سننے کو ملتی ہے کہ فلاں نے ہمارا قرض دبا لیا ہے، ادا نہیں کر رہا ہے، ہمارے بھائیوں کی ایک بڑی تعداد اس پریشانی سے دوچار ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات جھگڑے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

اِس پیسوں کی ہوس کے دور میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غریب اور فقیر آدمی کے لیے لوگوں سے پیسے مانگنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ اگر کسی نے کسی پر رحم کھا کر قرض دیا تھا تو وصول کرنا مشکل ہے، قرض کو واپس لیتے لیتے ناک میں دَم آجاتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ استطاعت والے (Capable) ہیں، ادا کر سکتے ہیں، لیکن (آج کی زبان میں کہو کہ) وہ لٹکی دیتے ہیں، ''ٹوپی'' پہناتے ہیں، اِس کا قرض اُس کے سر، پھر وہاں سے اُدھر، اس طرح چکّر گھماتے رہتے ہیں، نیّت یہی ہوتی ہے کہ بس کسی بھی طرح پیسہ ہڑپ لینا ہے۔

ہاں، بعض قرض لینے والے ایسے بھی ہیں کہ مجبوری کی وجہ سے نہیں دے پا رہے ہیں، تو اُن ناداروں کے لیے احادیث میں وظیفے بیان کیے گئے ہیں جو آگے ان شاء اللہ ذکر کیے جائیں گے۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الحوالات، الرقم : ۲۲۸۹.

لیکن جو لوگ استطاعت کے باوجود نہیں دیتے ان کی مذمّت احادیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے اور ان کے اس ٹال مٹول کو ظلم قرار دیا گیا ہے، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ".(۱)

قرض لینے والا آج کے دور میں اتنا فکر مند نظر نہیں آتا جتنا دینے والا نظر آتا ہے، بے چاروں کی بنیادی ضرورتیں رُکی ہوئی ہیں، بیوی بچّوں کے بنیادی مسائل اٹکے ہوئے ہیں، کتنے لوگ ذاتی گھر خریدنے سے اس لیے رُکے ہوئے ہیں کہ فلاں جگہ (Payment) باقی ہے، فلاں نے قرض دبالیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ایک بالشت بھر بھی ناجائز طور پر کسی کی زمین دبائی ہے تو کل قیامت کے دِن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا، ذرا سے پیسوں اور کاغذ کے پرزوں کے لیے ہم اپنی قبر، اپنی آخرت اور اپنی عاقبت کیوں برباد کر رہے ہیں، دوسروں کا مال کیوں ہڑپ رہے ہیں۔

اس بات کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ جس کسی بھی شخص سے جو عہد و پیمان اور جو (Commitment) ہوا ہے اسی وقت اس کی رقم ادا کر دیں۔

قرض ادا نہ کرنے والے پر وبال:

حدیث پاک میں مروی ہے کہ ایسا شخص جو قرض لیتے وقت ہی اُس کی ادائیگی کی نیت نہ رکھتا ہو تو اُس کے لیے قرض کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے، اور جو بندہ قرض لیتے وقت اُس کی ادائیگی کی نیت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس قرض کی ادائیگی میں آسانی کے اسباب مہیّا کر دیے جاتے ہیں اور وہ بندہ بآسانی اپنا قرض ادا کر دیتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب في الاستقراض / باب مطل الغني ظلم، الرقم : ۲٤۰۰.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ."(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص لوگوں سے (قرض اور اُدھار کا) مال ادائیگی کی نیت سے لے اور اس کے لیے کوشش بھی کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادیں گے۔ (قرض کی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائیں گے، اور اگر وہ دنیا میں ادائیگی کی کوشش کے باوجود ادا نہ کرسکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرما دیں گے اور صاحبِ حق کو راضی کر لیں گے) اور جو شخص کسی سے (بلاضرورت) مال قرض کے طور پر لے اور پہلے ہی سے اس کا ارادہ برا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ کر دیں گے۔'' (نہ اس کی مدد فرمائیں گے، نہ اس کے رزق میں وسعت پیدا فرمائیں گے، بلکہ اس کے مال ہی کو ہلاک کر دیں گے، اور آخرت میں بھی اس کے لیے وَبال ہوگا)۔

قرض کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی نصرت:

جو شخص انتہائی مجبوری کے حالات میں قرض لیتا ہے اور قرض لیتے وقت اُس کی ادائیگی کی نیت بھی ہو، پھر حسب استطاعت اس کی کوشش بھی کرتا ہے، تو حق تعالیٰ قرض کی ادائیگی میں اس کی بھرپور مدد فرماتے ہیں، اس کے لیے رزق میں وسعت کے ساتھ اسبابِ سہولت پیدا فرمادیتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں بخاری شریف میں ایک واقعہ منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو انتہائی مجبوری میں قرض کی ضرورت پیش آئی، تو اس نے اپنے ایک دوست سے

(۱) صحيح البخاري / كتاب في الاستقراض / باب من أخذ أموال الناس...الخ، الرقم: ۲۳۸۷.

اس کا مطالبہ کیا کہ مجھے ایک ہزار درہم قرض چاہیے، میں فلاں وقت تک اپنی ذمّے داری سے ادا کردوں گا، اس پر اس نے کوئی کفیل اور گواہ طلب کیا تو اس نے کہا کہ اس وقت تو کوئی کفیل اور گواہ موجود نہیں، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں، جب قرض لینے والے نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے کی بات کہی تو اس پر قرض دینے والا مطمئن ہوگیا اور اس نے ایک ہزار درہم قرض دے دیا، قرض لینے والے نے ان سے اپنی ضرورت پوری کرلی۔

اس کے بعد جب قرض کی ادائیگی کا وقت آیا تو اس کی سچّی نیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کا غیبی انتظام فرمایا، بات یہ پیش آئی کہ جس وقت یہ اپنے دوست کا قرض ادا کرنے کی نیت سے چلا تو راستے میں سمندر پڑتا تھا، اتفاق سے ان دِنوں کوئی کشتی وغیرہ نہ پانے کی وجہ سے وہ سمندر پار نہ کرسکا، جس کی وجہ سے یہ شخص بڑا فکرمند ہوا، بالآخر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات ڈالی، اس نے قریب میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کا صندوق بنا کر اس میں ایک ہزار درہم رکھ دیے اور ساتھ ہی ایک رُقعے میں یہ لکھ دیا کہ ''عزیزم! میں حسبِ وعدہ تمھارا قرض ادا کرنے کے لیے گھر سے چلا تو کوئی کشتی وغیرہ نہ پا سکا اور کسی طرح آپ تک پہنچنا ممکن نہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر میں نے تم سے قرض لیا تھا اُسی کے بھروسے پر یہ ہزار درہم تم تک پہنچاتا ہوں۔'' پھر اس نیت کے ساتھ اس نے یہ صندوق سمندر میں ڈال دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے یہ ہزار درہم پہنچادیے تو فبہا، ورنہ میں بعد میں ادا کردوں گا۔

دوسری طرف قرض دہندہ اپنے مقروض کا وقت مقرّر پر انتظار کرنے لگا، اسی سلسلے میں جب وہ سمندر کے کنارے گیا تو وہاں کشتی کے بجائے لکڑی کے صندوق کو دیکھا، اس نے اپنی ضرورت میں کام لانے کے خیال سے سمندر سے وہ صندوق اٹھالیا، گھر لاکر جب اُسے کھولا تو ہزار درہم اور ایک رُقعہ پایا، تب اُسے یقین ہوگیا کہ میرے مقروض نے اللہ

تعالیٰ کو گواہ بنا کر قرض لیا تھا، پھر حتی المقدور اس کی ادائیگی کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی غیبی مدد فرمادی۔[۱]

قرض کے سلسلے میں قرآنی ہدایات:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ط﴾ (البقرة : ۲۸۲)

قرض کے معاملے میں سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہمیں تین ہدایتیں ملتی ہیں: ایک ہدایت یہ ہے کہ جب بھی قرض کا معاملہ ہو تو اُسے لکھ لیا جائے، اپنی یادداشت (Memory) پر بھروسہ نہ کیا جائے کہ مجھے یاد رہے گا یا اُس کو یاد رہے گا، بلکہ لکھ لینا چاہیے، تاکہ وہ بطورِ ثبوت (Proof) رہ سکے کہ اِتنی مقدار قرض تھا، فلاں تاریخ کو، فلاں جگہ، فلاں کے سامنے یہ قرض کا معاملہ ہوا تھا۔ اس دور میں تو لکھنا بھی بہت آسان ہو گیا ہے، فون میں لکھ کر یاد دہانی (Reminder) رکھ لی جائے، یا کسی کاپی اور ڈائیری میں لکھ کر اسے محفوظ کر لیا جائے۔

دوسری ہدایت ہے: ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ یہ بھی طے کر لیا جائے کہ قرض کی ادائیگی کا وقت کیا ہوگا؟ کب قرض واپس (Return) کرنا ہے؟ یہ صراحت کر دی جائے کہ قرض کتنی مدّت کے لیے ہے؟ ایک مہینہ، چھ مہینے یا ایک سال کے لیے، اس میں قرض خواہ اور قرض دار دونوں ہی کے لیے آسانی ہے، قرض خواہ کے لیے اس میں یہ آسانی ہے کہ وقت مقرّر پر اُسے مطالبہ کا اِصرار نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ یاد دہانی بھی کافی ہو جائے گی، اور قرض دار کے لیے آسانی اس وجہ سے ہے کہ ادائیگی کی مدّت جیسے جیسے قریب ہوگی وہ اپنے انداز

(۱) صحیح البخاري / كتاب الكفالة / باب الكفالة في القرض...الخ، الرقم : ۲۲۹۱.

سے قرض کی رقم کا انتظام کر سکے گا۔ پھر اگر قرض دار تنگی اور پریشانی میں ہو، اور قرض خواہ اپنی صواب دید سے ادائیگی کی مدّت بڑھا دے یا قرض معاف کر دے تو وہ اس کا حسن سلوک ہے، جس کی فضیلت آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۸۰﴾ (البقرة : ۲۸۰)

''اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہیے، اور تمھارا (قرض کو) معاف کر دینا تمھارے لیے بہتر ہے اگر تمھیں معلوم ہو۔'' (کہ غریب کی دلجوئی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)

تیسری ہدایت: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ قرض کا معاملہ ہو تو اس وقت دو گواہ بھی بنا لیے جائیں، تاکہ آئندہ جھگڑا و تنازع کا امکان نہ رہے۔ یہ تین بنیادی ہدایتیں اس آیت کریمہ میں قرض سے متعلّق بیان کی گئی ہیں۔

سب سے اہم بات قرض دار کے لیے قرض کی ادائیگی کی فکر و کوشش ہے، اگر وقت مقرّر پر ادائیگی کی نیت اور کوشش ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ضرور شامل حال ہوگی، اور اگر فکر و کوشش ہی نہ ہو تو یہ ایسا ہے جیسے ایک صاحب اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے پاس گئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت! اولاد کے لیے دُعا فرما دیجیے! اُنھوں نے پوچھا کہ شادی کو کتنا عرصہ ہوا؟ یہ صاحب گویاں ہوئے کہ ابھی تو رِشتے کی بات چل رہی ہے! ظاہر سی بات ہے کہ جب شادی ہی نہیں ہوئی تو اولاد کہاں سے ہوگی؟ اسی طرح اگر کوئی مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے وظیفے پڑھتا رہے اور دُعائیں کرواتا رہے لیکن قرض کی ادائیگی کی کوشش بالکل نہ کرے تو یہ محض حماقت ہے۔

آمدنی کے لیے جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے، مثلاً کاروبار و بزنیس ہو، مزدوری ہو، کھیتی ہو، اس میں جہاں بندہ یہ نیت کرے کہ محنت کی اس حلال آمدنی سے میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کروں گا، اُن کی کفالت کروں گا، غریبوں کی مدد کروں گا، وہاں اگر مقروض ہوتو یہ بھی نیت رکھے کہ اوّلاً اس آمدنی سے میں اپنے قرض کو ادا کر کے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ ان شاء اللہ اس سے قرض کی ادائیگی میں من جانب اللہ آسانی پیدا کر دی جائے گی۔

قرض دینے کی فضیلت:

اسلام نے ایک طرف جہاں مقروض کو ان احکام کا پابند کیا وہاں آسودہ حال لوگوں کو بھی اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ ضرورت مندوں اور غریبوں کی معاشی ضرورت و حاجت کا خود ہی خیال رکھیں، پھر یہ لوگ اپنی واقعی ضرورت وحاجت کا اظہار کریں تو افضل یہی ہے کہ صدقے کے ذریعے ان کی مدد کریں، اگر کسی وجہ سے یہ آسان نہ ہوتو قرضِ حسنہ کے طور پر کچھ مال دے دیں، قرضِ حسنہ وہ قرض ہے جس میں تین باتیں نہ ہوں: (۱) سود نہ ہو۔ (۲) مدّت متعین نہ ہو۔ (۳) اظہارِ احسان نہ ہو۔

قرآنِ پاک میں حق تعالیٰ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ﴾ (البقرة: ٢٤٥)

”کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لیے اُسے کئی گنا بڑھا دے گا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱/ ۱۵۴)

اس کی ایک آسان صورت یہ بھی ہے کہ قرض کی مدّت متعین کر کے اطمینان حاصل

کرنے کے بعد سود کے بغیر قرض دیں، یہ بھی تعاون ہی کی ایک شکل ہے۔ حدیثِ پاک کے مطابق اس پر بھی صدقے کا بلکہ بعض اوقات صدقے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔(۱)

مقروض کو مہلت دینے یا معاف کرنے کی فضیلت:

قرض دینے کے بعد مقروض اسے ادا نہ کر سکے تو اسے مہلت دینے یا اگر وہ زیادہ محتاج ہو جائے تو کچھ قرض یا اللہ اگر وسعت دیں تو سارا قرض معاف کرنے کی بھی بڑی زبردست فضیلت قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴿۲۸۰﴾﴾ (البقرة : ۲۸۰)

’’اور اگر مقروض تنگدست ہو تو اُسے خوش حالی تک مہلت دینی چاہیے، اور اگر بالکل معاف (صدقہ) ہی کر دو، تو یہ تمھارے لیے بہت زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔‘‘

اس کی بہتری کا اندازہ قیامت میں ہوگا، حدیثِ پاک میں وارد ہے:

عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ عَنْهُ، أَظَلَّهُ اللهُ فِيْ ظِلِّه."(۲)

’’جس شخص نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی، یا (اپنے قرض کا کچھ حصہ یا مکمل ہی) معاف کر دیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دِن اپنے عرش کے سایے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔‘‘

قرض کی ادائیگی میں آسانی کے لیے وظائف:

قرض کے متعلق اہم اور بنیادی ہدایات معلوم کر لینے کے بعد اب ہم بات

(۱) ابن ماجه / كتاب الصدقات / باب القرض، الرقم : ۲٤۳۱.
(۲) صحيح المسلم / كتاب الزهد والرقائق / باب حديث جابر، الرقم : ۳۰۰۶

کریں گے ایسے دو اہم وظیفوں کی جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرض کی ادائیگی آسان ہوجائے گی، دونوں ہی وظیفے احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔

پہلا وظیفہ ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام آئے جو مکاتب تھے، یعنی اُن کے آقا نے اُن کے ساتھ کتابت کا معاملہ طے کیا تھا کہ اگر تم اتنی رقم ادا کردو گے تو تم آزاد ہو، اس رقم کو بدلِ کتابت کہا جاتا ہے، اب وہ غلام اتنی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ اپنا بدلِ کتابت خود ادا کرسکیں، وہ اس کی ادائیگی پر قادر (Capable) نہیں تھے، اُنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر عرض کیا کہ حضرت! میری کچھ رہنمائی فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اپنا بدلِ کتابت ادا کردوں اور آزاد ہوجاؤں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمھیں چند ایسے کلمات سکھاؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سکھائے ہیں، اُن کلمات سے اگر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی ادائیگی میں آسانی پیدا کردی جائے گی، آپ اِن کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیے:

"اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ."[۱]

''اے اللہ! آپ اپنی جانب سے رزقِ حلال کے ذریعے میری ایسی کفالت فرما دیجیے کہ میں حرام سے دور ہی رہوں اور آپ اپنے فضل سے مجھے ایسا غنی فرما دیجیے کہ مجھے آپ کے سوا کسی کی ضرورت نہ رہے۔''

یہ دُعا اس قدر جامع ہے کہ مقروض بندے کے علاوہ تمام لوگوں کو عام حالات میں بھی بہ کثرت پڑھنی چاہیے، اس سے بڑا فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے جب رو رو کر یہ دُعا مانگی جائے گی تو اللہ تعالیٰ پر بندے کا یقین بھی بڑھے گا، اور جب یقین پختہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ

(۱) سنن الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله صلّى الله عليه وسلم، الرقم : ٣٥٦٣.

کی جانب سے عنایات ہوں گی۔

صبح و شام جب بھی موقع ملے اس دُعا کا وِرد بہ کثرت کرنا ہے، اس کے لیے کوئی عدد بھی متعین نہیں ہے، جتنی بار ہو سکے پڑھتے رہنا ہے، ہر نماز کے بعد، یا دِن بھر میں جب بھی وقت ملے، یا رات کو سونے سے پہلے اسے بہ کثرت پڑھنا ہے، اور جب مقروض ہوں تو اس دُعا کے پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا ہے۔

قرض خواہ کے لیے ایک ہدایت:

قرض سے متعلّق ایک بات ہمیں اور بھی سمجھنی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بہت سے بھائی اس وجہ سے بھی پریشان رہتے ہیں کہ اُنھوں نے جس کو قرض دیا ہے وہ مقروض اُن کا قرض ادا نہیں کر رہا، ہمارے بھائیوں کی ایک بڑی تعداد اس پریشانی سے دو چار ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات جھگڑے کی بھی نوبت آجاتی ہے، لیکن کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ یہ دُعا جیسے قرض دار (مقروض) کے لیے مفید ہے وہیں قرض خواہ (قرض وصول کرنے والے) کے لیے بھی اسی قدر مفید ہے؟ ایسے مواقع میں جھگڑے اور تنازع سے بہتر یہ طریقہ ہے کہ خود قرض خواہ اپنے مقروض سے کہے کہ بھائی! ہم جانتے ہیں کہ آپ قرض ادا کرنا چاہتے ہیں، لیکن فی الحال آپ کے پاس اتنے اسباب نہیں ہیں، تو بہتر ہوگا کہ آپ اس دُعا کا اہتمام بھی کرو، پھر اُسے یہ وظیفہ بتایا جائے اور سمجھایا جائے کہ ان شاء اللہ اِس دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُس کی کفالت فرمائیں گے، اُسے اسباب فراہم فرمائیں گے، جس سے وہ قرض بھی ادا کر دے گا۔

بہت سے لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ مولانا صاحب! کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجیے کہ ہمارا مقروض فوراً قرض ادا کر دے، تو اس کے لیے یہی وظیفہ ہے کہ اپنے مقروض کو اس وظیفے کے اہتمام کی تاکید کریں اور سمجھائیں، یہ ایک آسان اور بہتر شکل ہے۔

دوسرا وظیفہ ابوداود شریف کی روایت سے ثابت ہے، جس کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ "أَبُو أُمَامَةَ،" فَقَالَ: "يَا أَبَا أُمَامَةَ! مَا لِي أَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ قَالَ: "هُمُومٌ لَزِمَتْنِي وَدُيُونٌ يَا رَسُولَ اللهِ!" قَالَ: "أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا أَنْتَ قُلْتَه أَذْهَبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَمَّكَ وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ!" قَالَ: "قُلْتُ: "بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ!" قَالَ: "قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ،" قَالَ: "فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ، فَأَذْهَبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَمِّي وَقَضَى عَنِّي دَيْنِي."(۱)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں ایک انصاری صحابی حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابواُمامہ! کیا بات ہے کہ ابھی تو نماز کا وقت نہیں ہے، پھر بھی آپ مسجد میں بیٹھے ہو؟ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا کروں؟ مجھ پر بہت سے غم سوار ہیں، نیز قرض بھی بہت سا ہے۔

دیکھیے! اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول کہ جب پریشانی لاحق ہوئی تو مسجد میں حاضر ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے لیے اُس کے گھر میں آ گئے، اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلوٰة / باب في الاستعاذة، الرقم: ۱۵۵۵.

غموں کو دور اور پریشانیوں کو دفع کرنے والے ہیں، حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کو پریشانی کی حالت میں مسجد میں جا کر سکون محسوس ہو رہا ہے، جب کہ ہم پریشانی کے مواقع میں کیا کرتے ہیں؟ مخلوق کے سامنے دست درازی کرتے ہیں، اُن کی دُکانوں اور کوٹھیوں کے چکّر کاٹتے ہیں اور اُنھیں دُکھڑے سناتے ہیں جو خود بے بس ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں آپ کو ایسے دُعائیہ کلمات نہ سکھادوں جن کو پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آپ کا غم دور فرمادیں گے اور آپ کا قرض بھی ادا ہو جائے گا؟ اُنھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صبح وشام یہ دُعا پڑھتے رہیے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ."

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں فکر (Tension) اور غم سے، اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں عاجز ہو جانے، سستی کرنے سے، بزدلی اور بخل سے، نیز میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں قرض کے مجھ پر حاوی ہو جانے سے اور لوگوں کے دباؤ (Force) سے۔''

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس دُعا کو پڑھنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے سارے غموں کو دور فرمادیا اور میرا قرض بھی ادا فرمادیا۔

خلاصہ:

یہ دونوں دُعائیں حدیث پاک میں بتائی گئی ہیں، جن میں الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے کہ ان کے پڑھنے سے قرض کی ادائیگی میں آسانی ہو جائے گی، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اوّلاً تو جب تک شدید ضرورت نہ ہو قرض لینے سے دور ہی رہیں، اور جب

شدید ضرورت کی وجہ سے قرض لینا پڑے تو سب سے پہلے اُس کی ادائیگی کی مکمل فکر اور کوشش کریں، علاوہ ازیں اِن وظائف کا بھی اہتمام کریں، ان شاء اللہ ضرور اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرض کی ادائیگی کی راہیں ہموار کردی جائیں گی۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم میں سے جو بھی مقروض ہیں اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اُن کے قرضوں کی ادائیگی کی شکلیں پیدا فرمائیں، کاروبار اور مختلف پیشوں میں جو لوگ مالی اعتبار سے پریشان ہیں، سخت حالات کے شکار ہیں، اللہ تعالیٰ سب کے حالات دُرست فرمادیں اور اپنی قدرت سے اپنے خزانے سے ہم سب کا رزق وسیع فرمادیں، ہمیشہ اپنی ذاتِ عالی ہی سے مانگنے کی توفیق عنایت فرمائیں، اور یہ ہاتھ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اُٹھتے ہیں ان ہاتھوں کو کسی اور کے سامنے اُٹھانے سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور ایسی وسعت عطا فرمائیں کہ ہمارا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہنے والا دینے والا بنا رہے۔ آمین یا رب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

بلاضرورت سوالات اور جاسوسی

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾
(المائدة : ١٠١)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ (الحجرات : ١٢)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، وَلٰكِنْ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ."(١)

تمہید:

میرے دینی بھائیو، بہنو اور بزرگو! ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیاں اور خرابیاں عام ہیں، اُن میں سے کچھ تو ہم سے اس طرح بلا ارادہ سرزد ہوجاتی ہیں کہ ہمیں اُن کا احساس تک نہیں ہوتا، ایسی ہی دو بیماریوں اور خرابیوں کے متعلّق آج ہم اس مبارک مجلس میں بات کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان بیماریوں اور بُرائیوں سے ہمیں اور ہمارے پورے معاشرے کو نجات عطا فرمائیں۔

---

(١) مسند أحمد / مسند أبي هريرة رضي اللّٰهُ عنه. الرقم : ١٠٢٥٥.

قرآنِ پاک کی سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے لیے بہت سے آداب واَخلاق (Manners) بیان فرمائے ہیں، جن میں سے کچھ آداب انسان کے ظاہر سے متعلّق ہیں اور کچھ کا تعلق انسان کے باطن یعنی دِل سے ہے، یہ آداب واخلاق کسی بھی معاشرے کے لیے اپنے فوائد کے اعتبار سے اِتنے قیمتی اور ضروری ہیں کہ اگر معاشرے کے تمام افراد اُن پر عمل شروع کر دیں تو آپسی رنجش اور کدورت بڑی حد تک پیدا ہی نہیں ہوگی، لہٰذا ان اُصول کو پڑھنا، سمجھنا اور اُن کو اپنی عملی زندگی (Practically Life) میں اُتارنا ہم تمام کے لیے بہت ضروری ہے۔ آج کی اس مجلس میں ہمیں دو اَدب سمجھنے ہیں۔

غیر ضروری سوالات اور جاسوسی خبث باطن کی علامت:

اُن آداب (Manners) میں سے ایک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات کی آیت: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ میں فرمایا ہے، جس میں کہا گیا کہ تم جاسوسی نہ کرو۔ اور دوسرے ادب کا تذکرہ سورۂ مائدہ کی اس آیت میں کیا گیا جو خطبے میں ذکر ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ایسی غیر ضروری چیزوں کے متعلّق سوال نہ کیا کرو جو تمھارے سامنے کھول دی جائیں تو تمھیں بری لگیں، بلاضرورت کسی بھی زائد سوال سے باز رہو، خواہ اس سوال کا تعلق دین سے ہو یا دُنیا سے، جس کو ہم اپنے معاشرے میں "પંચાત" کہتے ہیں۔

اسی طرح کسی کی جاسوسی کرنا اور ٹوہ میں لگنا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ کیوں جا رہا ہے؟ جب کہ اِن امور سے خود کا کوئی تعلق نہ ہو جاسوسی کہا جاتا ہے، اور عموماً یہ گناہ اس وقت زیادہ صادر ہوتا ہے جب کسی سے حسد، بغض وعداوت اور دُشمنی ہو، تب انسان بلاوجہ تاک جھانک شروع کر دیتا ہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے؟ کہاں اور کیوں جا رہا ہے؟ وغیرہ، یہ ایک باطنی بیماری ہے، جس کا بروقت علاج نہ ہو تو انسان اس کا عادی بن جاتا

ہے۔ جب کسی انسان کے باطن میں فساد وخبث پیدا ہونے لگتا ہے تو ان دونوں بُری عادتوں میں وہ مبتلا ہوجاتا ہے۔

بے ضرورت سوال کی ممانعت:

خطبے میں جو آیت کریمہ تلاوت ہوئی اُس میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو غیر ضروری اور بیجا سوالات سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدة:١٠١)

''اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کے متعلّق سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمھارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمھیں مشقت میں ڈال دیں۔'' (اور تمھیں بری لگیں)۔

پھر آگے قومِ بنی اسرائیل کی عادتِ بد کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ﴾ (المائدة:١٠٢)

''بے شک تم سے پہلے ایک قوم نے ایسی (ہی) باتیں پوچھی تھیں (جب وہ بیان کر دی گئیں) تو وہ اُن کے منکر ہوگئے۔''

اس آیت کریمہ کے تحت علّامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ایک تو قوم ثمود مراد ہے، اس لیے کہ اُنھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزے کے طور پر اونٹنی کا سوال کیا تھا، حالانکہ یہ معجزہ اُنھوں نے ایمان لانے کی نیت سے اور اطمینانِ قلب کی خاطر نہیں کیا تھا، بلکہ صرف امتحان اور استہزا کے طور پر کیا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ اونٹنی پہاڑ سے نکالی گئی تو اِسی قوم کے لیے وَبال بن گئی اور انجام کار اُن لوگوں نے اُسے قتل کردیا اور خود مستحق عذاب ٹھہرے۔

نیز اس میں قوم بنی اسرائل بھی مراد ہے، اُن میں یہ بُری عادت تھی کہ وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایسے بے جا اور غیر ضروری سوالات کیا کرتی تھی جن پر عمل کرنے کی اُن کی نیت نہیں ہوتی تھی، صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کرنے کی غرض سے یا کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن پر عائد کیا جاتا تو اُس پر عمل نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہوئے یہ لوگ زائد از ضرورت سوالات کیا کرتے تھے۔(۱)

یہود بے بہبود کی کج بحثی اور بیجا سوالات:

مثلاً ایک مرتبہ قومِ بنی اسرائیل میں ایک قتل (Murder) کا واقعہ پیش آیا، ایک شخص نے اپنے قریبی رِشتے دار کو وراثت کے لالچ میں قتل کر دیا اور عام گزرگاہ پر ڈال دیا، پھر خود ہی یہ قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر شکایت کرنے لگا کہ میرے فلاں رِشتے دار کو کسی نے قتل کر دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کی تفتیش میں خوب محنت کی، لیکن قاتل معلوم نہ ہوسکا، اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے پوچھ لیجیے کہ کس نے قتل کیا؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ تم ایک گائے ذبح کرو، اس پر اس قوم کو بڑا تعجب ہوا کہ قاتل کا نام معلوم کرنے کے لیے گائے ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو مذاق ہے، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اس بات سے اللہ کی پناہ مانگی، جس کو قرآنِ کریم میں بیان فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةًؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًاؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۝۶۷﴾

(۱) التفسير الكبير: ۱۲ / ۱۰۸.

''اور (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، (تو) وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہو؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (اس سے) کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔''

چوں کہ اِس قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم مان کر عمل نہیں کرنا تھا اس لیے ٹالنے کے لیے خواہ مخواہ سوال کیا کہ اے موسیٰ! آپ ذرا اپنے رب سے پوچھ لیجیے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُنھیں حکم ہوا کہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ تو بہت بوڑھی ہو اور نہ ہی بہت کم عمر، دونوں کے درمیان ہو ایسی گائے ذبح کرلو۔

اُن لوگوں کو عمل تو کرنا ہی نہیں تھا، لہٰذا پھر آگے سوالات کا سلسلہ بڑھا دیا کہ اے موسیٰ! ذرا آپ اپنے رب سے یہ تو پوچھ لو کہ اُس گائے کا رَنگ کیسا ہونا چاہیے؟ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ گائے گہرے زرد رنگ کی ہونی چاہیے، جاذب نظر ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کردے۔

اب سوال در سوال سے اُن کے لیے عمل کرنا مزید دُشوار ہو گیا، لہٰذا اب کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ذرا اپنے رب سے پوچھ لیجیے کہ وہ گائے کونسی ہے؟ ہم نے بہت تلاش کیا، لیکن مل نہیں رہی، اس سوال پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے گائے کے اوصاف اور بھی بڑھا دیے گئے کہ یہ گائے ایسی عمدہ ہونی چاہیے جس سے کھیتی کا کام نہ لیا جا رہا ہو اور نہ ہی کھیت میں پانی کی سینچائی کا کام کرتی ہو، پھر یہ گائے تندرست صحیح سالم ہونی چاہیے، جس میں کوئی دھبّہ اور داغ وغیرہ بھی نہ ہو۔

ظاہر سی بات ہے کہ اِتنی ساری صفات کسی گائے میں جمع ہونا تو نادِر تھا، اس لیے بڑی مشکل سے وہ اِن تمام صفات والی گائے کو تلاش کر پائے، تو بیچنے والے نے بھی کسر نہ

چھوڑی، اُس نے بھی اپنی اِس گائے کی بہت زیادہ قیمت اُن سے وصول کی، تب وہ گائے کو ذبح کر پائے، پھر اُس مقتول کے اعضا کو مذبوحہ گائے کے ساتھ چھونے سے مقتول زندہ ہو گیا اور اُس نے اپنے قاتل رِشتے دار کا نام بتادیا، پھر قاتل سے قصاص لیا گیا۔ (۱)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر پہلے ہی حکم پر بغیر کچھ سوال کیے وہ کسی بھی گائے کو ذبح کر لیتے تو مسئلہ حل ہو جاتا، لیکن اِس قوم نے غیر ضروری زائد سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی اُن کے عناد کی سزا کے طور پر گائے کے اوصاف بڑھا کر معاملہ سخت کر دیا گیا۔

یہود کا جاہلانہ طرزِ گفتگو:

اِس قوم کی جاہلانہ ضد بھی اپنی مثال آپ تھی، یہ لوگ جب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے رب کے حضور دُعا کرواتے، کبھی مدد مانگتے تو اُن کا انداز نہایت جاہلانہ ہوتا، وہ کہتے کہ اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے دُعا کر دیجیے! حالانکہ اللہ تعالیٰ تو سب کا رب ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اسی طرح اُن کا بھی ہے، تو یہ جاہل وضدی قوم "رَبَّنَا" کہنے کے بجائے "رَبَّكَ" کہا کرتی، گویا اُن کو کوئی ضرورت ہی نہ ہو، قرآنِ پاک میں متعدد مرتبہ اُن کا سوال اسی طرح منقول ہے کہ اپنی ضرورت کے موقع پر بھی سیدھا عاجزانہ اور متواضعانہ سوال کرنے کے بجائے وہ یہی کہتے کہ موسیٰ! اپنے رب سے دُعا کر دو، یہ نہ کہتے کہ ہمارے رب سے دُعا کرو۔

یہود کا ایک اور گستاخانہ سوال:

اُن کے بیہودہ سوال کا یہی ایک موقع نہیں تھا، علّامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں

(۱) التفسير الكبير / سورة البقرة / الآية : ٦٧.

کہ اسی طرح اِس قوم نے ایک مرتبہ بالکل بے جا اور بے تکا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں، آپ دِکھا دیجیے!

﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ﴾ (النساء : ۱۵۳)

”(اے حبیب!) آپ سے اہلِ کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ اُن پر آسمان سے (ایک ہی دفعہ پوری لکھی ہوئی) کوئی کتاب اُتار لائیں، تو (آپ تسلّی رکھیں کہ) وہ موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں، انھوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ (کی ذات) کھلم کھلا دِکھا دو، پس اُن کے (اس) ظلم (یعنی گستاخانہ سوال) کی وجہ سے انھیں آسمانی بجلی نے آ پکڑا۔“

چوں کہ اُن کا سوال گستاخانہ تھا، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے دیکھنا نہیں چاہتے تھے، اسی لیے اس سوال کے جواب میں اُن پر عذاب کی شکل میں صاعقہ گرایا گیا۔

اُمم سابقہ کی ہلاکت کا ایک سبب:

خطبے میں جو حدیث پاک ذکر ہوئی اُس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی قوموں کی عام ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب اُن کا اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے بہ کثرت بے تکے سوال کرنا اور خواہ مخواہ اختلاف کرنا تھا۔ یعنی اُن قوموں کا اپنے نبی سے سوال کرنا عمل کی نیت سے نہ تھا، بلکہ بلاضرورت صرف امتحان، ضد اور ہٹ دَھرمی کے طور پر ہوا کرتا تھا۔

چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا فرضِ منصبی اُمت کی رہنمائی کرنا تھا اور

وہ احکام جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوں اُنھیں اُمت تک پہنچانا تھا، اب ظاہری بات ہے کہ جب پوچھا نہ جائے تو کوئی حکم کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟ اُس کے جواب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آگے ایک عام طریقۂ کار بتادیا:

"وَلٰكِنْ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِه فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ."

یعنی تم میری بات کی اِطاعت اس طرح سے کیا کرو کہ جن چیزوں سے میں تمھیں منع کروں اُن سے باز رہو اور جن چیزوں کا میں تمھیں حکم دوں اُنھیں اپنی طاقت کے مطابق ادا کرتے رہو۔ اس میں اس بات کی طرف رہنمائی کی گئی کہ جو بھی حکم فرائض یا واجبات کے قبیل سے ہوگا، ضروری اور لازم ہوگا وہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ہی بتائیں گے، تمھیں اس کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

نیز بخاری شریف میں بھی ایک واقعے کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب اس طرح کے سوالات کیے گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے پسند نہیں فرمایا، مثلاً یہ کہ آپ سے سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا کہ بتائیے! میرے والد کون ہیں؟[۱] اسی طرح دینی فریضہ حج کے متعلّق سوال کیا گیا کہ حج کی عبادت اسی سال کے لیے ہے یا پھر ہمیشہ (Lifetime) ہر سال کے لیے فرض ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس موقع پر میں کہہ دیتا کہ ہر سال کے لیے حج فرض ہے تو ہمیشہ ہر سال فرض ہوجاتا اور تم میں اس کی طاقت نہ ہوتی۔[۲]

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب العلم / باب الغضب في الموعظة. الرقم : ۹۲.

(۲) صحيح المسلم / كتاب الحج / باب فرض الحج مرة في العمر. الرقم : ۱۳۳۷.

غیر ضروری سوالات کسے کہتے ہیں؟

بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسے سوالات بھی کر لیتے ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو، مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدین کا نام کیا تھا؟ اُن کے چچا، دادا یا پھوپھا کا نام کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے سوالات کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور دیکھیے! دین آسان ہے، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے، ان کا نام تک معلوم ہونا ضروری نہیں، قرآن مجید میں صرف ۲۵ انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں کی صراحت ہے، سب کے نام معلوم ہونا ضروری ہوتا تو کتنا مشکل ہو جاتا کہ جس اُمّت میں ایک تعداد ایسی ہے جس کو کلمۂ طیبہ یاد نہیں وہ انبیائے کرام کے نام کیسے یاد کرتی؟ الغرض یہ سوالات اُس شخص کے لیے (جسے دین کے فرائض و واجبات کے بنیادی علم سے اچھّی طرح واقفیت نہ ہو) زائد از ضرورت ہیں، اگر ایسے شخص سے پوچھ لیا جائے کہ بتاؤ نماز کے واجبات کیا ہیں؟ تو بہت ممکن ہے وہ نہ بتا پائے، تو اوّلاً اُس ضروری علم کو حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، فرائض و واجبات کو چھوڑ کر زائد سوالات کے پیچھے پڑیں گے۔

ہاں، یہی سوال ایسے طالب علم کے لیے جس نے دین کے فرائض و واجبات کا علم اچھی طرح حاصل کر لیا ہو، پھر وہ علم تفسیر میں تخصص وغیرہ کے شعبے میں تعلیم حاصل کر رہا ہو تو اُس کے لیے یہ سوال زائد شمار نہ ہوگا، لیکن جس شخص کو دین کا بنیادی اور ضروری علم نہ ہو، جس سے فرائض و واجبات ادا کیے جاسکیں، پھر وہ اُس بنیادی علم کو حاصل کرنے کے بجائے اِن سوالات میں لگ جائے تو یہ اس کے لیے زائد اور غیر ضروری ہیں۔ لہٰذا کسی بھی سوال سے پہلے یہ غور کر لینا چاہیے کہ یہ سوال میرے لیے کتنا ضروری ہے؟ ترجیحات کو مدّنظر رکھ کر سوال کیا جائے تو غیر ضروری اور زائد سوالات سے بچا جا سکتا ہے۔

سوالات کرنے سے پہلے مخاطب کالحاظ:

نیز سوالات کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے مخاطب کا لحاظ بہت ضروری ہے، ورنہ کئی بار بعض سوالات شرمندگی کا باعث بنتے ہیں، اگر کسی سے ہمارے بے تکلفانہ تعلقات نہ ہوں تو اُس سے ایسے سوالات نہیں کرنے چاہیے جو ہم اپنے بے تکلّف دوستوں سے کرتے ہیں، مثلاً کوئی شخص جو ہم سے پہلی بار مل رہا ہے اُسے ہم یہ پوچھنے لگ جائیں کہ آپ کی تنخواہ (Salary) کتنی ہے؟ تو یہ بداخلاقی (Bad Manners) شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم ایسے شخص سے یہ پوچھیں کہ آپ جس گھر میں رہتے ہیں اُس کے آپ مالک (Owner) ہیں یا گھر کرایے (Rent) کا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ جس مخاطب کے ساتھ بے تکلّف تعلق نہ ہو وہ اس سوال کے جواب میں جھجک (Hesitation) محسوس کرے گا، پھر بہت سے لوگ یہاں رُک نہیں جاتے، بلکہ آگے یہ پوچھتے ہیں کہ گھر کا کرایہ (Rent) کتنا ہے؟ پھر اگر زیادہ ہے تو پوچھیں گے کہ آپ اس خرچ کو کیسے اُٹھاتے ہیں؟ کیسے (Afford) کر لیتے ہیں؟ ایسے سوالات بالکل بے محل، بے تکے اور غیر ضروری ہیں۔ البتہ اگر اُس شخص کی ہم اس سلسلے میں کچھ مدد (Help) کرنا چاہتے ہیں تو ایسے سوالات کر سکتے ہیں، کیوں کہ اُس وقت ان سوالات کا تعلق ہمارے کام اور ارادے سے ہے۔

نیز کسی مخاطب سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ اُس کا نہایت مختصر جواب دے اور تمام تفصیلات از خود نہ بتائے تو اس سے بھی اشارۃً ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ وہ اپنی بات نجی (Private) رکھنا چاہتا ہے، اس موقع پر اس سے زائد سوال کر کے تنگ نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ وہ ہمارا بے تکلّف دوست ہی کیوں نہ ہو؟ مثلاً کسی دوست کو ہم دیکھیں کہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ہسپتال سے آرہا ہے، ہم نے وجہ پوچھی کہ بھائی! طبیعت ٹھیک ہے؟

ہسپتال کیوں گئے تھے؟ جس کا وہ مختصر جواب دے کہ اہلیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے ہسپتال (Check Up) کروانے گئے تھے، اِتنے جواب کے بعد اگر وہ خود ہی آگے کی تفصیل نہ بتائے تو ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ بعد کی تفصیلات وہ نجی (Private) رکھنا چاہتا ہے، ہوسکتا ہے اُس کی اہلیہ کو کوئی زنانہ مرض وغیرہ ہو، اس موقع پر یہ سوال نہیں کرنا چاہیے کہ ارے! پھر (Check Up) کرکے ڈاکٹر نے کیا تشخیص کی؟ یہ تو بتایئے! یہ سوال نہایت کم عقلی اور بداخلاقی (Bad Manners) شمار ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر تفصیلات بتانے جیسی ہوتیں تو وہ بے تکلّف دوست ہونے کی وجہ سے خود ہی بتا دیتا، ہمیں سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ایسے سوالات اگر بالارادہ کیے جائیں تو یہ تجسّس میں داخل ہیں، جو منافقانہ حرکت ہے۔

دوسری بیماری جاسوسی:

اسی کے قریب قریب ایک دوسری بیماری جو ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے وہ جاسوسی ہے، یعنی خفیہ طور پر کسی کے راز معلوم کرنا، یا دوستانہ تعلقات اس وجہ سے قائم کیے جائیں تاکہ مختلف سوالات کرکے کسی پر نظر رکھی جاسکے، اُس کی ٹوہ میں لگنا آسان ہوجائے، یہ سب نفاق کی علامتیں ہیں، اور یہ اِتنی بُری عادت ہے کہ قرآنِ کریم میں اُس کو منافقین کی عادت قرار دیا گیا:

﴿وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴿۴۷﴾﴾ (التوبة:٤٧)

''اور تم میں (اب بھی) ان کے (بعض) جاسوس موجود ہیں، اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین سے مؤمنین کو ہوشیار کرتے ہوئے فرمایا

کہ تمھارے درمیان وہ اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ وہ تمھارے ساتھ اپنائیت کا اظہار کر کے تمھاری جاسوسی کررہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کی تمام حرکتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جاسوسی منافقانہ حرکت ہے۔

جاسوسی اس قدر قبیح حرکت ہے کہ حدیث پاک میں اس سلسلے میں سخت وعید بھی وارد ہوئی ہے:

"مَنِ اسْتَمَعَ إِلىٰ حَدِيْثِ قَوْمٍ، وَهُمَ لَه كَارِهُوْنَ، أَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ، صُبَّ فِيْ أُذُنَيْهِ الأَنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ."(۱)

''جو شخص ایسے لوگوں کی باتیں سنے جو اُسے ناپسند کرتے ہوں، یا اُس سے دور رہنا چاہتے ہوں، تو قیامت کے دِن اُس کے کان میں سیسہ پگلا کرڈالا جائے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جاسوسی کے بدلے میں یہ سخت عذاب دیا جائے گا، جو لوگ اپنی بات کو نجی (Private) رکھنا چاہتے ہوں، اُن کی (Privacy) میں مخل بن کر اُن کی باتیں سننا نفاق ہونے کی وجہ سے اس پر سخت ترین عذاب کی وعید بیان کی گئی۔

تجسّس اور تحسّس میں فرق:

اس موقع پر ''تجسّس'' اور ''تفقد'' کے درمیان کا فرق جان لینا بھی بہت ضروری ہے، اس لیے کہ تمام سوالات ہمیشہ جاسوسی کے دائرے میں نہیں آتے، جاسوسی میں داخل سوالات وہی ہیں جو یا تو غیر ضروری اور زائد ہوں یا کسی بُری نیت سے کیے گئے ہوں، جب کہ اسی کے قریب قریب ایک لفظ ہے ''تحسّس'' یا ''تفقد'' یہ جاسوسی میں داخل نہیں ہیں، تحسّس یا تفقد کہا جاتا ہے خیر و بھلائی کی نیت سے کسی کے احوال دریافت کرنا، خیریت معلوم کرنا، اگر کوئی

(۱) صحيح البخاري / كتاب التعبير / باب من كذب في حلمه. الرقم : ۷۰۴۲.

غائب ہوتو اُس کے غائب ہونے کی وجہ معلوم کرنا، خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ جب کوئی تفتیش کی جائے تو اُسے جاسوسی نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ ایک اچھی عادت ہے۔

اور بعض مرتبہ تو یہ چیزیں ضروری بھی ہو جاتی ہیں، مثلاً جب کوئی شخص کسی بڑے عہدے پر ہو، حاکم ہو یا بادشاہ ہو تو اپنی رِعایا کی خیر خواہی کی خاطر اُن کے احوال دریافت کرے، تو یہ جاسوسی کے دائرے میں نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک خیر اور بھلائی کا کام کہا جائے گا، مثلاً قرآنِ پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلّق فرمایا گیا:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾﴾ (النمل:۲۰)

''اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ (واقعی) غائب ہو گیا ہے؟''

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا ہوئی تھیں، پرندے اور دیگر بہت سی مخلوقات آپ کے لیے بطورِ معجزہ تابعِ فرمان بنائی گئی تھیں، تو اس آیت کریمہ میں ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا، یہ جائزہ لینا درحقیقت احوال دریافت کرنے کے لیے تھا، جس میں تمام کے لیے خیر خواہی تھی، اس لیے یہ بُری عادت نہیں ہے۔

نیز قرآنِ پاک میں دوسرے ایک مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ (یوسف: ۸۷)

''اے میرے بیٹو! جاؤ (کہیں سے) یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کی خبر لے آؤ۔''

اس آیت کریمہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں سے یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ تم یوسف اور اُن کے بھائی کی خبر نکالو کہ وہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ یہ احوال دریافت کرنا حضرت یعقوب علیہ السلام کی والد ہونے کے ناتے ذمّے داری تھی اور اپنی اولاد کے حق میں خیر خواہی تھی۔

اسی طرح حدیث پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاداتِ مبارکہ میں سے یہ بات بیان ہوئی ہے:

"كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ."(۱)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جائزہ لیتے اور لوگوں سے اُن کے احوال بھی دریافت فرماتے۔''

دیگر روایات میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جائزہ لیتے اور اگر کوئی صحابی جو روزانہ مجلس میں حاضر ہوتے ہوں اور کبھی نہ آپائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی خیریت دریافت فرماتے، اگر وہ بیمار ہوں تو اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، یہ تمام چیزیں ایک ذمّے دار اور مقتدیٰ شخص کے لیے ضروری ہیں، تاکہ اُس کے ماتحت افراد اُس سے مربوط رہیں اور اُن کی ضرورتوں کو بہتر طریقے سے پورا کیا جاسکے، اُن کو پیش آنے والی پریشانیوں کا پتا چل سکے اور حل نکالا جاسکے۔ اس لیے یہ جاسوسی کے دائرے میں نہیں ہیں۔

پھر حاکم اور ذمّے دار زمینی حقائق اور سچّے احوال تک رسائی کے لیے اپنی پہچان چھپا کر احوال کی تفتیش کرے تو یہ بھی جاسوسی نہیں کہی جائے گی، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کا بھی معمول تھا کہ آپ کبھی رات کے وقت اپنی پہچان پوشیدہ

(۱) المعجم الكبير للطبراني / الباب الخامس / الجزء : ١٦. الرقم : ١٧٨٦٨.

رکھ کر مدینہ منوّرہ میں نکلتے ، تاکہ لوگوں کی ضروریات اور اُن کی پریشانیاں وغیرہ معلوم کرسکیں اور اپنی صواب دید کے مطابق اُن کو حل کرسکیں۔لہٰذا یہ جاسوسی میں شامل نہ ہوگا۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ کسی بھی ذمّے دار کے لیے اپنے ماتحتوں کے احوال سے واقفیت ضروری ہوتی ہے، تب ہی وہ اُن کے حق میں کوئی ضروری فیصلہ کر پائے گا اور اُن کی خیرخواہی کے لیے کوئی قدم اُٹھا پائے گا، مثلاً کوئی معلّم یا ٹیچر (Teacher) اپنے ماتحت طلبہ (Students) کی حاضری لیتا ہے اور غیر حاضر (Absent) طالب علم کے غائب ہونے کی وجہ درسگاہ (Class Room) کے بچّوں سے یا اُس کے والدین سے پوچھتا ہے، تو یہ اُس بچّے کی خیرخواہی ہے، اس لیے کہ معلّم یا ٹیچر کو غیر حاضر بچّوں کے چھوٹے ہوئے اسباق کا علم ہوگا تو وہ اُن کی تلافی کی کوئی راہ نکال سکے گا۔

اسی طرح والدین کا اپنی اولاد کی نگہبانی کرنا، اُن کے یومیہ اعمال وافعال (Activities) کے بارے میں معلوم کرنا یہ بھی جاسوسی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ اُن کی نگہبانی نہیں کریں گے تو بچّے اچھّی تربیت سے محروم رہیں گے۔ نیز دربان کا اپنے مفوضہ علاقے کی نگرانی کرنا یا سپروائزر کا اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرنا بھی جاسوسی نہیں ہے۔

خلاصہ:

غرض یہ کہ ہمیں اپنا معاشرہ بہتر بنانے کے لیے حتی الامکان زائد از ضرورت سوال کرنے سے احتراز کرنا چاہیے اور اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارے سوالات کرنے کی وجہ سے کسی کی کوئی نجی (Private) بات اور راز کا اِفشا نہ ہوجائے۔ اور جاسوسی سے مکمّل احتیاط کرنا چاہیے، یہ بہت ہی بڑی بداخلاقی (Bad Manner) اور قبیح عادت ہے۔ پھر جاسوسی اور تفقّد کے مابین فرق کو بھی خوب سمجھنا ہے، تاکہ ہم فرمانِ نبوی: "كُلُّكُمْ

رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِه"(۱) کے تقاضوں کو پورا کر کے اپنے معاشرے کو مکمّل اسلامی اخلاق اور تہذیب سے آراستہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حسن خلق کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی بداخلاقی سے ہماری مکمّل حفاظت فرمائیں، ہمارے معاشرے کو حقیقی معنیٰ میں ایک اسلامی معاشرہ بنائیں۔آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

(۱) صحيح البخاري / كتاب النكاح / باب : المرأة راعية في بيت زوجها. الرقم : ۵۲۰۰.

ٹریفک، ڈرائیونگ اور پارکنگ کے اُصول اسلامی نقطۂ نظر سے

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا﴾ (طٰهٰ:٥٣)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا﴿۵۸﴾﴾ (الأحزاب : ٥٨)

وَعَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟" قَالَ: "مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ."(۱)

تمہید:

محترم سامعین! اللہ رب العزت نے اپنی اس وسیع وعریض کائنات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ مختلف مقاصد کے تحت جانے کے لیے فضاؤں، جنگلوں اور زمینوں میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے، تنگ اور کشادہ راستے بنائے ہیں، جن راستوں پر چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی پہنچا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہم اور آپ آئے دن زمینی راستوں پر اُس کا مشاہدہ کرتے ہیں، پھر راستہ اگر ہموار، نشیب وفراز سے محفوظ، صاف ستھرا اور کشادہ ہو، نیز اس پر ٹریفک (Traffic) کے مفید قواعد کے مطابق چلا جائے تو عموماً دور کی منزل بھی قریب ہو جاتی ہے اور فاصلے گھٹ جاتے ہیں، اس کے برخلاف راستہ کتنا ہی ہموار، صاف ستھرا اور

(۱) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب : أي الإسلام أفضل؟ الرقم : ١١.

کشادہ کیوں نہ ہو، مگراس پر چلنے کے لیے قواعد (Traffic Rules) نہ ہوں یا اس راستے پر چلنے والے ٹریفک (Traffic) کے مفید قواعد کی خلاف ورزی کریں تو پھر قریب کی منزل بھی دور ہو جاتی ہے اور جو فاصلہ منٹوں میں طے ہونا تھا اس کے لیے گھنٹے لگ جاتے ہیں، نیز یہ بات راستہ چلنے والوں کے لیے یا سوار اور سواری کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ آج کل روزانہ جو سڑک حادثات (Road Accidents) پیش آتے ہیں اور اُن میں جانی و مالی نقصان ہوتا ہے عموماً وہ تمام ٹریفک (Traffic) کے قواعد کی خلاف ورزی کے سبب پیش آتے ہیں۔

دوسری بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً لوگ ٹریفک (Traffic) کے قواعد کی شرعی اہمیت سے ناواقف ہیں، اسی لیے اس کی خلاف ورزی محض ملکی وسرکاری گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ دینی اور شرعی اعتبار سے بھی ممنوع ہے اور کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

لہٰذا اس مجلس میں ہم ٹریفک، ڈرائیونگ اور پارکنگ (Parking) سے متعلّق کچھ اہم شرعی ہدایات کی طرف توجّہ دِلانا چاہتے ہیں۔

نظم ونسق اور (Discipline) دین کا اَہم حصّہ ہے:

بہتر نظم ونسق (Discipline) اور ہر چیز کو مرتّب طریقے سے رکھنا شریعت مطہرہ میں مطلوب ومحمود ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱﴾ (الصّٰفّٰت : ۱)

”قسم ہے قطار در قطار صف بستہ جماعتوں کی۔“

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن فرشتوں کی قَسم ذکر کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں صف بستہ (Line by Line) کھڑے رہتے ہیں، اور بعض مفسرین

کے بقول اِس آیت کریمہ میں اُن نمازیوں کی قسم ذکر کی گئی ہے جو نماز میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے اُن پرندوں کو مراد لیا ہے جو اپنی پوری جماعت کے ساتھ ایک قطار بنا کر ہوا میں اُڑتے ہیں۔ [1] اور تمام علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ پاک میں جب کسی چیز کی قسم ذکر کی جائے تو وہ اس کے عظیم الشان ہونے کی دلیل ہوتی ہے، اُس کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ سے نظم و نسق اور (Discipline) کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں، نمازیوں یا پرندوں کی اُس حالت کا ذکر ہے جب وہ صف بستہ ہوں، قطار در قطار ہوں۔

بہت افسوس کی بات ہے کہ ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے بہت سے بھائیوں کا عام خیال یہ ہوتا ہے کہ نظم و نسق اور (Discipline) کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو عصری تعلیم یافتہ (Educated) لوگوں کا شعار ہے، حالانکہ نظم و نسق اور (Discipline) سب سے پہلے دین کا حصّہ ہے، اور جن لوگوں نے بہتر نظم و نسق اس دنیا میں سیکھا ہے وہ دین اسلام ہی سے سیکھا ہے، البتہ ہمیں یہ مغالطہ اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ غیر مسلمین تو اِسے سیکھ کر اپنی زندگی کا ایسا جزوِ لاینفک بناتے ہیں کہ اُن کی پہچان ہی بہترین نظم و نسق اور (Discipline) سے ہوتی ہے، جب کہ ہم اِس کی اہمیت سے یکسر غافل رہتے ہیں۔

ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی ایذا رسانی کا سبب ہے:

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے ٹریفک کے بنائے ہوئے قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں کسی نہ کسی کا نقصان ضرور ہوتا ہے، اور بسا اوقات تو اسی بنا پر حادثات پیش آتے ہیں، جن میں کبھی کبھی کسی بے گناہ کی جان تک چلی جاتی ہے، یا پھر کوئی اور جسمانی

---

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١٨ / ٦.

نقصان پہنچتا ہے، یا کم از کم ذہنی اَذیت تو ضرور ہوتی ہے، اور قرآنِ پاک کے حکم کے مطابق کسی کو بلا وجہ جان بوجھ کر نقصان پہنچانا بالخصوص کسی مسلمان کو یہ بہت بڑا جرم ہے۔

ایذائے مسلم حرام ہے:

خطبے میں جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی اُس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو بے قصور مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو وہ اپنے سر بہت بڑے گناہ کا بوجھ لے رہے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ایذائے مسلم حرام ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مذکورہ آیت سے کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذا اور دُکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی۔[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِه."[2]

ایک سچے، پکے اور کامل الایمان مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو کسی طرح کا کوئی ادنیٰ نقصان بھی جان بوجھ کر نہ پہنچنا چاہیے، یہاں مسلمانوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک مسلمان کا واسطہ اکثر مسلمان ہی کے ساتھ پڑتا ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ مسلمان کا ذکر کیا گیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلم کو ایذا پہنچانا جائز ہے۔

یا پھر یہ خصوصی حکم ابتداءً تھا، بعد میں عمومی حکم تمام لوگوں کے لیے نازل ہوا، جس میں "مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُوْنَ" کے بجائے "مَنْ سَلِمَ النَّاسُ" کا ذکر ہے۔[3]

---

(۱) معارف القرآن : ۷ / ۲۲۹.

(۲) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب : المسلم...الخ. الرقم : ۱۰.

(۳) سنن النسائي / كتاب الإيمان وشرائعه / صفة المؤمن، الرقم : ٤٩٩٥.

یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے عمل سے ہر کسی کو تو خوش نہیں کر سکتے، لیکن ہر کسی کو اپنی ذات سے پہنچنے والے نقصان سے تو بالیقین بچا سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ شرعاً کسی بھی انسان خصوصاً مسلمان کو بلا وجہِ شرعی جان بوجھ کر جانی، مالی اور ذہنی نقصان پہنچانا حرام ہے، اور ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں ایذا رَسانی یعنی دوسروں کو نقصان پہنچانے کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

حقوق جانبین سے ہوتے ہیں:

ہمارے معاشرے میں ایک بہت عام اخلاقی کمزوری یہ پائی جاتی ہے کہ ہر بندہ یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ میرے حقوق مکمّل ادا کریں اور میرا خیال رکھیں، میں خود اگرچہ لوگوں کے حقوق ادا کروں یا نہ کروں، کسی کا خیال رکھوں یا نہ رکھوں، اس کی کوئی پرواہ نہیں، حالانکہ یہ مزاج اسلامی معاشرے کے ساتھ ہرگز ہم آہنگ نہیں ہے، جس میں تمام لوگوں کے ذمّے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت لازم کی گئی ہے، یہ اسلامی شریعت ہی کی جامعیت ہے کہ اُس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے بہترین رہبری ملتی ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ میں راستے کے حقوق، سوار اور سواری کے آداب و احکام وغیرہ کی بھی رہنمائی موجود ہے، جن پر عمل پیرا ہونے سے بہت سے جھگڑے، تنازع اور حق تلفی وغیرہ سے انسان بچ سکتا ہے۔

اسی طرح حدیث پاک میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

" خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ."(۱)

''لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔''

---

(۱) فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي / الجزء الثالث / الرقم : ٤٠٤٤.

یعنی لوگوں کو راحت پہنچانے والا ہو اور اپنی جانب سے کوئی نقصان لوگوں کو نہ پہنچے اس کا خیال رکھنے والا ہو۔

مذکورہ آیت اور احادیث حقوق العباد میں اصل اور بنیاد ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں حقوق العباد کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان کسی کی بھی ایذا رسانی سے باز رہیں اور کوشش اس بات کی کریں کہ تمام لوگوں کے لیے نفع رسانی کا سبب بنیں۔ٹریفک (Traffic) ڈرائیونگ (Driving) اور گزرگاہ کے اُصول بھی حقوق العباد کا حصّہ ہیں۔

عموماً ہمارا مزاج یہ بن چکا ہے کہ ہم گاڑی ڈرائیونگ کرتے وقت اُلٹی جانب (Wrong Side) میں گاڑی چلا رہے ہوں اور اتفاق سے کسی کے ساتھ کچھ ٹکراؤ ہو جائے تو ہماری سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرنے کے بجائے اُلٹا سامنے والے کو ڈانٹنے لگتے ہیں، تاکہ ہماری غلطی پر پردہ پڑا رہے، پھر بہت سی مرتبہ یہ معاملہ طول پکڑتا ہے اور نوبت گالیوں اور لڑائی تک پہنچ جاتی ہے، خاص طور پر جب سامنے والا بے قصور شخص مالی یا جسمانی اعتبار سے کمزور ہو تو اُس کو زیادہ ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے۔

ٹریفک قواعد کی خلاف ورزی میں حق تلفی کا گناہ بھی ہے:

اگر ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی میں کسی کو بظاہر کوئی نقصان نہ پہنچے تب بھی اس میں حق تلفی یعنی ایک مشترکہ سڑک کے ناجائز استعمال کرنے کا گناہ تو ضرور پایا جاتا ہے، اور ہمارے یہاں اسلامی فقہ کی کتابوں میں یہ اصول لکھا ہے کہ جو راستہ پرائیویٹ اور ذاتی نہ ہو، بلکہ عام اور مشترک ہو اس پر چلنا اور گاڑی چلانا اِس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دوسروں کو کسی طرح کی اَذیت و تکلیف نہ دی جائے اور ان کی حق تلفی بھی نہ کی جائے، اس احتیاط کے بغیر عام اور مشترک سڑک کا استعمال جائز نہیں، اگر بے احتیاطی سے سڑک کا استعمال کرنے

کے نتیجے میں کوئی حادثہ پیش آ گیا تو مشترکہ سڑک کے ناجائز استعمال کے گناہ کے علاوہ اُس حادثے کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا سارا تاوان بھی شرعی نقطۂ نظر سے اس شخص کے ذمّے عائد ہوتا ہے جس نے بے احتیاطی کے ساتھ سڑک کا استعمال کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات کسی ایک مشترکہ سڑک کا ناجائز استعمال کرنے کی وجہ سے سینکڑوں لوگوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور آمد و رفت میں حرج لازم آتا ہے، مثلاً ہائی وے (Highway) کے ایک حصے میں اگر کسی وجہ سے ٹریفک رُک گیا، تو بعض جلد باز قسم کے لوگ تھوڑی دیر انتظار کی زحمت گوارا کرنے کے بجائے سڑک کے اُس حصے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں جو آنے والے ٹریفک کے لیے مخصوص ہے، اس طرح غلط جانب (Wrong Side) چلنے کے نتیجے میں آنے والی گاڑیوں کا راستہ بھی رُک جاتا ہے، پھر گھنٹوں تک ٹریفک اس طرح جام ہو جاتا ہے کہ ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' اس قسم کی بے اُصولی درحقیقت "فساد في الأرض" کے دائرے میں شمار ہوتی ہے، سینکڑوں انسانوں کو کرب و عذاب میں مبتلا کرنے کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے غلط سمت میں گاڑی لے جا کر اِس صورتِ حال سے لوگوں کو دوچار کیا۔

غلط جگہ گاڑی پارک کرنا یا روک دینا:

کچھ لوگ گاڑی پارک (Park) کرنے میں بالکل کسی کا خیال نہیں کرتے، اُن کے طرزِ عمل سے یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پورے روڈ کا تنہا مالک سمجھتے ہیں، مثلاً سڑک تنگ ہے، پہلے ہی سے آنے جانے والوں کو دُشواریوں کا سامنا ہے، اس کے باوجود وہیں گاڑی پارک (Park) کر کے چلے جاتے ہیں، پھر بھیڑ بڑھ جاتی ہے، سب ہارن (Horn) بجا رہے ہیں، لیکن صاحب تو گاڑی میں ہیں ہی نہیں، کون سنے گا؟ بعض لوگ

ایسے تنگ راستوں میں گاڑی کو روک کر موبائل فون پر یا سڑک کے کنارے کسی کے بھی ساتھ اطمینان سے باتوں میں مشغول ہوجاتے ہیں، یہ لوگ اِتنا بھی نہیں سوچتے کہ پیچھے گاڑیوں کا پورا سلسلہ اُس اکیلے کی کم عقلی اور بے حسی کی وجہ سے رُک کر پریشان کھڑا ہے، اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنھیں ہنگامی طور پر علاج و معالجہ کی شدید ضرورت ہو، اُنھیں (Medical Emergency) ہو۔

نیز جب کسی جگہ کوئی جلسہ، محفل اور مجمع ہو، جہاں مجمع میں شرکت کرنے والے لوگوں کی عام سہولت کی خاطر پارکنگ (Parking) کے لیے ایک جگہ متعین کی گئی ہو، وہاں گاڑی پارک کرنے کے بجائے کچھ لوگ صرف اپنی سہولت مدّنظر رکھ کر بیچ راستے میں گاڑی کھڑی کر کے چلے جاتے ہیں، یا پارکنگ (Parking) کے لیے جو جگہ ہے اُس کے دروازے ہی پر گاڑی پارک کر دیتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ اب بعد والے اپنی گاڑی کیسے پارک کریں گے؟ یا کسی کو اپنی گاڑی باہر نکالنی ہے تو وہ کیسے نکالیں گے؟

بہت فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ جب ہم مسجد و مدرسہ اور اصلاحِ معاشرہ کے نام پر بڑے بڑے اِجلاس کے بعد اس طرح کی حرکتیں کر کے نکلیں گے تو غیر مسلمین ہمارے معاشرے کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ وہ مسجد اور نمازیوں کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ یہی کہ اِن لوگوں میں بالکل دوسروں کا خیال کرنے کا تصوّر ہی نہیں ہے، اِن جاہلوں میں (Traffic Sense) جیسی کوئی چیز ہی نہیں ہے، یا وہ سوچیں گے کہ جب بھی ان کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو مسجد کے پاس ہمیں اِن کی غلط پارکنگ کی وجہ سے پریشانیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔

ہمارے کچھ بھائی مسجد گھر کے بالکل قریب ہونے کے باوجود مسجد تک گاڑی میں سوار ہو کر آتے ہیں، حالانکہ وہ جسم کے اعتبار سے بالکل تندرست اور صحیح سالم ہوتے ہیں، اُن

سے عرض کرنا ہے کہ مسجد تک چل کر جانے میں جتنا چلنا زیادہ ہوگا اُسی قدر نماز کے ثواب میں بھی اضافہ ہوگا، مسلم شریف میں یہ بات ایک حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كَانَتْ دِيَارُنَا نَائِيَةً عَنِ الْمَسْجِدِ، فَأَرَدْنَا أَنْ نَبِيعَ بُيُوتَنَا فَنَقْتَرِبَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَنَهَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: "إِنَّ لَكُمْ بِكُلِّ خَطْوَةٍ دَرَجَةً."(۱)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد نبوی سے دور تھے، لہٰذا ہم لوگوں نے ارادہ کیا کہ اپنے گھروں کو وہاں سے بیچ کر مسجد نبوی کے قریب آباد ہوجائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اِس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمھارے لیے ہر قدم چلنے کے بدلے میں ایک درجہ بلند ہوگا۔''

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مسجد تک چلنے میں جس قدر زیادہ مشقت ہوگی اُسی قدر ثواب زیادہ ملے گا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مسجد نبوی کے قریب آباد ہونے کے مقابلے میں فوقیت دی، اس سے اندازہ لگاؤ کہ مسجد تک چل کر جانے میں کتنی فضیلت ہے، ہاں اگر مسجد دور ہو یا خود ہم معذور ہوں تو بے شک گاڑی میں سوار ہو کر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسجد کے قریب پہنچ کر گاڑی کچھ فاصلے سے پارک کرنی چاہیے، بالکل مسجد کے دروازے سے ملا کر گاڑی پارک کرنے سے دوسروں کو آمد ورفت میں تکلیف ہوگی، اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

ہارن (Horn) کا بیجا استعمال:

ہمارے ملک میں ڈرائیونگ کے لیے ہارن بجانا لازم سمجھ لیا جاتا ہے، اُس کی ضرورت کو ہرگز دیکھا نہیں جاتا، بلکہ گاڑی کی پہچان ہی ہارن کے ذریعے ہوتی ہے، پھر

(۱) صحيح مسلم / كتاب المساجد / فضل كثرة الخطا إلى المسجد. الرقم : ٦٦٤

ہمارے کچھ نوجوان بھائی اُس میں فضول خرچی کر کے ایسا مہنگا ہارن خریدتے ہیں جس کی آواز دور تک جائے اور کان کے پردے تک ہلا دے، اور اس کے لیے وہ ہارن کی اضافی (Extra) قیمت بھی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم اس لیے پیسے خرچ کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو پریشان کیا جا سکے، زیادہ قیمت دے کر ایسے ہارن خریدتے ہیں جن میں سے خطرناک آواز نکل سکے، جسے سن کر بیمار اور کمزور دِل والا شخص گھبرا جائے، یہ ایک طرح کی ایذا رَسانی ہے، جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے لوگ ہارن تو معمول کے مطابق (Normal) لگاتے ہیں، لیکن اُس کا استعمال بے ضرورت اور بے محل کرتے ہیں، مثلاً دیکھ رہے ہیں کہ سڑک پر ٹریفک جام ہو چکا ہے، کوئی بھی نکل نہیں پا رہا ہے، سب رُکے ہوئے ہیں، پھر بھی یہ لوگ ہارن بجائے جا رہے ہیں اور اِردگرد کے تمام لوگوں کو بے فائدہ آواز سے پریشان کر دیتے ہیں، یہاں معقول بات ہے کہ مسلسل ہارن بجانے سے تو ٹریفک جام ہٹ نہیں جائے گا، لہٰذا انتظار ہی کرنا ہوگا، لیکن کچھ لوگ اِتنی بات بھی سمجھنے کو تیار نہیں ہوتے، یہ Traffic Sense کی کمی کے ساتھ (Sense Of Humour) کی بھی کمی ہے۔

نیز کچھ لوگ ضرورت نہ ہونے کے باوجود صرف پریشان کرنے کے لیے ہارن بجاتے ہیں، مثلاً اُنھیں کسی کو اوورٹیک (Overtake) کرنے کے لیے تھوڑی سائڈ کی ضرورت ہے، اوّلاً اس لیے ہارن بجاتے ہیں، جو کہ دِن میں ہو تو معقول بات ہے، رات کے وقت سگنل (Deeper) استعمال کرنا چاہیے، پھر صرف اطلاعاً ہارن بجا کے آگے والی گاڑی کے سائڈ میں ہونے کا انتظار نہیں کرتے، بلکہ مسلسل ہارن بجاتے ہیں، یہاں تک کہ اوَرٹیک (Overtake) ہو جانے کے بعد بھی بجاتے ہیں، یہ پریشانی اور ایذا رسانی کا

سبب ہونے کے ساتھ آواز کی آلودگی (Voice Pollution) بھی ہے، جو کہ ہمارے کثیر آبادی والے ملک میں ایک مستقل مصیبت ہے۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ بعض لوگ ڈرائیونگ کرتے ہوئے سامنے آنے والی گاڑی میں کسی پہچان والے شخص کو دیکھ لیتے ہیں تو اُس کو سلام اور (Hi!Hello) کہنے کے لیے بھی ہارن بجاتے ہیں! یہ ہارن کے بے محل اور بے جا استعمال کی انتہا ہے۔

اس موقع پر ہمیں دیگر ممالک سے کچھ آمد ورفت کے آداب Traffic Sense سیکھنے چاہیے، یورپین ممالک میں ہارن کا استعمال بہت ناگزیر اور ہنگامی (Emergency) مواقع میں ہی کیا جاتا ہے، وہاں سڑک پر ڈھیر ساری گاڑیاں چلتی ہیں، پھر بھی ہارن کی آواز بمشکل سننے کو ملتی ہے، اگر کسی موقع پر زیادہ ہارن بجنے لگے تو اُسے ناگہانی حادثہ مانا جاتا ہے اور (Emergency) کی ایمبولنس وغیرہ آجاتی ہے۔

اگر سڑک پر ٹریفک زیادہ ہو جائے اور جلد نکلنے کی کوئی راہ نہ دِکھائی دے تو صبر کے ساتھ انتظار کریں اور یہ دُعا پڑھتے رہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا، وَضِيْقِ يَوْمِ الآخِرَةِ، وَضِيْقِ يَوْمِ القِيَامَةِ."

''اے اللہ! میں دنیا، آخرت اور یومِ قیامت کی تنگی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

حد سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلانا:

مختلف علاقوں کے اعتبار سے سڑک پر گاڑی چلانے کی ایک رفتار متعین ہوتی ہے، اگر سڑک چار قطار والی (Fourline) یا اُس سے زیادہ گنجائش والی ہو تو وہاں ہر قطار (Line) کے لیے ایک رفتار متعین ہوتی ہے، اُس سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلانا

ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی ہے، نیز اُس میں ہمارے جانی و مالی نقصان کا بھی بہت خطرہ رہتا ہے، ہمارے کچھ نوجوان بھائی اِس میں بہت غفلت برتتے ہیں، اکثر جب وہ موٹر سائکل (Bike) چلاتے ہیں تو ٹریفک کے تمام اصول وقوانین کو بھول جاتے ہیں، اِتنی تیز رفتار موٹر سائکل چلاتے ہیں کہ گویا وہ ریسنگ کے میدان میں ہوں، وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سڑک پر گاڑی چلانا اور سوار ہونا ایک ضرورت ہے، کھیل نہیں، لہٰذا سڑک پر وہ تمام تماشے اور کرتب (Bike Stunt) دِکھانے میں قانون شکنی کے علاوہ جان کا خطرہ بھی لگا رہتا ہے، خدانخواستہ اگر موقع پر بریک نہیں لگ پائی یا کنٹرول کھو دیا تو گھر پہنچنے کے بجائے سیدھے ہسپتال پہنچنا پڑے گا۔

سڑکوں پر جگہ جگہ تنبیہ کے لیے بڑے بڑے سائن بورڈ آویزاں ہوتے ہیں، جن میں لکھا ہوتا ہے: "Better Late Than Never" یعنی اپنی منزل کو تاخیر سے پہنچنا یہ بہتر ہے کبھی نہ پہنچ پانے سے۔ اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ حد سے زیادہ تیز رفتاری میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ مبادا حادثہ ہو جائے اور موقع ہی پر موت ہو جائے۔ اسی طرح سڑکوں پر بہت سی جگہ تنبیہ کے لیے لکھا ہوتا ہے:

"Your Family Is Waiting For You."

یعنی آپ کے گھر پر افرادِ خانہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس بات کو یاد دِہانی کے طور پر لکھا جاتا ہے، تا کہ کم از کم اپنے خاندان کے بارے میں سوچ کر رفتار کم کر دی جائے۔

ہمارے بہت سے نوجوان بھائی ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون پر بات کرتے ہیں، یہ بھی خطرے سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ڈارئیونگ کے دوران ویڈیو بناتے ہیں، نئی گاڑی لے کر نکلے ہوں تو اُس کا ویڈیو بناتے ہیں، کسی اچھی جگہ پہنچے تو وہاں کی ویڈیو بناتے

ہیں اور سیلفی وغیرہ لیتے ہیں، مبادا کوئی حادثہ (Accident) ہو جائے اور موت واقع ہو جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی حالت میں دنیا چھوڑنے والے بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

ٹریفک قانون کی خلاف ورزی بھی وعدہ خلافی ہے:

حکومت کی جانب سے بنائے ہوئے ٹریفک کے مفید قواعد کی خلاف ورزی کرنے میں وعدہ خلافی کا گناہ بھی پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص سڑک پر گاڑی چلانے کا لائسنس (Licence) لیتا ہے تو وہ متعلّق حاکم اور افسر کے سامنے فارم پر دستخط کر کے گویا تحریری اور زبانی بلکہ عملی طور پر بھی وعدہ کرتا ہے کہ وہ سڑک پر گاڑی چلاتے وقت تمام مقرّرہ قواعد کی پابندی کرے گا، اگر لائسنس (Licence) کی درخواست دیتے وقت ہی وہ متعلّق حکام کو یہ بتادے کہ وہ ٹریفک کے اصول وقواعد کی رعایت نہیں رکھ سکے گا، تو ظاہر ہے کہ اُسے کبھی بھی لائسنس (Licence) نہیں مل سکتا، جس کسی کو بھی لائسنس (Licence) دیا جاتا ہے وہ اِسی وعدے کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کے بعد اگر کوئی شخص ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس میں وعدہ خلافی کا گناہ بھی ہوگا۔

قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کو ہر طرح کے مباح عہد و پیمان کو نبھانے کا حکم فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ﴾ (المائدۃ : ۱)

”اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔“

یاد رکھنا چاہیے کہ مؤمن بندہ ہر اس وعدے کا پابند ہوتا ہے جو خلافِ شرع نہ ہو، خواہ وہ وعدہ کسی سے بھی کیا ہو، وعدہ نبھانا ایمانی تقاضا ہے، اور وعدہ خلافی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، وعدوں کے متعلّق بھی قیامت میں سوال کیا جائے گا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ (الإسراء : ٣٤)

''عہدو پیمان کو مکمل طور پر نبھاؤ، بلاشبہ عہدو پیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

الغرض ٹریفک کے مفید قواعد کی خلاف ورزی سے قبل اس بات کو نہ بھولیں کہ اس میں نقض عہد کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

خلاصہ:

یہ سب انتظامی نوعیت کے وہ قوانین ہیں جن کا مقصد ہماری جان اور سواری کی حفاظت ہے، اور ظاہر ہے کہ جان و مال کی حفاظت ایک شرعی فریضہ ہے، لہٰذا حکومت حفاظتی نقطۂ نظر سے جو قوانین بنائے (بشرطیکہ وہ خلافِ شرع نہ ہوں) شرعاً اُن کی پابندی ضروری ہے اور خلاف ورزی کرنا گناہ ہے، اس لیے کہ حکومت کے بنائے ہوئے قانون کی حیثیت حکم حاکم کی ہے، اور قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء : ٥٩)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو ذمّے دار ہیں اُن کی بھی اطاعت کرو۔''

اہل ایمان کو رب العالمین نے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کے ساتھ اصحابِ اختیار (مراد حُکّام) کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدّظلہ کے بقول اس اطاعت سے مراد یہی ہے کہ حکام عمومی مصلحتوں کی بنیاد پر جو قواعد مقرّر کریں (بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ

ہوں) ان کی پابندی کی جائے گی، ایسے قواعد کی پابندی بھی شرعاً ضروری ہے۔ (ذکر وفکر: ۱۸۶)

الغرض حکومت نے ٹریفک کے جو اصول وقواعد مقرّر کیے ہیں وہ بھی اسی نوعیت کے ہیں (جن کو اصولِ فقہ کی اصطلاح میں ''مصالح مرسلہ'' کہا جاتا ہے) اس لیے حکم حاکم کی وجہ سے ملک کے تمام باشندوں پر ان کی پابندی شرعی نقطۂ نظر سے ضروری ہوگی اور ان کی خلاف ورزی میں حکم حاکم کی نافرمانی اور قانون شکنی کا گناہ پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی تمام حوادث سے حفاظت فرمائیں، ہمیں اسلامی اصول اور عہد و پیمان کا پابند بنائیں، قانون شکنی، عہد شکنی اور وعدہ خلافی سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

مراجع ومصادر

اس تالیف میں درجِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین
۱	قرآن مجید	
	کتبِ تفسیر	
۲	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل ابن کثیرؒ
۳	معالم التنزیل (تفسیر بغوی)	حسین بن مسعود بغویؒ
۴	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	محمد بن احمد قرطبیؒ
۵	التفسیر الکبیر	ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ
۶	معارف القرآن	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانیؒ
۷	تفسیر انوار البیان	حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ
۸	تفسیر مظہری (مترجم)	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
۹	توضیح القرآن (آسان ترجمۂ قرآن)	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدّظلہ العالی
	کتبِ حدیث، فقہ، سیر، تاریخ وغیرہ	
۱۰	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۱۱	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ

۱۲	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
۱۳	سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائیؒ
۱۴	سنن الترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
۱۵	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینیؒ
۱۶	مسند احمد	اِمام احمد بن محمد شیبانیؒ
۱۷	مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ تبریزیؒ
۱۸	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد طبرانیؒ
۱۹	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانیؒ
۲۰	شعب الایمان	احمد بن حسین بیہقیؒ
۲۱	السنن الکبریٰ	احمد بن شعیب نسائیؒ
۲۲	مصنَّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ
۲۳	الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بغدادیؒ
۲۴	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر ہیثمیؒ
۲۵	کنز العمال	علی بن حسام الدین متقیؒ
۲۶	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن محمد معروف بہ ابن سنیؒ
۲۷	کتاب التوابین	عبداللہ بن محمد بن قدامہ مقدسیؒ
۲۸	الفتاوی الہندیہ (فتاوی عالم گیری)	جماعت علما بہ سرپرستیٔ نظام الدین بلخیؒ
۲۹	ردالمحتار (فتاویٰ شامی)	علاء الدین محمد ابن عابدین شامیؒ

۳۰	احیاءعلوم الدین	ابوحامد محمد غزالیؒ
۳۱	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۳۲	الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح	تقی الدین احمد بن عبدالحلیم دمشقیؒ
۳۳	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد مناویؒ
۳۴	نصب الرایۃ	عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ
۳۵	کشف الخفاء ومزیل الالباس	اسماعیل بن محمد عجلونیؒ
۳۶	زادالمعاد فی ہدی خیر العباد	ابن القیم جوزیؒ
۳۷	الاستیعاب	یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبیؒ
۳۸	تقیید العلم	احمد بن علی الخطیب البغدادیؒ
۳۹	سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
۴۰	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
۴۱	مظاہر حق جدید	نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ
۴۲	مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانیؒ
۴۳	فیض ابرار	حضرت مولانا ابراراحمد صاحب دُھلیویؒ
۴۴	ملفوظاتِ خطیب الامت	حضرت مولانا ابراراحمد صاحب دُھلیویؒ
۴۵	خزائن الحدیث	مولانا حکیم اختر صاحبؒ
۴۶	ذکروفکر	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدّظلہ
۴۷	سچّی باتیں	علّامہ عبدالماجد دریابادیؒ

''آسان دین'' چینل کا مختصر تعارف

اِس یوٹیوب چینل پر وقت کے اُہم اور ضروری عنوانات پر علمی و تحقیقی مضامین جامع و عام فہم انداز میں پیش کیے جاتے ہیں، نوجوان نسل کے بہت سے ضروری مسائل نہایت متوازن اُسلوب میں بیان ہوتے ہیں، نیز مختلف مواقع سے متعلق مسائل، فضائل، وظائف اور اصلاحی بیانات نشر کیے جاتے ہیں۔

نوٹ: اس کیوآر کوڈ کے ذریعے آپ چینل کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

AASAN DEEN

CHANNEL QR CODE

نوٹ: اس کیوآر کوڈ کے ذریعے آپ تمام پندرہ تقاریر چینل پر سن سکتے ہیں:

15 BAYAN

PLAY LIST QR CODE

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر

آسان دین

Aasan Deen

Media Services

ADMS

اس جلد کے مضامین

AASAN DEEN

CHANNEL QR CODE

YouTube

AASANDEEN

15 BAYAN

PLAY LIST QR CODE